# Rida Digest September 2017

URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

# ردا ڈائجسٹ


خط و کتابت کا پتہ
ردا ڈائجسٹ
۱۳۶-ڈی-بلاک ۲
پی-ای-سی-ایچ-ایس
کراچی



چیف ایڈیٹر
صالحہ محمود

ایڈیٹرز
سعدی محمود جعفری، بلال جعفری
نمائندہ امریکہ، فراز جعفری
E-Mail : frazjafri@aol.com
نمائندہ UAE ، عمیر علی جعفری
E-Mail : sagrehit@emirates.net.ae
نمائندہ لندن، شبانہ آصف خان
آرٹسٹ: جنید انصار

۱۸۔ آہی — صالحہ محمود


## سلسلے وار ناول


| | | |
|---|---|---|
| صحراؤں کی گلیوں میں | قمروش | ۱۰ |
| زندگی، پھول، محبت، خوشبو | شازیہ مصطفیٰ | ۱۰۴ |
| عشق کی داستاں جدا | ریحانہ آفتاب | ۱۵۰ |
| ستارے | ایقان علی | ۱۸۰ |


## مکمل ناول


| | | |
|---|---|---|
| میری زندگی ہے تو | عائشہ مری | ۳۴ |


## ناولٹ


| | | |
|---|---|---|
| وصلِ عشق | آسیہ مظہر | ۶۶ |
| نام تیرا ہے مجھ سے | تہمینہ چوہدری | ۱۲۸ |


## افسانے


| | | |
|---|---|---|
| بڑی عید | حفصہ کنول | ۸۲ |
| عید کا چاند | مریم فاطمہ | ۹۰ |
| فیصلہ | حنا شاہد | ۱۱۲ |
| سوکھا آسمان | زندگی تنویر | ۱۴۲ |
| عید کا چاند | مہرین کنول | ۱۷۲ |
| شاید کہ اتر جائے...... | نظیر فاطمہ | ۱۷۴ |
| آج کا مسلمان | ثناء کنول | ۱۷۸ |


## مستقل سلسلے


| | | |
|---|---|---|
| ردائے جنت | صالحہ محمود | ۷ |
| ردا کی ڈائری | صدف سعد | ۲۰۲ |
| ذرا پھر سے کہنا | شہلا مشائق | ۲۱۲ |
| خوشبو | نورین ملک | ۲۰۸ |
| اس ماہ میں | نورین ملک | ۲۰۶ |
| کچن | ثریا اقبال | ۲۲۲ |
| سنگھار | شہلا مشائق | ۲۲۵ |
| اشعار | نورین ملک | ۲۰۴ |
| سندیسے | صالحہ محمود | ۲۱۷ |
| دوستوں کے نام پیغام | ادارہ | ۲۲۰ |

ستمبر 2017ء

جلد نمبر 21 شمارہ نمبر 9

قیمت 60 روپے

www.facebook.com/rida.digest

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

720 رُوپے

34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی



**انتباہ:-**
ماہ نامہ "ردا" ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرادے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ "ردا پبلیکیشن"۔

صالحہ محمود

کوئی کسی کے لیے رکتا ہی نہیں ہے نہ زندگی کی رفتار رکتی ہے ہر چیز ایک دن اپنی جگہ آ کر رک جاتی ہے۔ بس دکھوں کے دریا ہیں جو آباد رہتے ہیں۔ یادوں کا کوئی پتھر اٹھا پھینکو لیکن لہر دم توڑ جاتی ہے۔ یہ زندگی کا اثاثہ ہے جو تہہ آب ہو گیا۔ انسان ساکت ہوا، تو لب خاموش ہو گئے لیکن دریا ابل پڑے۔ قطرہ قطرہ دکھوں نے اسے سمندر بنا دیا۔ کہیں گرتی ہوئی آبشاروں میں شفو ہاتھ چھڑا کر چلی گئی، دکھ کا ایک دریا تھا جو ابلتا رہا اور شام ہو گئی کب دن ڈھلا کب رُت بدلی بس دل کا موسم بنجر بنجر دھوپ بجی رہی آنکھوں میں اچانک پھر کہیں دکھ کی آندھی چلی، سیاہ بلکو لے لے گئے اٹھا کر مجھے۔ خشک دھوپ میں جہاں ہر چیز ساکت تھی بس دل کی صدائے بازگشت آج بھی کانوں میں آ رہی ہے۔ میرا بھائی مجھ سے بچھڑ گیا وہ بھائی جو عکس تھا میری تحریروں کا جس کی کتابوں سے میں نے استفادہ حاصل کیا۔ وہ ایک شب علم وادب کا کثیر سرمایہ چھوڑ کر راہ عدم کا راہی ہوا۔ سناٹوں سے گلی کوچے آباد ہو گئے۔ گھر ویران سا لگا، قیمتی کیٹس ویران سے، پرندے چہچہاتے رہ گئے۔ کتابوں کے اوراق رہ گئے ان نایاب کتابوں میں جہانگیر بادشاہ کے ہاتھ سے لکھا ہوا روزنامچہ ایک شام محبت کی طرح کتابوں کے بیچ رہ گیا۔ وہ ہنستی ہوئی شوخ براؤن آنکھیں سفید چہرے مسکراتی ہوئی وہ ماتھے کی شکنیں وہ قرب کا احساس کے بیٹھ کر اٹھنے کا دل نہ چاہے، علم وادب کا ایک ایسا چراغ جو گل ہو گیا وہ میرا بڑا بھائی تھا جس سے میں نے انسپائریشن لی وہ میرا فخر تھا۔ جو کل روٹھ کر مٹی میں سو گیا۔ گلاب چہرہ تھا جو بکھر گیا۔

یارب! دعاؤں اور محبتوں کے شجر
جب تک دلوں میں آباد رہیں
تا ابد رحمتوں کے سائے ابر کی طرح
لحد پر برستے رہیں
سب منزلیں ہوں آسان
رحمتوں کے در کھلے رہیں
یارب! تو کرلے یہ التجا قبول
یہ ہیں میری محبتوں کے پھول
جنت کا وہ مکین بنے
سب گناہوں سے پاک کردے اسے
معاف کردے اسے

صالحہ محمود

ہمارے چاہنے والے پڑھنے والوں سے التماس ہے کہ ڈاکٹر عزیز صدیقی جو کہ ہمارے بڑے بھائی تھے ان کے درجات کی بلندی کی دعا کریں۔



صالحہ محمود

### قربانی کی دعا:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن دو مینڈھے قربان کیے۔ جب انہیں قبلہ رخ کیا تو فرمایا: (ترجمہ) میں نے یکسو ہو کر اپنا چہرہ اس اللہ کی طرف کرلیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکین میں سے نہیں۔ بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔ اے اللہ! یہ جانور تجھ ہی سے ملا اور تیرے ہی لیے قربان کیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت کی طرف سے۔ (ابوداؤد)

### رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی:

حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کرنا چاہتے تو دو بڑے بڑے، موٹے تازے، سینگوں والے، چتکبرے اور خصی مینڈھے خریدتے۔ ایک اپنی امت کی طرف سے ذبح فرماتے، یعنی امت کے ہر اس فرد کی طرف سے جو اللہ کی توحید کی گواہی دیتا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پہنچانے (اور رسول ہونے) کی گواہی دیتا ہو اور دوسرا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کی طرف سے ذبح کرتے۔ (مسند احمد)

### قربانی واجب ہے یا نہیں؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے پاس (قربانی کرنے کی) گنجائش ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو اسے چاہیے کہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔'' (مسند احمد)

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ''میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ ''کیا قربانی واجب ہے؟'' انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمان قربانی کرتے رہے اور یہی طریقہ جاری ہے۔'' (طبرانی)

### قربانی کا ثواب:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قربانی کے دن آدم کا بیٹا کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جو اللہ کو خون بہانے (جانور کی قربانی کرنے) سے زیادہ محبوب ہو۔ وہ (جانور) قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت آئے گا (اور نیکی کے پلڑے میں رکھا جائے گا) قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں (قبولیت کا) مقام حاصل کرلیتا ہے۔ اس

لیے خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔'' (ترمذی)

**قربانی کا جانور:**

حضرت یونس بن میسرہ بن حلبس رحمۃ اللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ''میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوسعید رزقی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قربانی کے جانور خریدنے لگا۔

یونس بن میسرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے مینڈھے کی طرف اشارہ کیا جس کے کانوں اور گلے کا کچھ حصہ سیاہ تھا۔ وہ جسمانی طور پر نہ زیادہ اونچا تھا نہ زیادہ پست تھا۔ انہوں نے فرمایا۔ ''میرے لیے یہ خرید لو۔'' گویا انہوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مینڈھے کے مشابہ قرار دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ عیدالاضحیٰ آگئی چنانچہ ہم نے دس دس آدمیوں کی طرف سے ایک ایک اونٹ اور سات سات آدمیوں کی طرف سے ایک ایک گائے مشترکہ طور پر ذبح کی۔ (ترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''ہم نے حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک اونٹ سات افراد کی طرف سے اور ایک گائے سات افراد کی طرف سے ذبح کی۔'' (صحیح مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ (ابوداؤد)

**کس عمر کے جانور کی قربانی درست ہے؟**

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ بکریاں دیں جو انہوں نے قربانی کے لیے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے) صحابہ کرام میں تقسیم کر دیں۔ (ان کے پاس) بکری کا ایک سالہ بچہ (باقی) رہ گیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو انہوں نے فرمایا: ''اس کی قربانی تم دے دو۔'' (بخاری)

**جس جانور کی قربانی دینا مکروہ ہے:**

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانور کو ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے جس کا کان آگے سے کٹا ہوا ہو یا جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو، یا جس کا کان چرا ہوا ہو یا جس کے کان میں (گول) سوراخ ہو یا اس کا ہونٹ کٹا ہوا ہو۔'' (ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم (قربانی کے جانور کی) آنکھیں اور کان اچھی طرح دیکھ لیا کریں۔ (ترمذی)

**قربانی کی کھالیں:**

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ آپ کے (قربانی کے) تمام اونٹوں کا گوشت، ان کی کھالیں غریبوں میں تقسیم کر دیں۔

**قربانی کا گوشت کھانا:**

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہر اونٹ کی ایک ایک بوٹی لے کر ہنڈیا میں ڈالی گئی (اور پکائی گئی) تب انہوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے) کچھ گوشت کھایا اور کچھ شوربہ پیا۔ (مسند احمد)

......☆......

قمروش شہک

# صحرائوں کی گلیوں میں عشق

''السلام علیکم!'' اجیارہ نے ادب سے سلام کیا۔
''وعلیکم السلام.... آپ شاید اجیارہ حسن ہیں۔'' زنیرہ نے بغیر کوئی سوال کئے ڈائریکٹ بات کی تھی۔
''جی.... وہ مجھے سنی کو پڑھانے کے لئے سر چوہدری قیصر صاحب نے بھیجا ہے۔''

''جی، میری ابھی کچھ دیر پہلے ہی ڈیڈ سے بات ہوئی ہے، آپ آیئے اندر۔'' زنیرہ آگے بڑھی اور اجیارہ اس کے پیچھے پیچھے چل دی تھی۔ زنیرہ اس کو سیدھا سنی کے بیڈروم میں لے آئی تھی۔
''آیئے.... یہ سنی کا بیڈروم ہے۔ یہ میرا چار سال کا پیارا سا بیٹا ہے۔'' زنیرہ نے موبائل فون پر گیم کھیلتے سنی کو گود میں اٹھالیا، سنی نے اجیارہ کو دیکھا۔
''سنی جانو، سلام کرواپنی نئی ٹیچر کو۔''
''آج پھر سے نئی ٹیچر.... دیکھ لینا رشی ماما ان کو بھی نکال دیں گے یا یہ خود ڈر کے بھاگ جائیں گی۔'' سنی نے اپنے معصومانہ انداز میں کہا۔
''سنی بری بات، ایسے نہیں کہتے، پتہ ہے ان کو نانا ڈیڈ نے بھیجا ہے۔'' زنیرہ نے سنی کے چھوٹے سے

## قسط نمبر 12

ہونٹوں پر ہاتھ رکھا اور سامنے کھڑی اجیارہ کو دیکھا۔

''ایم سوری۔'' زنیرہ کو معمولی سی شرمندگی ہوئی۔

''کوئی بات نہیں۔'' اجیارہ ہولے سے مسکرادی اگر اس کو چوہدری قیصر عسکری نے سب کچھ بتایا نہیں ہوتا تو وہ سنی کی بات پر حیران ہوتی مگر وہ سب جانتی تھی۔

''تو پھر یہ لیجئے آپ کا اسٹوڈنٹ..... مجھے ذرا باہر جانا ہے۔ میں ایک گھنٹے میں آجاؤں گی۔'' زنیرہ نے سنی کو گود میں اٹھا کے اجیارہ کی طرف بڑھایا۔ اجیارہ نے اس معصوم سے پیارے سے بچے کو تھام لیا۔

سنی تو اپنی کہہ کر پھر سے اپنے وڈیو گیم میں لگ چکا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا یہ اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں، ہر روز اس کے ٹیوٹر آتے رہتے ہیں اور جاتے رہتے ہیں۔

''آپ فی الحال اس کو بند کیجئے۔'' اجیارہ نے سنی کے ہاتھ سے موبائل فون لیا اور آف کر کے ایک سائیڈ پر رکھا اس دوران زنیرہ کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

''اب سب سے پہلے مجھے اپنا پورا نام اپنی کلاس اور اپنے فرینڈ کے بارے میں بتائیے۔'' اجیارہ اس کو اس کے بیڈ پر لے آئی گود میں بیٹھا کر اس کا رخ اپنی سمت کیا۔

☆......☆

''خیریت تو ہے؟'' ندیم بلوچ نے سید اذکار علوی کو اس کے گھر سے پک کیا تھا۔

''ہاں یار سوچا ایک بہت اہم کام کرنے جا رہا ہوں تو تجھے اپنے ساتھ لے کر چلوں آخر کو بہت گہرا اور اچھا دوست ہے تو میرا، تو سب سے پہلے اپنی پہلی خوشی میں تجھے شامل کرنا بنتا ہے۔'' ندیم بلوچ نے گاڑی کا اسٹیئرنگ گھمایا تھا۔

''اللہ رحم کرے یقیناً شادی کے بارے میں سوچ لیا ہے۔'' سید اذکار علوہ، ندیم بلوچ کے ہر رنگ کو پہنچاتا تھا ان کی یہ دوستی ابھی کی نہیں تھی، اسکول لائف سے تھی دونوں نے ایک ساتھ ہی پڑھائی مکمل کی تھی بس فیلڈ الگ الگ جوائن کر لی تھی۔ فیلڈ بھلے ہی الگ الگ ہو مگر ان کی دوستی پر حرف نہیں آیا تھا۔

''کچھ ایسا ہی ہے۔'' ندیم بلوچ کی آنکھوں میں چھب سے رجاء صدیقی کا جھلملاتا ہوا عکس ابھرا تھا۔

''بہت زبردست نیوز سنائی ہے، کون ہے وہ؟ یقیناً خاص ہی ہوگی، کچھ تو بات ہوگی جسے میرے یار نے پسند کیا ہے۔'' سید اذکار علوی کو دلی خوشی ہوئی تھی، وہ بہت خوش تھا کہ ندیم بلوچ اس کے بیسٹ فرینڈ نے کسی لڑکی کو پسند کیا ہے۔

''ہاں، بہت خاص اور اہم ہے، ہر لڑکی سے الگ اور مختلف، کوئی ناز و انداز نہیں، کوئی بناوٹ نہیں۔ ہر مادی شے سے پاک، سادہ چہرہ، سادہ انداز، باتوں میں خوشبو...رجاء صدیقی راؤ!''

''اوں.... رجاء صدیقی راؤ.... گڈ نیم.... تو میری جان کہاں تک پہنچی یہ کہانی۔'' سید اذکار علوی اس کے چہرے کے کھلتے رنگوں کو دیکھنے لگا تھا، آج پہلی بار اس کے چہرے پر وہ رونق دیکھی ہے جو کبھی نہیں دیکھی تھی حالانکہ جس فیلڈ میں وہ تھا وہاں ہر موڑ، ہر قدم پر حسن ہی حسن بکھرا پڑا تھا۔ خوبصورتی اس کے قدموں میں پڑی تھی مگر ندیم بلوچ نے کبھی بھی نظر اٹھا کے نہیں دیکھا تھا۔

''اس انڈسٹری میں بہت سی خوبصورتی، کھلا عریاں حسن، ہوشربا شباب دیکھا کتنی نے مجھ کو متاثر کرنے کی کوشش بھی کی تو بہت سی نے آفر بھی دی مگر میرے دل کو، میری آنکھوں کو کبھی کسی کی خوبصورتی نے متاثر نہیں کیا، کوئی میری آنکھوں میں بچا نہیں، کوئی میرے دل کو بھایا نہیں۔ یہ دل بھی اٹکا تو کہاں اٹکا، پہلی نظر، پہلی ملاقات میں ایسا لگا جیسے میں اپنا سب کچھ ہار گیا، اپنا دل ہار گیا۔'' کھویا کھویا سا انداز، آنکھوں کی چمک، لبوں سے جھڑتے پھول مکمل طور پر رجاء صدیقی کے سراپے میں ہی کھوئے ہوئے تھے۔ اس کے گرد جیسے رجاء صدیقی کا حصار ہی بندھ گیا تھا۔

''لگتا ہے چاروں شانے چت ہوگیا ہے میرا یار۔''

''ہاں ایک جھٹکے میں ہی۔''

گاڑی اس شہر کے مہنگے ترین مال کے پارکنگ لاٹ میں رک چکی تھی۔ ندیم بلوچ نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھے سید اذکار علوی کو دیکھا۔

''تو پھر شادی کے لڈو کب کھلا رہا ہے۔''

''شادی کے لڈو؟'' ندیم بلوچ نے گم صم سے انداز میں کہا۔

''اوہ بھائی تو تو اس طرح کھوئے کھوئے انداز میں بول رہا ہے جیسے اب تک ہم کسی اور کی بات کر رہے تھے۔''

''مگر ابھی میں نے رجاء سے بات کب کی ہے۔''

''واٹ!'' سید اذکار علوی جیسے اپنی سیٹ سے دو فٹ اوپر اچھلا ہو۔

''تو جو اس قدر رجاء صدیقی کے سادے حسن میں زمین آسمان کے قلابے ملائے جا رہے تھے وہ سب کیا تھا۔''

''وہ تو ابھی میری کچھ دنوں پہلے ہی رجاء صدیقی سے ملاقات ہوئی ہے۔ رجاء صدیقی مجھے ایک الٹرا شیونگ کے ایڈ کی آفر دینے آئی تھی۔''

''ویری گڈ! اور میں سمجھ رہا ہوں کہ اب تو مجھے گڈ نیوز دینے والا ہے اسی ہفتے سر پر سہرا سجانے والا ہے۔''

''ارے نہیں نا۔ ابھی تو میں نے اس پر اپنی پسند بھی ظاہر نہیں کی۔''

''تو جب کرنا جب تیری رجاء صدیقی کسی اور کے ساتھ شادی ہو کر چلی جائے گی۔'' سید اذکار علوی تپ کر بولا۔

''اللہ نہ کرے، بددعا تو مت دے، کیسا دوست ہے تو۔'' ندیم بلوچ نے گھور کر سید اذکار علوی کے تپے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔

''میں بددعا نہیں دے رہا، بھئی لڑکی پسند کر لی ہے تو جاؤ بغیر ڈرے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بول دو کہ میں تمہیں چاہتا ہوں۔''

''ہاں، میں یہی تو کرنے آیا تھا، سوچا تیرے ساتھ شاپنگ مال سے رجاء صدیقی کے لئے ایک ڈائمنڈ رنگ خریدوں گا۔''

''اچھا تو پھر دیر کیسی، چل جلدی سے نیچے اتر، میں تجھے دلاتا ہوں ایک اچھی سی ڈائمنڈ رنگ۔'' دونوں ایک ساتھ نیچے اترے تھے۔

''تو بھی ناں بہت ست نکلا، ویسے انڈسٹری میں اپنے غرور کے جھنڈے گاڑھے ہوئے ہیں مگر اپنے دل کی بات ابھی تک دل میں ہی چھپا کے رکھی ہے۔''

سید اذکار علوی اور ندیم بلوچ ایک قیمتی اور مہنگی جیولری شاپ پر آ کر جہاں بیش و قیمت کی طرح کی ہر

جیولری موجود تھی۔

''چل دیکھ، کیا اچھا لگے گا تیری رجاء پر۔'' ندیم بلوچ نے شاپ کیپر سے قیمتی اور مہنگی ترین انگوٹھیاں منگوائیں۔ کوئی آدھے گھنٹے تک دیکھنے کے بعد بالآخر دونوں کو ایک ڈائمنڈ رنگ پسند آ ہی گئی۔

''یہ بہت خوبصورت ہے۔'' ندیم بلوچ نے ڈائمنڈ کی چمک دیکھی جس میں اسے رجاء صدیقی نظر آئی۔

''ہاں اور یہ یقیناً رجاء صدیقی کو بہت پسند بھی آئے گی۔'' سید اذکار علوی کو بھی وہ ڈائمنڈ رنگ بہت اچھی لگی تھی۔

''اس کو پیک کر دیں۔'' ندیم بلوچ نے شاپ کیپر کو وہ انگوٹھی دے دی۔

''تو بھی دیکھ لے کچھ، بھابی کے لئے۔'' سید اذکار علوی کی نظر سامنے شیشے میں رکھے مخملی باکس میں رکھی سلور پائل پر پڑی۔

''یہ دکھائیے ذرا۔''

''جی سر!'' شاپ کیپر نے شیشے کا ڈور کھول کے سرخ مخملی باکس نکالا تھا اور سید اذکار علوی کے آگے رکھ دیا۔

''زبردست..... لے لے بریزے بھابی پر اچھی لگے گی مگر اس کی پیمنٹ میں کروں گا، میری طرف سے گفٹ۔'' ندیم بلوچ نے وہ مخملی باکس اٹھا لیا۔

''پاگل ہوئے ہو کیا۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' سید اذکار علوی نے منع کرنا چاہا۔

''کیا مطلب ضرورت نہیں ہے؟ بلکہ بہت ضرورت ہے تیری شادی اتنی ارجنٹ ہوئی کہ میں کوئی گفٹ دے ہی نہیں سکا، اس لئے میری طرف سے یہ چھوٹا سا گفٹ سمجھ کے رکھ لے۔''

''اب میں آگے کیا کہہ سکتا ہوں۔'' سید اذکار علوی نے ہار مان لی تھی اس کے پرخلوص پیار اور دوستی کے آگے۔

''آپ آگے سے کچھ کہہ سکتے بھی نہیں ہیں۔'' ندیم بلوچ نے مسکراتے ہوئے وہ سرخ مخملی باکس شاپ کیپر کو تھما دیا۔

''اس کا بھی بل میرے کارڈ پر بنا دیجیے۔''

''تجھے کچھ اور بھی پسند آ رہا ہے۔'' کانچ کے شوکیس میں دیکھتے سید اذکار علوی کو ندیم بلوچ نے دیکھا تھا۔

''اوں..... یہ لاکٹ دکھانا ذرا۔'' سلور اور گولڈ کی بھاری سی چین میں گولڈ کا جالی کی طرح چھوٹا سا دل بنا تھا اس پر خوبصورت سالٹی نگوں سے مزین ''A'' لکھا ہوا تھا۔

''اب یہ مت کہنا کہ یہ بھی تو گفٹ کرنے والا ہے۔'' سید اذکار علوی نے چین ہاتھ میں لی۔

''نہیں یہ تیرا اپنا پرسنل میٹر ہے۔'' وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

دو سے ڈھائی لاکھ کا بل بنا تھا، ان تین چیزوں کا جس میں رنگ اور پائل کی پیمنٹ ندیم بلوچ نے کی تھی جبکہ سید اذکار علوی نے وہ سلور گولڈ کی بھاری چین لاکٹ بریزے کے لیے خریدا تھا۔

''چلیں!''

''ہاں!'' دونوں باہر نکلے تھے۔

''ارے ہاں ندیم، شبنم سے ملاقات ہوئی تھی کل کچھ کہہ رہی تھی۔''

''نہیں میں تو اس کو ہوٹل میں چھوڑ کر چلا گیا تھا، ہاں تمہارا ایک آفیسر ذاکر حیات وہ روم میں آیا تھا، اس نے



کچھ پوچھا ہو تو میرے علم میں نہیں۔''

''یار میں تیرا جتنا شکر ادا کروں کم ہے تو نے میری مدد کی ہے۔''

''دیکھ دوستوں میں کوئی شکریہ نہیں ہوتا یہ تو میرا فرض ہے بلکہ میں تیرا شکر گزار ہوں کہ اپنے پاک ملک اپنی مٹی اپنی زمین کا تھوڑا سا قرض ادا کر سکوں اگر میری وجہ سے ہم اس ملک دشمن تک پہنچ جائیں تو یہ میرے لیے بہت فخر کی بات ہے اور میری تو تجھ سے یہ ریکوئسٹ ہے کہ سہد وڑائچ کو ایسی موت دینا کہ موت کو بھی خود پر رحم آئے۔'' ندیم بلوچ کی آنکھوں میں اپنے پاک ملک پاکستان کے لئے جذبہ تھا، جس قدر محبت تھی اس سے کئی گناہ سہد وڑائچ کے لئے نفرت بھی تھی۔

''جو ہمارے ملک کی جڑوں کو اندر سے کھوکھلا کرنے کی کوشش کر رہا ہے ہمارے ملک کی عزت و ناموس، آبرو سے کھیلنے کی کوشش کر رہا ہے، ہماری نئی آنے والی جنریشن کو تباہ برباد کر رہا ہے مگر وہ بھول گیا ہے کہ جب پاکستان پر ہماری پاک سرزمین پر کسی نے مصیبت ڈھائی ہے اسے گندی و میلی نظروں سے دیکھا وہ خود تباہ برباد ہوا ہے۔''

''فکر مت کر، سہد وڑائچ کو میں ایسی موت دوں گا کہ موت بھی کانپ جائے گی تل تل مرے گا اور خود اپنی آنکھوں سے اپنی موت دیکھے گا بس مجھے اس کی خبر مل جائے پتہ چل جائے کہ وہ رزیل آدمی کس بل میں چھپا بیٹھا ہے پھر لحہ بھی نہیں لگاؤں گا اس کو اپنے مضبوط شکنجے میں جکڑنے کے لئے۔'' سید اذکار نے پرسوچ نظروں سے ونڈ اسکرین کو گھورا تھا۔

''مجھے تجھ سے یہی امید ہے اذکار! بھلے ہی میرے کیریئر پر انگلی اٹھتی ہے، میری ذات کو نشانہ بنایا جاتا ہے مگر میں ہر صورت تیرا ساتھ دوں گا۔'' ندیم بلوچ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرا تھا۔

''تھینکس میرے یار! اب وہ وقت دور نہیں جب مجرم بہت جلد سلاخوں کے پیچھے اپنی ہی دھول چاٹ رہے ہوں گے۔'' سید اذکار علوی نے ندیم بلوچ کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ دھر دیا تھا۔

اسی اثناء میں ندیم بلوچ کا فون بجنے لگا تھا۔ اس نے فون دیکھا جہاں رجاء صدیقی کالنگ جگمگا رہا تھا۔ اس کے لبوں پر دھیرے سے مسکراہٹ کھل اٹھی اور اپنا ہاتھ آہستگی سے سید اذکار علوی کے ہاتھ کے نیچے سے نکال لیا۔

''تمہارے ہونٹوں کی مسکراہٹ بتا رہی ہے رجاء صدیقی کا فون ہے۔'' سید اذکار علوی نے اس کے چہرے کی چمک اور ہونٹوں کی مسکراہٹ سے اندازہ لگا لیا تھا۔

''ہاں۔''

''تو ٹھیک ہے، تم انجوائے کرو، میرا گھر بھی آ گیا ہے میں بھی نکلتا ہوں۔''

''او کے مگر رات کا ڈنر ہم ساتھ کر رہے ہیں، تو بریزے بھابی کو لے کر ٹھیک دس بجے پرل ہوٹل میں پہنچ جانا۔'' ندیم بلوچ نے سید اذکار علوی کو یاد دہانی کرائی۔

''میرا خیال ہے تجھے اب فرصت نہیں ملے گی۔'' اس نے ندیم بلوچ کے ہاتھ میں اس کا سیل فون بجتے رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

''ارے یار ایسی کوئی بات نہیں ہے، پیار اپنی جگہ دوستی اپنی جگہ۔'' ندیم بلوچ کے منہ سے بے دھڑک بالکل اچانک ہی نکلا تھا۔

"اوہو... پیار....!" سید اذکار علوی نے اس کا جملہ پکڑ لیا تھا۔

ندیم بلوچ کچھ خفیف سا ہو گیا۔

"چل مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تجھ جیسے ریز رو بندے کو بھی کسی سے پیار ہوا لیکن ندیم تو جانتا ہے نا میں بریزے کو نہیں لا سکتا اس لئے معذرت۔ کچھ ٹائم ویٹ کر لے پھر تیرے ولیمے کی دعوت کھائیں گے۔"

"او کے میں سمجھ سکتا ہوں، اچھا اب اجازت دے، فون چیخ چیخ کے تھک گیا ہے، مجھے بھی اب نکلنا چاہیے۔"

ندیم بلوچ نے اپنا سیل فون ڈیش بورڈ پر رکھا۔

"او کے، فی امان اللہ۔"

سید اذکار علوی گھر آ گیا اور ندیم بلوچ نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

سید اذکار علوی گھر میں داخل ہوا تو کچھ سناٹا سا محسوس ہوا تھا۔ اپنی کلائی پر بندھی قیمتی و مہنگی ہینڈ واچ دیکھی جہاں اس وقت شام کے پانچ بج رہے تھے۔ اس وقت تو سید آغا شہباز علوی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے ہوتے تھے مگر ٹی وی بھی بند تھا اور سید آغا شہباز علوی بھی غائب تھے۔

"عبدل، دادو کہاں ہیں؟ اپنے روم میں ہیں؟" سید اذکار علوی نے صفائی کرتے ملازم سے پوچھا جو اس وقت پھولوں کی منی پلانٹ کی صفائی کر رہا تھا۔

"نہیں چھوٹے سرکار، بڑے سرکار برابر والے بنگلے میں گئے ہیں۔ شیخ صاحب کی طبیعت ناساز تھی، انہیں بخار ہو گیا ہے تو بڑے سرکار کو فون کر کے ملنے بلایا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" سید اذکار علوی اپنے بیڈ روم میں اوپر کی جانب بڑھنے لگا کہ سامنے کچن سے کچھ کھڑ پھڑ کی آواز آئی اور ساتھ ہی ریڈ کلر کا آنچل بھی نظر آیا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا وہ جیولری باکس سائیڈ میں رکھے آئرن کارنر پر رکھا اور کچن کی جانب چل دیا۔

"آہ۔" ایک دردناک چیخ کے ساتھ سید اذکار علوی کی بھی زوردار چیختی ہوئی آواز نکلی تھی۔

"بریزے۔" آگ کا ایک شعلہ بھڑکا تھا اور گرم کھولتا ہوا تیل بریزے کے پیروں پر گرا تھا۔ سید اذکار علوی تیزی سے اس کے پاس آیا اور اس کو اپنی جانب کھینچا تھا۔

"بریزے.... بریزے...." بریزے درد اور خوف سے بے ہوش ہو چکی تھی، عقل و خرد سے بے سود وہ سید اذکار علوی کے آہنی مضبوط بازوؤں میں جھول گئی تھی۔ سید اذکار علوی نے اس کے نازک وجود کو اپنی بانہوں میں بھرا اور ٹی وی لاؤنج میں لے آیا تھا۔ اس کو صوفے پر لٹایا اور اسی کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ سید اذکار علوی کی چیخ سن کر گھر کے سارے ملازم اکٹھا ہو گئے تھے۔

"چھوٹے سرکار، بریزے بی بی کے پیر جل گئے ہیں۔" عبدل نے بریزے کے پیروں کو دیکھا۔ گورے چٹے پیر گرم تیل کی وجہ سے سرخ ہو گئے تھے۔

ملازمہ سب سمجھ گئی تھی۔ جلدی سے بھاگ کے کچن سے برنال لے کر آئی اور بریزے کے پیروں پر لگا دیا۔

"بریزے...!" وہ اس کا گال تھپتھپا رہا تھا، بریزے کو بے ہوش دیکھ کر ڈرائیور بھی ڈاکٹر کو لے آیا تھا۔ ڈاکٹر نے بریزے کا چیک اپ کیا تھا۔

"ڈاکٹر صفدر! بریزے ٹھیک تو ہے نا؟" سید اذکار علوی کے چہرے پر جہاں بھر کی پریشانی تھی، فکر تھی۔ اس کی تو جیسے جان ہی نکلی جا رہی تھی بریزے کو اس حالت میں دیکھ کر۔



"اذکار فکر مت کریں، بریزے ٹھیک ہیں، بس ذرا ڈر اور خوف کی وجہ سے بیہوش ہو گئی ہیں۔ میں نے اچھی طرح چیک اپ کر لیا ہے اور سکون کا انجکشن بھی لگا دیا ہے۔" ڈاکٹر صفدر نے سید اذکار علوی کو تسلی دی تھی۔

"کیا ہوا ہے، کیا ہوا ہے میری پھولوں سی بچی کو؟" پریشان حال سے سید آغا شہباز علوی کی آواز پورے ہال میں گونجی تھی۔ وہ سیدھا بریزے کی طرف آئے تھے۔

"آغا انکل! آپ پریشان مت ہوں، بریزے ٹھیک ہیں۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھیں گی تو بالکل فریش ہوں گی۔ ہاں پیر بری طرح جلا ہے، تکلیف تو ہو گی اس لئے میں آپ کو کچھ میڈیسن اور ٹیوب لکھ کر دے رہا ہوں، یہ استعمال کریں گی تو آرام محسوس ہو گا۔" ڈاکٹر صفدر نے ایک پیپر پر کچھ دوائیاں اور ٹیوب لکھ کر پرچی سید اذکار علوی کو تھما دی اور اپنا ایڈ باکس تھامے چلے گئے۔

"مگر یہ سب ہوا کیسے۔ یہ گرم کھولتا تیل بریزے بیٹی پر کیسے گرا، وہ کچن میں کیوں گئی تھی اور تم سب ملازم کہاں مر گئے تھے۔" سید آغا شہباز علوی کا بس چلتا تو ایک ایک ملازم کو دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیتے۔

"بڑے سرکار! میں کچن میں کھانا بنا رہی تھی کہ بریزے بی بی آئیں اور مجھ سے کہا کہ آج وہ کھانا پکائیں گی۔ میں نے منع کر دیا کیونکہ میں جانتی ہوں بریزے بی بی کو کچن کا کوئی کام نہیں آتا، بس میں باہر سبزی لینے گئی، واپس آئی تو یہ سب....." ملازمہ نوری نے سر جھکائے سب بتا دیا، انداز میں بے انتہا ڈر تھا۔

"چلو تم نہیں تھیں، باقی سارے ملازم کہاں مر گئے تھے، وہ نہیں دیکھ سکتے تھے کہ بریزے کچن میں کیا کرنے گئی تھی۔" سید آغا شہباز کا غصہ جلال، غیض و غضب آج بہت عرصے بعد پھر عود آیا تھا، سارے ملازموں کو اپنی گردن پر سولی لٹکتی نظر آ رہی تھی، سب کو اپنی اپنی نوکری خطرے میں پڑتی دکھائی دے رہی تھی۔

"دفع ہو جاؤ سب یہاں سے اگر میری بریزے بیٹی کا خیال نہیں رکھ سکتے تو مجھے تم جیسے ہڈحرام، کام چور ملازم نہیں چاہئیں۔" انہوں نے بغیر کوئی بات کئے سب کو نکال دیا۔

"ہمیں معاف کر دیں بڑے سرکار! ہم سے غلطی ہو گئی، آئندہ سے ایسا نہیں ہو گا۔" سارے ملازم گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئے تھے اور گڑگڑا کے معافی مانگ رہے تھے۔

"نہیں، کسی کو کوئی معافی نہیں ملے گی، سب جاؤ، دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے ورنہ ایک ایک کو شوٹ کر دوں گا۔" سید آغا شہباز علوی بری طرح دہاڑے تھے۔

"تم لوگ جاؤ فی الحال ابھی یہاں سے۔" سید اذکار علوی نے گردن موڑ کے سب کو دیکھا تھا وہ بھی جانتا تھا اگر سید آغا شہباز علوی غصہ اور جلال میں آ گئے تو کوئی ان کو روک نہیں سکتا اس لیے فی الحال بہتر یہی لگا سب ملازمین کو یہاں سے ہٹا دیا جائے۔

"اذکار بریزے کو ہوش کیوں نہیں آ رہا۔"

"دادو بریزے ڈر گئی ہے اس کا دل سہم گیا ہے آگ کا شعلہ بھی تو کتنی اوپر تک بھڑکا تھا۔"

"مگر بریزے بیٹی کچن میں کرنے کیا گئی تھی۔" سید آغا شہباز علوی وہیں سنگل صوفے پر براجمان ہو گئے ان کے ہر انداز سے بے چینی اور پریشانی و فکر ظاہر ہو رہی تھی۔

"وہ تو مجھے بھی نہیں معلوم مگر یہ ہوش میں آ جائے تو میں اس کو اچھی طرح ڈانٹوں گا کہ جب ملازم ہیں کام کرنے کو اور اوپر سے اس کو کچن کا کوئی کام بھی کرنا نہیں آتا تو کیا ضرورت تھی کچن میں جانے کی۔" سید اذکار علوی کے لب و لہجے میں بھی فکر تھی تو ساتھ غصہ بھی تھا، پیار بھی تھا جو سید آغا شہباز علوی کی زیرک نگاہوں سے

چھپا نہیں رہ سکا۔
''نہیں، نہیں اذکار خبردار جو تم نے میری معصوم بچی کو ڈانٹا بھی ہو تو وہ ویسے ہی تمہارے غصے سے سخت نالاں رہتی ہے ڈرتی رہتی ہے میری پھولوں سی بچی نے بہت تکلیفیں سہی ہیں اوپر سے تم بھی اس کو کچھ کہو گے تو یہ اور پریشان ہو جائے گی سمجھانا پیار سے محبت اور آرام سے..... مگر غصہ نہیں کرنا نہ ہی ڈانٹنا۔'' انہوں نے کڑے لفظوں سے سید اذکار علوی کو تنبیہ کی تھی۔

نرمی سے سکون سے سوئی بریزے کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔

''او کے جو حکم سرکار کا!'' وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''اب تم ایسا کرو بریزے بیٹی کو بیڈ روم میں لے جاؤ اور آرام سے بیڈ پر لیٹا دو، میں جب تک ہم سب کے لیے اچھا سا کھانا بنواتا ہوں۔''

''جی دادو۔'' سید اذکار علوی بریزے کو اوپر بیڈ روم میں لے آیا اور آرام دہ بستر پر لیٹا دیا تھا، خود بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا اور بغور اس کے چہرے کے نقوش کو اپنی گرے کانچ میں بھر کے دل میں اتارنے لگا تھا، یہ وہ چہرہ ہے جو اس کے دل میں بس گیا ہے اس کی محبت اس کی رگوں میں دوڑنے لگی ہے۔ وہ شدت سے اس کو چاہنے لگا ہے اس سے پیار کرنے لگا ہے اگر وہ پل بھر کے لیے بھی اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے تو وہ بے چین ہو جاتا ہے دل پریشان ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو وہ سوچتا تھا کی اتنی ٹف جاب کے باوجود ریشمی محبت کے جال میں الجھ گیا مگر محبت کی خوشبو ایسی ہی ہے جو نہ چاہتے ہوئے بھی ہر کسی کو اپنے حصار میں باندھ لیتی ہے قید کر لیتی ہے لاکھ پر پھڑ پھڑاؤ مگر یہ نکلنے کا موقع ہی نہیں دیتی۔ وہ جانتا ہے کہ بریزے کو محبت کی اب بھی نہیں آتی پیار وعشق کا مطلب نہیں جانتی محبت وچاہت کے کیا رنگ خوشبو ہوتی ہے وہ نہیں جانتی، وہ نہیں سمجھتی کے محبت کا نکھار کیا ہوتا ہے محبت میں جنون کیا ہوتا ہے مگر اس کو بریزے سے کوئی شکوہ گلہ کوئی شکایت نہیں، جس طرح محبت کی آگ میں وہ جل رہا ہے یقیناً ایک دن آئے گا کہ اس محبت اس عشق جنون کی تپش اس کی چنگاری ضرور اس تک پہنچے گی وہ ضرور محبت کے رنگوں کو پہچانے گی اور جب پہچان جائے گی تو خود ہی محبت و پیار۔ چاہت وعشق کے قوس وقزح کے رنگوں میں بھیگنے کا دل چاہے گا اس بنجر زمین اس تپتے صحرا میں ایک دن ضرور پھولوں کی بارش ہوگی اور سید اذکار علوی اس ایک دن کا ضرور شدت سے انتظار کرے گا کہ جب وہ اس کے ہمقدم ساتھ ساتھ خوشنما وادیوں کی سیر کرے گی۔

سید اذکار علوی جھکا اور اپنے بے قرار دل کی صدا پر لبیک کہتا اس کی روشن پیشانی پر اپنے جنون کی ایک مہر ثبت کرتا چلا گیا تھا۔

یہ دہکتا لمس یہ سلگتی تپش تھی یہ احساس تھا یا کچھ اور مگر بریزے کی آنکھ کھلی تھی وہ ہوش میں آئی تھی اور جو سب سے پہلے احساس جاگا شعور میں جو بات سب سے پہلے آئی وہ تھی اپنے پیروں کی تکلیف... اپنا درد... وہ ایک جھٹکے سے اٹھی تھی۔

''آہ!'' اس نے اپنے پیروں کو دیکھا جو تکلیف کی شدت سے موڑے بھی نہیں جا رہے تھے۔ ''بریزے کیا ہوا درد زیادہ ہو رہا ہے۔''

تکلیف کی شدت سے اس کا بے انتہا خوبصورت چہرہ سرخ اناری ہو گیا تھا جیسے ابھی وہاں سے خون چھلک پڑے گا، نیلے جھیل کانچ میں سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا اور جو سب سے بڑی اور اہم بات اس نے نوٹ کی وہ تھی



کہ تکلیف سے زیادہ وہ کسی سہمی ہوئی چڑیا کی طرح خوفزدہ تھی اس کے چہرے پر جہاں درد کے آثار تھے وہیں اس سے کہیں زیادہ خوف تھا ایک ڈر تھا۔

''بریزے ڈرو نہیں تمہیں کچھ نہیں ہوگا میں ہوں نا دیکھو معمولی سا تو زخم ہے دوائیاں لو گی تکلیف کم ہو جائے گی۔''

''نہیں وہ..... وہ مجھے بہت ڈانٹے گا..... اس نے کہا ہے کہ میرے جسم پر کہیں بھی کوئی نشان نہیں ہونا چاہیے..... سنیے مجھے اس سے بچا لیں مجھے وہ بالکل اچھا نہیں لگتا.....'' بریزے کے ہر ہر عضو میں ڈر تھا وہ گھبرا رہی تھی سہم رہی تھی اس نے سید اذکار علوی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''تم کیا کہہ رہی ہو کس کی بات کر رہی ہو کون تمہیں ڈانٹے گا.... بریزے کھل کے بتاؤ مجھے دیکھو میری طرف!'' سید اذکار علی نے اپنی چوڑی ہتھلیوں کے پیالے میں اس کا سندر چہرہ بھر لیا تھا۔

''سہد وڑائچ!''

''واٹ!'' وہ بری طرح چونکا تھا، آج بھی بریزے اس خبیث کے خوف کے زیر اثر تھی۔

''کیا کہہ رہی ہو تم بریزے۔''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں وہ مجھے بہت ڈانٹتا ہے کہتا ہے کہ میرے جسم پر ایک کھروچ بھی نہیں آنی چاہیے۔ آپ مجھے اس سے بچا لیں گے نا مجھے اس سے بات نہیں کرنی۔''

نیلی جھیل آنکھوں سے متواتر آنسو بہہ رہے تھے وہاں اس قدر گہرا سناٹا تھا کہ پل بھر کے لیے تو سید اذکار علوی دنگ رہ گیا تھا، نفرت تو وہ ویسے بھی سہد وڑائچ سے بہت کرتا تھا مگر اس لمحے اس نفرت میں مزید اضافہ ہوا تھا اور اتنا شدید غصہ آیا کہ دل شدت سے چاہا وہ اس پل سامنے ہو اور اس کا ایک ایک ریشہ الگ الگ کر دے جسم کے اتنے ٹکڑے کرے کہ قیامت تک گن نہ سکے مگر اچھا ہے نفرت جتنی بڑھے گی بدلہ اور انتقام کی آگ اس سے زیادہ دہکے گی اس کی سزا میں مزید اضافہ ہوتا جائے گا مگر فی الحال اس وقت بریزے کو سنبھالنا ضروری تھا۔

''ایک منٹ!'' سید اذکار علوی روم میں رکھے چھوٹے سے فریج کی طرف گیا یہ فریج بھی سید آغا شہباز علوی نے رکھوایا تھا اس کے لیے، اس کو اپنے کھانے پینے کا بالکل خیال نہیں رہتا تھا اس لیے سید آغا شہباز علوی نے یہی کہا کہ تم کچھ نہ کچھ کھاتے رہو جب اپنے بیڈ روم میں رہو، فریج میں بہت سے فروٹس، چاکلیٹ، چپس جوس وغیرہ کا ڈھیر لگا ہوا تھا، سید اذکار علوی فریج میں سے فریش جوس نکال کر لے آیا جوس گلاس میں نکالا اور گلاس بریزے کے کپکپاتے ہونٹوں کی جانب بڑھایا۔

''پیو پہلے اسے۔'' سید اذکار علوی نے زبردستی اس کو سارا جوس پلا دیا تھا، بریزے کو تھوڑا سکون ملا تھا۔

''اب میری بات سنو، سہد وڑائچ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ تم کو ڈانٹے تمہارا بال بھی بیکا کر سکے تم تک پہنچنے کے لیے سب سے پہلے اس کو میرا مقابلہ کرنا ہوگا اور اللہ کا بہت بڑا کرم اور احسان ہے کہ اس نے مجھے اتنا مضبوط بنایا ہے وہ میرے ایک ہی وار میں ڈھیر ہو جائے گا۔''

''بریزے، سہد وڑائچ تم تک کبھی نہیں پہنچے گا میں اسے تم تک پہنچنے ہی نہیں دوں گا۔'' گرے کانچ ان نیلے جھیل آنکھوں میں ڈال دیئے۔

''سچ..... آپ سچ کہہ رہے ہیں۔'' ایک آس تھی امید تھی ایک سچائی کی رمق تھی ان نیلے جھیل میں۔

''سو فیصد سچ۔'' سید اذکار علوی نے شرارت سے اس کی ناک دبائی تھی۔

''اچھا ایک بات بتاؤ سہد وڑائچ تم سے روز بات کرتا تھا۔''
''جی دن میں دو بار اور کبھی کبھی تو نہیں کرتا تھا کئی دنوں تک۔''
''تم نے اسے دیکھا ہے۔''
''نہیں لیپ ٹاپ پر اس کا کیمرہ آف ہوتا تھا صرف اس کی آواز آتی تھی اس کی آواز بہت ڈراؤنی اور بھاری لگی تھی مجھے کسی دیو ہیکل کی طرح۔''
''کہتا کیا تھا وہ تم سے۔''
''کچھ نہیں بس ڈانٹتا رہتا تھا اپنا بہت خیال رکھنا بہت زیادہ فروٹس کھایا کرو جوس پیا کرو اور غلطی سے بھی تمہارے جسم کے کسی بھی حصے پر میں داغ یا کھرچ کے نشان نہ دیکھوں۔ سچ مجھے اس کی ایسی باتیں زہر لگتی تھیں مجھے نہیں پتا وہ ایسی باتیں میرے ساتھ کیوں کرتا تھا۔'' بریزے کے لہجے میں سہد وڑائچ کے لیے ناپسندیدگی بول رہی تھی۔
''سیتا بائی تمہیں کچھ دکھاتی تھی میرا مطلب ہے ٹی وی وغیرہ کوئی فلم وغیرہ۔'' سیداذکار علوی اس سے کھلے لفظوں میں کچھ نہیں پوچھنا چاہتا تھا کیونکہ اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ سہد وڑائچ کے حکم پر سیتا بائی نے بریزے کو بیس سال تک کسی سیپ میں چھپے قیمتی موتی کی طرح سنبھال کے رکھا تھا باہر کی گندگی باہر کی آلودگی ماحول کی آزادی سے اس کو کوسوں دور رکھا تھا۔
''کیسی فلم؟'' وہ ناسمجھی کی کیفیت میں اس کو دیکھنے لگی۔
اس کا مطلب ہے جو وہ سوچ رہا ہے وہ بالکل درست ہے مگر سہد وڑائچ کی باتیں وہ بریزے کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ تو کیا وہ بریزے کو منہ مانگی قیمت میں......اف میرے خدا.....سیداذکار علوی کی روح کانپ اٹھی تھی اگر بروقت سحر بانو کی مدد سے وہ بریزے کو اس جہنم سے نہیں نکال لیتا تو بہت بڑا نقصان ہو جاتا ....''سہد وڑائچ تجھے میں نہیں چھوڑوں گا تو چاہے پاتال میں بھی چلا جائے کتے کی طرح گھسیٹ کے لے آؤں گا میں تجھے وہاں سے۔''
''آہ......'' بریزے کی تکلیف سے جان نکلنے لگی۔
''درد ہو رہا ہے بہت!''
انجکشن کا اثر ختم ہوا تو تکلیف اور درد محسوس ہوا، سیداذکار علوی نے اس کا پاؤں دیکھا۔
''ابھی ٹھیک ہو جائے گا تم کچھ کھاؤ گی تو میڈیسن کھانا درد میں فرق آئے گا۔'' سیداذکار علوی کو اس کا درد اپنے اندر محسوس ہوا تھا اور پھر اس کو کچن کا وہ منظر یاد آیا۔
''اور ایک بات اور مجھے تم بتاؤ۔ یہ جب تم کو کچن کا کوئی کام آتا نہیں ہے تو تم کچن میں گھسی کیوں تھیں اور تم ایسا کر کیا رہی تھیں جو آگ اس قدر بھڑکی اور گرم تیل تمہارے پیروں پر گرا۔''
''وہ جی میں نے نوری کو پکاتے ہوئے دیکھا تو میں بھی برنر پر ہانڈی چڑھا کے پکانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔'' ڈرتے جھجکتے وہ بتانے لگی۔
''اور محترمہ پکا کیا رہی تھیں۔''
''میں نے ہانڈی میں گلاس بھر کے تیل ڈالا جب وہ اچھی طرح گرم ہو گیا تو میں نے فریج سے نکال کے ٹھنڈا پانی تیل میں ڈال دیا۔''



''واٹ! پاگل ہوئی ہو کیا کھانا اس طرح کون بناتا ہے کچھ عقل ہے تم میں۔'' سیداذکار علوی تادیر اپنے بھڑکتے غصے پر قابو نہیں کر پایا تھا، بریزے تو اس کے غصے اور اس پر چیخنے پر بری طرح ڈری تھی اور سہمی سہمی نظروں سے تکنے لگی اپنی تکلیف و جلن کی پرواہ کیے بغیر اس کو سامنے بیٹھا سیداذکار علوی کی فکر لگ گئی وہ جو تھوڑی دیر کے لئے بھول گئی تھی کہ سامنے کون بیٹھا ہے یاد آنے پر اپنی جان سولی پر لٹکتی دکھائی دی۔ اب سیداذکار علوی کے غیض و غضب اس کے قہر سے کون بچائے گا۔
''اذکار۔'' اسی وقت سید آغا شہباز علوی نے قدم دھرا تھا انہوں نے سیداذکار کا غصہ کرنا بریزے پر چیخنا سن بھی لیا تھا اور دیکھ بھی لیا تھا۔
''دادو!'' بریزے نے دونوں ہاتھ پھیلائے مدد کے لئے ان کو پکارا۔
''میری جان میری بچی۔'' وہ اس کے پاس آئے اور اس کو اپنے سینے میں چھپا لیا۔
''ہٹو یہاں سے میں نے تمہیں منع کیا تھا نا کہ میری معصوم بچی کو ڈانٹنا نہیں۔'' انہوں نے سیداذکار علوی کو گھور کے دیکھا۔
''اپنی معصوم بچی سے پوچھیے کچن میں کیا کارنامہ انجام دے رہی تھی۔'' چھپی ہوئی بریزے کو وہ غصے سے دیکھنے لگا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کی اتنی فکر اتنی پرواہ کر رہا تھا اور اب اس کی ذرا سی لاپرواہی پر وہ بریزے پر غصہ کر رہا تھا۔
''اچھا بس تم جاؤ یہاں سے میں دیکھ لوں گا سمجھا دوں گا اپنی بچی کو بھی کام نہیں کیا نا تو اس لیے کچھ پتہ نہیں ہے مگر تم نے اس پر غصہ کر کے اس کو ہراساں کر دیا ہے۔''
وہ خاموش ہو گیا، سید آغا شہباز علوی نے اس کو اشارے سے جانے کو کہا۔
''دادو آپ نے میری کیوں کر دی ان سے شادی اب وہ مجھے اور ڈانٹتے رہیں گے۔'' بریزے منمنانے لگی تھی، سید آغا شہباز علوی کی دبی دبی مسکراہٹ اور نظروں کے ارتکاز میں اس نے سر تھوڑا اوپر اٹھا کے دروازے کے سائیڈ دیکھا تو جیسے جان مزید خشک ہو گئی سانس حلق میں آ گیا ہو کیونکہ سیداذکار علوی ابھی تک گیا نہیں تھا وہیں کھڑا تھا۔
''دادو!'' وہ پھر سے بولتی سید آغا شہباز کے سینے میں چھپ گئی۔ اس بار سیداذکار علوی بھی ہولے سے مسکرا دیا اور مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔
''میری بچی۔'' انہوں نے اپنے سینے میں چھپی بریزے کے بالوں میں بر شفقت بوسہ لیا تھا۔

☆......☆

''کیا کر رہی ہو؟'' شبنم ہاتھ میں ڈرائی فروٹس کی پلیٹ تھامے سیتا بائی کے پاس آ گئی۔ سیتا بائی نے ایک نظر اس کو دیکھا اور پھر سے اپنا پاندان کھول کے بیٹھ گئی۔
''خیریت کچھ پریشان لگ رہی ہو؟'' اس نے ایک بادام اپنے منہ میں ڈالا۔
''ہاں پریشان تو ہوں اتنے دن ہو گئے جانے یہ ازابیلا اور انیق کہاں جا کر مر گئے ہیں۔''
''ٹھیک کہتی ہو میں بھی نوٹ کر رہی ہوں کافی دن ہو گئے ازابیلا نظر نہیں آئی اور نہ ہی اس طوائف خانے کی زینت بخشنے انیق واحدی آیا۔ کیا پتہ ہنی مون کے لیے ٹور پر کسی باہر ممالک نکل گئے ہوں۔'' شبنم کا انداز اور لب ولہجہ نہایت عام سا تھا، سیتا بائی کو شک نہیں ہوتا تھا اس پر اور جب وہ شبنم کے خلاف کچھ کرنے کا سوچنے کی

کوشش بھی کرتی تو شبنم پیسوں سے اس کا منہ بند کر دیتی۔

''نہیں ایسے کیسے ہوسکتا ہے اگر ان دونوں کا ایسا کوئی پلان ہوتا تو ازابیلا ضرور مجھ سے تذکرہ کرتی مگر تشویش کی بات پھر بھی ہے کہ آخر دونوں اتنے دنوں سے کہاں غائب ہیں۔'' وہ پرسوچ نظروں سے شبنم کو دیکھنے لگی۔

''اور اس چارمنگ کی کیا خبر ہے کافی دن سے وہ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔''

''کون؟ کس کی بات کر رہی ہے۔''

''ارے وہی ازابیلا کا ٹام کروز کیا ڈیشنگ پرسنالٹی ہے ظالم کی۔''

''ڈیشنگ پرسنالٹی تو تیرے اس ہیرو کی بھی ہے جو آج کل ٹی وی پر ہر چینل میں چھایا ہوا ہے۔''

''تم یقیناً ندیم بلوچ کی بات کر رہی ہو؟'' شبنم نے ڈرائی فروٹس کی پلیٹ ٹیبل پر رکھ دی۔

''ہاں میں ندیم بلوچ کی ہی بات کر رہی ہوں کافی ٹائم لے لیا اس نے تیرا، کہیں شادی وادی کا ارادہ تو نہیں ہے اس کا؟'' سنیتا بائی کمینگی سے ہنسی تھی، اس کے مکروہ چہرے پر ہر وقت خباثت ہی خباثت رہتی تھی اس کی سوچ اس کا دل گندہ تھا تو یہ گندگی یہ کرتوت چہرے پر بھی رہتے تھے۔

''سنیتا بائی ہم جیسی کال گرل ان امیر بگڑے رئیس زادوں کی راتیں رنگین تو بنا سکتی ہیں مگر ان کا گھر بسانے کی اجازت نہیں ہے، یہ پیسے روپے تو ہم پر لٹا سکتے ہیں مگر اپنی زندگی کا ہم سفر بنانے میں یہ بے عزتی محسوس کرتے ہیں، اس کاروبارِ زندگی میں نقصان تو ہم جیسی کال گرل کا ہی ہوتا ہے جو اپنا نفس، نسوانیت، عزت و آبرو، اپنا جسم تک ان درندوں، جانوروں کے سپرد کر دیتی ہیں اور یہ کیا کرتے ہیں، نوچنا کھسوٹنا، درندگی، وحشیانہ طریقے سے استعمال کرنا ہمارا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں ہمارے جسم میں دل نہیں پتھر ہے، ہونہہ!'' شبنم طنزیہ ہنسی ہنسی تھی۔

''وہ تو شکر ہے کہ روح پر ان درندوں جانوروں کا بس نہیں چلتا ورنہ یہ تو اس کو بھی نہ چھوڑیں۔''

''تو کچھ بھی کہہ لے، سوچ لے مگر ان سب میں فائدہ تو ہمارا ہے تو مجھے پیسے دیتی ہے، میں خوش ہوں تجھ سے، باقی سب میں کچھ نہیں جانتی۔'' سنیتا بائی نے دونوں ہاتھ اٹھا کے خود کو ان بچاری لڑکیوں کے زخموں سے خود کو بری الذمہ کر دیا تھا۔

''ٹھیک کہتی ہے، تجھ جیسی عورت جب اپنی سگی بیٹی کا سودا کر سکتی ہے تو اس کے لئے اور لڑکیوں کا سودا کرنا کیا بڑی بات ہے۔'' شبنم کی سوچ زہریلی ہونے لگی تھی۔

''اچھا تو ان سب کو چھوڑ، کل تو نے مجھے پیسے نہیں دیئے، کیا ندیم بلوچ کی جیب خالی تھی کل یا رات تو نے اس کو صحیح سے رجھایا نہیں۔''

''ہاں! وہ کہہ رہا تھا آج دے گا۔''

''ویسے ایک بات تو ماننی پڑے گی، تجھ میں ازابیلا سے زیادہ خوبصورتی ہے، ازابیلا جو کام نہیں کر سکی وہ تو نے کر دکھایا، ندیم بلوچ فلم انڈسٹری کا مغرور ترین ایکٹر ہے، کچھ تو بات ہے تجھ میں جو وہ تجھ پر تیری اداؤں کے جال میں پھنسا ہے، تیرے حسن پر پھسلا ہے۔ میں تو کہتی ہوں کچھ ان کم بختوں کو بھی سکھا کہ کیسے ان امیر زادوں کو اپنے حسن کے جال میں پھنساتے ہیں، ان کی جیبیں خالی کرتے ہیں۔''

وہیں پر اس طوائف خانے کی ایک اور لڑکی روبی لٹکی مٹکتی آئی اور شبنم کے برابر میں آ بیٹھی۔ سنیتا بائی نے اس کو بری طرح گھورا تھا۔

''بھئی اب میں کیا کر سکتی ہوں جب شاہ صاحب مجھ پر پھسلے ہیں۔'' روبی بے ہنگم طریقے سے ہنستی ہوئی سنیتا



بائی کو ایک آنکھ مار کے ٹیبل پر رکھی ڈرائی فروٹس کی پلیٹ اٹھا کے بولی۔

''ہاں یہ بول تجھ میں وہ بات ہی نہیں، وہ ادا ہی نہیں جو اپنی شبنم میں ہے۔'' سنیتا بائی نے شبنم کو جانثار نظروں سے دیکھا اور ہاتھوں سے بلائیں لیں۔

''بھئی اپنی شبنم کی تو بات ہی الگ ہے، جب یہ ندیم بلوچ کو عاشق بنا سکتی ہے تو سہد وڑائچ کو اپنے حسن کے جال میں پھنسانا کون سا مشکل ہے، وہ تو دائیں ہاتھ کا کھیل ہے اپنی شبنم کے لئے۔'' سہد وڑائچ کے نام پر شبنم نے نہایت چونک کر ڈرائی فروٹس کھاتی روبی کو دیکھا تھا۔

''ہاں کیوں نہیں، بشرطیکہ وہ سامنے تو آئے، ویسے سنیتا بائی کہاں ہے سہد وڑائچ، کوئی فون وغیرہ نہیں آتا؟'' شبنم نے ایک پستہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''ارے کل ہی تو آیا تھا سہد وڑائچ کا فون، وہ کراچی آیا ہوا ہے۔''

''بکواس مت کر، تجھے کیسے پتہ سہد وڑائچ کراچی میں ہے۔''

''کیوں تو کل فون پر سہد وڑائچ سے بات نہیں کر رہی تھی۔'' روبی نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں کو مزید چھوٹا کر کے سنیتا بائی کو دیکھا تھا۔

''ہاں بس اپنی کن سوئیوں میں گھسی رہا کر، اِدھر اُدھر کان لگا کر کبھی اس کی سن لے، کبھی اس کی.... کام تو تجھ سے ہوتا نہیں ہے۔'' سنیتا بائی نے بری طرح جھڑکا تھا اس کو۔

''چھوڑو نا سنیتا بائی، بتاؤ نا کہاں ہے سہد وڑائچ، میری بھی ملاقات کراؤ، میں ملنا چاہتی ہوں سہد وڑائچ سے۔'' شبنم سنیتا بائی سے اگلوانا چاہتی تھی مگر وہ بھی ٹھس تھی بول کے نہیں دے رہی تھی۔

''تجھے بڑی بے چینی ہے سہد وڑائچ سے ملنے کی۔'' اچانک ہی سلیمان کی بھاری آواز پر تینوں نے دروازے کی جانب دیکھا تھا۔ سلیمان چلتا ہوا سنیتا بائی کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گیا، وہ اس قدر بھدا موٹا تھا کہ بمشکل اس کرسی پر آیا تھا۔ اس کی رنگت اس قدر گہری تھی اس پر موٹے ہونٹ، موٹا ناک اور ہونٹوں کے اوپر یہ گولڈن گھنی گھنی مونچھیں بڑی بڑی لال آنکھیں اور تو اور بال بھی گولڈن ہی ڈائی کرائے ہوئے تھے، وہ کوئی افریقہ کا حبشی جن ہی معلوم ہو رہا تھا، روبی کو تو جیسے ابکائی آ گئی اس کو دیکھ کر۔

''اور سلیمان تجھے کس نے کہا ہے یا مشورہ دیا ہے کہ تو اپنے بال رنگ لے، اوپر سے تیری رنگت اس قدر سیاہ، اوپر سے تو نے بال اور مونچھیں بھی گولڈن کلر میں ڈائی کرا لیں۔ میرا تو خیال ہے رات میں لڑکی کو تو کلوروفارم سے کیا بے ہوش کرتا ہوگا، وہ تو اندھیرے میں تجھے دیکھ کر ہی خود ہی بے ہوش ہو جاتی ہوں گی۔'' روبی نے ایک منٹ میں اس کے جسم، اس کی شکل کا پورا جغرافیہ کھینچ لیا تھا۔

''سنیتا بائی ایک کام کر، آج رات اس روبی کی بچی کو میرے پاس بھیج دے پھر اس کو بتاؤں گا کہ کون ہوش میں رہتا ہے کون بے ہوش۔ ویسے بھی اس سے کوئی کام ڈھنگ سے تو ہوتا نہیں ہے۔'' سلیمان نے نہایت گھور کے روبی کو دیکھا تھا۔

''نا بابا نا، تو تو مجھے معاف ہی کر، تو تو ویسے بھی دیکھنے میں جنگل سے بھاگا کوئی جانور لگتا ہے۔ تیرے ساتھ کوئی لڑکی کیا رات گزارے گی۔'' روبی تو جھٹ کھڑی ہو گئی کہ کہیں سنیتا بائی اس کا ہاتھ پکڑ کے اس درندے کے ہاتھ میں ہی نہ پکڑا دے۔ وہ ٹھہری دبلی پتلی کمزور سی، اس سانڈ کا مقابلہ کہاں کر پائے گی۔

''روبی چل دفع ہو جا یہاں سے ورنہ ایک جھانپڑ ماروں گی، دنوں بستر پر مری پڑی رہے گی۔'' سنیتا بائی نے

غصے سے کہاروبی نے بھاگنے میں ہی عافیت جانی۔

''ہاں سلیمان بول، کیسے آنا ہوا؟''

''لڑکیاں لایا ہوں، سوزوکی میں بے ہوش پڑی ہیں۔ اپنے لوگوں سے بول نکال لیں۔''

''زیادہ عمر کی تو نہیں ہیں نا؟''

''ارے سنیتا بائی تو جانتی تو ہے جو مزہ کلی کو مسلنے میں ہے وہ مزہ پھول کی پتی توڑنے میں کہاں۔''

''چل ٹھیک ہے۔ تجھے تیرے پیسے مل جائیں گے۔''

''اور شبنم تو سنا، بڑے چرچے ہو رہے ہیں تیرے ٹی وی پر اس ندیم بلوچ کے ساتھ۔ بڑی اونچی جگہ ہاتھ مارا ہے تو نے تو۔ تو تو ازابیلا میڈم سے بھی نمبر لے گئی۔'' سلیمان نے نہایت گندی اور گھٹیا نظروں سے اس کے جسم کے ہر حصے کا پوسٹ مارٹم کر لیا تھا۔ شبنم کا دل شدت سے چاہا اس کی آنکھوں میں تیزاب ڈال دے، اس کے موٹے بھدے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلا دے، اس کا چہرہ نوچ لے مگر وہ یہ سب سوچ سکتی تھی، کرنا اس کے بس میں نہیں تھا، اس لئے زہر کا گھونٹ پی گئی۔

شبنم نے اس کی طرف سے منہ ہی پھیر لیا تھا، وہ اس خبیث کے منہ نہیں لگنا چاہتی تھی۔

''ہائے شبنم! تیری تو ہر ادا پر میں جاں نثار جاؤں، تیری یہ نزاکت، یہ حسن کبھی ہمیں بھی موقع دے اپنی ناز برداریاں اٹھانے کا، سچ پلکوں پر بٹھاؤں گا، کانچ کی گڑیا کی طرح تجھے سنبھال سنبھال کے پیار کروں گا۔'' سلیمان کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ ایک ہاتھ بڑھا کے شبنم کو کھینچ کے اپنی گود میں بٹھا لیتا۔

''میں کتوں کے منہ نہیں لگتی، ان کا کام بھونکنا ہوتا ہے جو اس وقت تو کر رہا ہے۔'' شبنم کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا، وہ تنکتی ہوئی کھڑی ہو گئی، اس کی شکل دیکھ کر ہی شبنم کو گھن آتی تھی، یہ سب سنیتا بائی چپ چاپ دیکھ رہی تھی اور مسکرائے جا رہی تھی۔

''مجھے تیری باتوں کا قطعی برا نہیں لگتا، وہ کہتے ہیں نا کہ محبوبہ کی تو گالی بھی تالی لگتی ہے، تیرا بھی کچھ ایسا ہی ہے۔''

''ہونہہ۔'' شبنم نفرت سے دیکھتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی اور سلیمان شبنم کو للچائی نظروں سے دیکھتا ہی رہ گیا۔

''ہائے مر جاواں۔'' وہ شیطانوں جیسی ہنسی ہنستے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کے جھکا تھا۔

''تو بھی نا ایک نمبر کمینہ ہے۔'' قہقہہ تو سنیتا بائی نے بھی لگایا تھا۔

''جب وہ تجھے منہ ہی نہیں لگاتی تو کیوں اسے چھیڑتا ہے۔''

''سچ بولوں تو سنیتا بائی بڑا مزہ آتا ہے اس کو چھیڑنے میں۔ بارہ سال کی تھی جب میں اس کو اٹھا کے لایا تھا، آج دیکھو کیا جوانی نکالی ہے سالی نے، بہت بڑی غلطی ہو گئی مجھ سے جو میں نے اس کو تیرے حوالے کر دیا۔ اس کو تو مجھے ہی اپنی ساتھ اڈے پر رکھنا چاہئے تھا، میری تو ہر رات ہر دن رنگین گزرتا۔'' سلیمان کی نظروں میں ابھی بھی شبنم کا سراپا گھوم رہا تھا۔

''اچھا اچھا، تو فکر مت کر، یہ ذرا ندیم بلوچ کو چھوڑ دے تو اٹھا لے جانا اس کو زبردستی، منا لینا ایک ہفتے تک اس کے ساتھ ہنی مون۔''

''سچ! سنیتا بائی تو مکرے گی تو نہیں؟'' سلیمان کی تو باچھیں کھل گئیں۔ وہ بڑی مشکل سے کرسی سے اٹھا اور سنیتا

بائی کے پاس جا بیٹھا۔

''ہاں ہاں، یہ سنیتا بائی کا وعدہ ہے۔ چل اب اس کو چھوڑ یہ بتا انیق کا کچھ پتہ چلا؟'' اس نے پاندان سے ایک پان نکال کر اپنے منہ میں ڈالا اور دوسرا سلیمان کے لئے بنایا۔

''ہاں پتہ چل گیا ہے، وہ دبئی میں ہے اور بڑے مزے میں ہے۔ اب اس سے آگے انہوں نے کچھ بھی بتانے کو سختی سے منع کر دیا ہے، اس لئے نہ میں نے پوچھا نہ انہوں نے بتایا۔ ہاں ازابیلا کا بس اتنا بتایا ہے کہ وہ اس کے ساتھ نہیں ہے۔'' سنیتا بائی کے ہاتھ سے پان لیتے ہوئے منہ میں ڈالا اور انگلی اپنے گولڈن بالوں میں صاف کر دی۔

''انیق واحدی دبئی میں ہے اور اگر ازابیلا اس کے ساتھ نہیں ہے تو ازابیلا کہاں ہے؟ سلیمان اپنی ازابیلا کہاں ہے؟ مجھے تو اب فکر ہو رہی ہے۔''

''یہی بات تو میری بھی سمجھ میں نہیں آرہی کہ ازابیلا میڈم کہاں ہیں۔'' سلیمان یک ٹک دیوار پر دیکھ رہا تھا۔

''یہ تجھے کیا ہوا، تو کیوں بت بن گیا ہے۔'' سنیتا بائی نے سوچتے ہوئے سلیمان کے ایک ہتھڑ مارا۔

''سنیتا بائی کہیں ازابیلا میڈم اس آفیسر کے ہتھے تو نہیں چڑھ گئیں؟''

''کون آفیسر؟''

''ارے وہی سید اذکار علوی۔''

''او، پاگل تو نہیں ہو گیا ہے، اللہ نہ کرے جو اس جلاد آفیسر کے ہتھے چڑھ جائے، تجھے پتہ ہے بہت خطرناک اور ظالم آفیسر ہے وہ...تو...تو...جا...جا...جا کر پتہ کر...اگر ایسا ہو گیا نا تو بہت برا ہو گا۔ مجھے تو عابد جوفا کا بھی اسی پر شک ہے، دیکھ لے ابھی تک کچھ پتہ نہیں چلا اس کا بھی۔ سلیمان تو جا جلدی سے پتہ کر۔ وہ سید آغا شہباز علوی کا پوتا ہے، کوئی عام بات نہیں ہے۔'' سنیتا بائی کو اپنی جان سولی پر لٹکتی دکھائی دی تھی۔

''ٹھیک ہے میں نکلتا ہوں پھر۔'' سلیمان وہاں پھر پل بھر کے لئے نہیں رکا تھا، سنیتا بائی نے آئی جی، گورنر کو فون ملانا شروع کر دیا تھا۔

☆......☆

''یہ تو ضورف صاحب آپ پر منحصر ہے کہ آپ کو ہماری مشنری کا کام کیسا لگتا ہے، ہم لوکل تو کچھ نہیں بناتے، ہمارا سارا کام امپورٹڈ ہی ہوتا ہے، ہمارا میٹریل بھی باہر سے منگوایا جاتا ہے۔ ہاں اگر آپ کو اپنا میٹریل لگوانا ہے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے، کپڑا ہمارا ہو گا، میٹریل آپ کا اور کام ہمارا۔ آپ دیکھ لیجئے گا آپ کو کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ ویسے ہماری کمپنی کی پروگریس کے بارے میں تو آپ جان ہی چکے ہیں۔'' عفان ترمذی نے تفصیل سے اپنی کمپنی کے بارے میں سب بتایا تھا۔

''جی مسٹر عفان ترمذی، ہم ایسے ہی کسی کمپنی کو کنٹریکٹ نہیں دے دیتے، پوری چھان بین کرتے ہیں، جانتے ہیں، پہچانتے ہیں، پرکھتے ہیں، پھر ہم ڈیل کرتے ہیں۔ مجھے پاکستان آئے ابھی کچھ ہی ماہ ہوئے ہیں۔ پاکستان کے ہر شہر کے بارے میں جانتا ہوں، ہر کمپنی کی معلومات ہے مجھے مگر فی الحال کراچی میں مجھے آپ اور عسکری کمپنی زیادہ بہتر لگی بلکہ یوں کہنا زیادہ اچھا ہے کہ میرے مزاج جیسی ہے۔ ایک کمپنی سے ڈیل کرنا صرف اس کے اونر یا باس سے ڈیل کرنا ہی مقصد نہیں ہے، میری لاجک بہت الگ ہے مسٹر عفان! آپ کو عجیب لگے گا مگر میرے لئے کمپنی کے ورکرز کی بھی بہت اہمیت ہے۔ میں ان کے بارے میں بھی معلومات رکھتا ہوں چاہے



وہ منیجر ہے یا پھر چوکیدار، پیون.... میرے لئے یہ سب ضروری ہے۔ جب کمپنی کا کنٹریکٹ دینا ہی مقصود ہے، ان سے ڈیل کرنا ہی ہے تو ہر چیز کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہے۔''

''میں نے اب تک بہت کنٹریکٹ لیے ہیں، ڈیلی گیشن پاس کئے ہیں مسٹر ضورف سنگھانیا! مگر واقعی آپ ان سب ڈیلی گیشن اور کمپنی سے بہت الگ ہیں، بڑا مزہ آئے گا اور بہت اچھا بھی لگے گا آپ کے ساتھ کام کرنا۔'' عفان ترمذی نے دل سے ضورف سنگھانیا کی تعریف کی تھی۔

''تو پھر آپ کو ہماری کمپنی سے کوئی شکایت نہیں ملی؟'' ضورف سنگھانیا نے خوش دلی سے کہا۔

''آل رائٹ، ایسا ہے کہ کل رات کا ڈنر میٹنگ سمیت ہم ''لال قلعہ ہوٹل'' میں رکھ لیتے ہیں۔ اس طرح میں، آپ اور چوہدری قیصر عسکری وہیں مزید میٹنگ کر لیں گے، آپ کا کیا خیال ہے؟''

''بہت نیک خیال ہے، آپ لوگ وہاں پہنچ جائیے گا، میں یہاں سے پہنچ جاؤں گا۔'' ضورف سنگھانیا نے عفان ترمذی کی بات کی تائید کی تھی۔

''اچھا عفان ترمذی، آپ کے بیٹے بھی اگر اس میٹنگ میں شامل ہو جائیں تو اچھی بات ہو گی۔''

''جی بہت اچھی بات ہو گی۔ ''حیدر کمپنی'' کے اونر حیدر ترمذی سے آپ کی ملاقات ہو جائے، اچھی بات ہے۔ ایکچوئلی انہوں نے ماڈلنگ کے شعبے کو جوائن کر لیا ہے تو وہ آج کل اسی میں مصروف ہیں اس لئے آج کل آفس کو ذرا کم ٹائم دے رہے ہیں۔''

''ہوں..تو ماڈلنگ ٹی وی کے پروفیشن میں بھی اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑنا چاہتے ہیں۔'' ضورف سنگھانیا ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''یہی سمجھ لیجئے۔''

''گڈ! یہ بھی بہت اچھی بات ہے۔ بہت نام سنا ہے حیدر ترمذی کا، کمپنی اور بزنس کے حوالے سے بے تاج بادشاہ مانے جاتے ہیں وہ بزنس کی دنیا میں۔ ایسے لوگوں سے بلکہ یوں کہیے کامیاب لوگوں سے ملنے کا مجھے بہت شوق ہے، بہت پسند کرتا ہوں میں کامیاب، ذہین لوگوں سے ملنا۔''

''ارے آج تو میرا بیٹا گھر میں ہی ہے۔ آپ یوں کریں بات کر لیجئے فون پر۔ پھر انشاء اللہ کل ملاقات کا شرف بھی مل جائے گا۔''

''یس شیور!''

''جسٹ اے ون منٹ۔'' عفان ترمذی اپنی چیئر سے کھڑے ہوئے اور سبکتگین حیدر ترمذی کے بیڈ روم کی سمت جانے لگے تھے۔

انہوں نے سبکتگین حیدر ترمذی کے بیڈ روم کا دروازہ کھٹکھٹایا، دروازہ سبکتگین حیدر ترمذی نے ہی کھولا تھا، بیڈ پر ہاتھ میں ریموٹ لئے غنویٰ سلو آواز میں کوئی انگلش مووی دیکھ رہی تھی۔

''جی پاپا کہیے، کوئی کام تھا؟ مجھے بلوا لیا ہوتا۔''

''کچھ خاص کر رہے تھے؟''

''نہیں بس لیپ ٹاپ پر فائل چیک آؤٹ کر رہا تھا، آپ کو کوئی خاص کام؟''

''ہاں! ضورف سنگھانیا کا فون ہے، وہ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں اور کل رات میٹنگ پلس ڈنر بھی فائنل ہو گئی ہے۔ تم یوں کرو بات کر لو پہلے۔'' عفان ترمذی نے اپنا فون اس کے آگے بڑھایا۔

''اوکے۔''سبکتگین حیدر ترمذی نے فون لے لیا۔

''اچھا آپ باہر کیوں کھڑے ہیں، اندر تو آیئے۔''اس نے راستہ دیا۔

''نہیں، تم بات کرو، میں جب تک تمہاری ماما سے چائے کا کہہ کر آتا ہوں۔''وہ چلے گئے تھے۔

''جی ضورف سنگھانیا کیسے ہیں آپ؟ آپ کے بارے میں بہت سنا ہے۔''سبکتگین حیدر ترمذی کان سے سیل فون لگائے اندر داخل ہوگیا تھا۔

''سنا تو میں نے بھی آپ کے بارے میں بہت ہے، تو کیا میں امید رکھوں اپنے قیمتی وقت میں سے تھوڑا وقت نکال کر کل ''حیدر کمپنی'' کے اونر مسٹر حیدر ترمذی ہم سے میٹنگ میں مل رہے ہیں۔''

''یس آف کورس.....ہم کل.....''

ٹی وی کے فل والیوم نے سبکتگین حیدر ترمذی کی آواز اسی میں گم کر دی تھی۔ اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ ٹی وی اسکرین پر نہایت ہی کوئی بے ہنگم ڈانس اوپر سے پنجابی گانا۔ سبکتگین حیدر ترمذی نے ٹی وی کے ریموٹ کی مالک غنویٰ کو دیکھا جو ہاتھ میں ریموٹ لئے مسکرا رہی تھی۔ عجیب سی تھی اس کی مسکراہٹ جیسے وہ یہ سب جان کر کر رہی ہو اور اگر اس کا مقصد سبکتگین حیدر ترمذی کو زچ کرنا تھا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ٹھہری تھی، سبکتگین حیدر ترمذی نے کان سے سیل فون ہٹایا۔

''غنویٰ ٹی وی کا والیوم سلو کرو۔''

مگر غنویٰ ہی کیا جو سن لے۔ وہ ڈھیٹ بنی رہی، ایسا لگ رہا تھا دنیا میں جیسے وہ ایک اسی کام کے لئے ہی تو آئی ہے جیسے زندگی میں اس سے اہم کوئی کام نہیں ہے۔

ضورف سنگھانیا تک بھی اس بے ہنگم میوزک کی آواز جا رہی تھی، مگر اس میوزک کی وجہ سے وہ سبکتگین حیدر ترمذی کی آواز سن نہیں پا رہا تھا، سبکتگین حیدر ترمذی جھنجھلاتا ہوا آگے بڑھا اور مصروف سی غنویٰ کے ہاتھ سے ریموٹ چھین لیا تھا، غنویٰ نے لمحہ ضائع کئے بنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

''سبکتگین، ریموٹ دیں مجھے۔''

مگر مقابل بھی سبکتگین حیدر ترمذی کھڑا تھا، پہاڑ جیسا وجود، بھلا وہ نازک سی کہاں اس تک پہنچتی، سبکتگین حیدر ترمذی نے وہ ریموٹ والا ہاتھ اونچا کر لیا تھا۔ غنویٰ بیڈ پر ہی کھڑی ہوگئی تھی اور اپنا ہاتھ اس کے بلند ہاتھ تک پہنچانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ وہ اس سے نفرت کی وجہ سے اس قدر سبکتگین حیدر ترمذی کے قریب ہوگئی تھی کہ یہ بھی احساس نہیں ہوا کہ ان کے بیچ لمحہ بھر تک کا فاصلہ مٹ چکا ہے، خوشبوؤں جیسا وجود مکمل سبکتگین حیدر ترمذی کے قریب تھا، بہت پاس تھا اور اس خوشبوؤں جیسے وجود کے لئے تو وہ ایک دنیا، ایک جہاں تیاگ سکتا تھا، ایک کائنات کو فراموش کر سکتا تھا، اس کا دل خوشنما انداز میں دھڑکا تھا، چہرے کی جھنجلاہٹ پل بھر میں غائب ہوئی تھی۔ ضورف سنگھانیا اس کے لئے اتنا اہم نہیں ہے، اس کی میٹنگ، اس سے بات کرنا اتنا ضروری نہیں ہے جتنا اس وقت اپنی محبت و چاہت، اپنی عشق و جنون کا ساتھ ہے۔ یہ پل بھر کا دلکش لمحہ ضروری ہے۔ سبکتگین حیدر ترمذی نے فون آف کر کے سائیڈ پر رکھ دیا تھا۔ غنویٰ کی نفرت شدید ترین نفرت اس قدر شدت پر تھی کہ وہ ہر احساس سے عاری تھی۔ اس کو یہ بھی خبر نہیں کہ غنویٰ کی اس قدر نزدیکی سے سبکتگین حیدر ترمذی کو کس قدر سرور مل رہا تھا۔ وہ ان پلوں اور دلکش لمحوں کو اپنے دل میں قید کر رہا تھا۔ غنویٰ نے بہت دیر بعد اس کے چہرے پر نظر کی تو اس کو اپنی سنگین غلطی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ وہاں جھنجھلاہٹ کی جگہ ایک شرارت سی بھری پرشوخ



مسکراہٹ تھی، گلاسز کے پیچھے چھپی ان ذہین آنکھوں میں چمک سی دوڑ رہی تھی جیسے وہ غنویٰ کی اس حالت سے جی بھر کے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

غنویٰ نے اب اپنی پوزیشن پر غور کیا، اس کا ایک ہاتھ سبکتگین حیدر ترمذی کے کسرتی شانے پر رکھا تھا تو دوسرا ہاتھ ہوا میں اوپر کی جانب معلق تھا۔ وہ سبکتگین حیدر ترمذی کے بے حد نزدیک تھی۔ غنویٰ بری طرح جھنجھلائی تھی اور اسی جھنجھلاہٹ میں آ کر وہ جلد بازی سے سبکتگین حیدر ترمذی سے الگ ہو کر بیڈ سے نیچے اترنا چاہتی تھی۔ وہ شاید بیڈ سے منہ کے بل گر ہی جاتی گر بروقت سبکتگین حیدر ترمذی نے اس کی اس نازک مرمریں کمر سے پکڑ کے نیچے نہ اتارا ہوتا۔

''ہاؤ ڈیئر یو! تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی۔''غنویٰ صحیح معنوں میں بری طرح بدکی تھی۔ اس کا خون لاوا بن کر شریانوں میں دوڑنے لگا تھا۔ غصے نے تو جیسے اس کے اندر مضبوط گھر ہی بنا لیا تھا۔

''میرا تو خیال ہے پچھلے پندرہ منٹ سے آپ یہ کام کر رہی تھیں۔''اس دوران سبکتگین حیدر ترمذی نے ٹی وی کا والیوم قدرے کم کر دیا تھا۔ سبکتگین حیدر ترمذی کا جملہ اور اشارہ وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی مگر اس کے آگے ہتھیار ڈالنے کا مطلب تھا ہار جانا اور وہ سبکتگین حیدر ترمذی سے قطعی طور پر ہار ماننے والی نہیں تھی۔

''مجھ سے زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے، مسٹر سبکتگین!''

''مگر جانِ سبکتگین، ہم کو تو یہ پرمٹ قانون اور شرع کی طرف سے مل چکا ہے۔''

سبکتگین حیدر ترمذی اس سچویشن کو بھرپور طریقے سے انجوائے کر رہا تھا۔ اس کو غنویٰ سے بات کرنا، غنویٰ کی تکرار، بحث کرنا سب اچھا لگ رہا تھا، وہ اس وقت اس طرح کھڑا اس کی الجھن اور جھنجھلاہٹ کو انجوائے کر رہا تھا جیسے بہت فرصت ہی فرصت ہے۔ غنویٰ صرف گھور کے رہ گئی۔ وہ تو اس کو چڑانا چاہتی تھی اس کو جان کر غصہ دلانا چاہتی تھی مگر اس بار بھی بازی پلٹ گئی۔ سبکتگین حیدر ترمذی کے مطمئن اور پرسکون انداز نے نہ صرف بلکہ اس کی باتوں نے بھی غنویٰ کو سرتاپا سلگا کے رکھ دیا تھا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے وہ دہکتے انگارے پر برہنہ پا کھڑی ہے۔ اس کے عزائم پست کیوں ہو رہے ہیں۔ کیوں وہ اس سے ہار رہی ہے۔

''نہیں.....ہر بار اس طرح نہیں ہوگا۔''

''کچھ اور پلاننگ سوچ رہی ہو میرے خلاف؟''

پرسوچ سی غنویٰ کے کانوں میں دھیمی سی سرگوشی ابھری تھی۔ وہ جو سبکتگین حیدر ترمذی کے خلاف سوچ رہی تھی، اس کی دھیمی سرگوشی نے اس کو چونکا دیا تھا۔ ان مغرور آنکھوں میں سبکتگین حیدر ترمذی نے اپنا عکس دیکھا تھا۔

''چلو جو بھی ہے مگر میں مطمئن ہوں کہ تم میرے بارے میں تو سوچ رہی ہو۔ آج نفرت بھری سوچ ہے کل محبت سے سوچو گی۔''

''اور وہ کل زندگی بھر نہیں آئے گا۔ آپ کی یہ خوش فہمی، خوش فہمی ہی رہ جائے گی۔''بہت تنکتا ہوا جواب اس کے منہ پر مارا تھا۔

''اور اگر آ گیا تو؟''

''چیلنج کرتی ہوں۔''

''سوچ لو، ہار جاؤ گی۔''

''غنویٰ خاقان ترمذی نے کبھی ہار نہیں مانی۔ وہ ہمیشہ ہر میدان میں جیتی ہے پھر تو یہ زندگی کی بازی ہے، اس

کی نفرت کی بازی ہے اور غزنوی خاقان ترمذی مٹ سکتی ہے، ٹوٹ سکتی ہے مگر جھک نہیں سکتی۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔" سبکتگین حیدر ترمذی نے براہ راست اس کی مغرور آنکھوں میں دیکھا تھا جہاں چٹانوں جیسی سختی تھی۔ اپنا وعدہ پورا کرنے کا پکا عزم۔ سبکتگین حیدر ترمذی تادیر ان مغرور آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بڑی سہولت سے اس نے غزنوی کا نازک بازو پکڑ کر خود سے قریب تر کیا اور جھک کر اپنی ذہین آنکھیں ان مغرور آنکھوں میں گاڑ دیں۔

"اور میرا بھی وعدہ ہے کہ سبکتگین حیدر ترمذی نہ تو اپنے پیار کو ٹوٹنے دے گا نہ مٹنے اور نہ ہی جھکنے دے گا۔ دوسری صورت میں صرف یہ ہوگا کہ تمہارا یہ خوشبو جیسا نازک وجود میری مضبوط بانہوں میں ہی مہکے گا۔ بہت جلد انشاء اللہ تمہیں میرے پیار، میرے جنون، میرے عشق کا ادراک ہو جائے گا، احساس ہو جائے گا۔ ابھی بھلے ہی ہمارے دل دو الگ الگ سمتوں کی طرف سانس لے رہے ہیں مگر بہت جلد یہ دو دل ایک ہی کشتی کے مسافر ہوں گے۔"

"ہونہہ۔" غزنوی نے نفرت سے خود کو اس کے مضبوط سے شکنجے سے چھڑایا تھا اور نہایت طنزیہ مسکراہٹ طنزیہ نظروں سے دیکھتی ہوئی وہ اس سے فاصلے پر جا کھڑی ہوئی تھی۔

"ہمارے بیچ نہایت مضبوط اور طاقتور فصیل دیوار کھڑی ہے مسٹر سبکتگین، جو کبھی نہیں ٹوٹے گی۔ آپ کی ساری فلاسفی دھری کی دھری رہ جائے گی۔"

سبکتگین حیدر ترمذی نے ایک گہرا سانس لیا اور ہولے سے مسکرا دیا۔ وہ کچھ جواب میں کہتا کہ دروازے پر ناک ہوا۔ سبکتگین حیدر ترمذی کے "یس" کہنے پر ملازم اندر داخل ہوا تھا۔

"سبکتگین صاحب! آپ سے رجاء بی بی اور ندیم صاحب ملنے آئے ہیں۔" ملازم نے نہایت ادب واحترام سے سر کو جھکائے بتایا تھا۔

"او کے! میں آتا ہوں۔" ملازم چلا گیا تھا۔

"او کے ڈیئر، باقی کی بحث بعد کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ ویسے ایک بات اور کہوں گا کہ تم غصے میں بہت خوب صورت لگتی ہو، بالکل اپنی اپنی سی۔" سبکتگین حیدر ترمذی آگے بڑھا اور بنا اس کے غصے کی پرواہ کئے اس کے چہرے کی طرف ہاتھ بڑھا کے اس کی کھڑی مغرور ناک آہستہ سے دباتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا اگر وہ رکا تو ایک نئی جنگ شروع ہو جائے گی۔

"یو فول!" سبکتگین حیدر ترمذی کے تیزی سے نکلنے اور اچانک سے اس کی ناک دبانے پر غزنوی بری طرح سلگی تھی اور غصے کے عالم میں کشن اٹھا کے دروازے پر دے مارے تھے۔

"السلام علیکم!" نہایت بشاشت بھرا لب ولہجہ، فریش سا انداز تھا سبکتگین حیدر ترمذی کا۔ رجاء صدیقی اور ندیم بلوچ ہال میں بیٹھے اسی کا ویٹ کر رہے تھے۔

"وعلیکم السلام! شکر ورنہ میں تو سمجھی تھی کہ آج تم میرے سر پر اپنے ڈرائنگ روم کے صوفے، شوپیسز وغیرہ توڑو گے۔" رجاء صدیقی نے اس کے بشاشت بھرے لب ولہجے کو نوٹ کر لیا تھا۔

ندیم بلوچ سے مصافحہ کرتے ہوئے وہ وہیں بیٹھ چکا تھا۔

"وہ کس لئے؟"

غزنوی سے پیار بھری، غصے بھری تکرار کر کے وہ بہت پر سکون تھا اور یہ بحث وتکرار اتنی لمبی ہوگئی تھی کہ ٹائم کا پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ گھڑی میں اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں۔



"کیوں، ہم رات کے ساڑھے گیارہ بجے تمہارے گھر آ دھمکے ہیں۔"

"اچھا!" سبکتگین حیدر ترمذی نے اپنے موبائل میں ٹائم دیکھا جہاں ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔

"اتنا ٹائم ہو گیا ہے اور مجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔" وہ سوچ کر رہ گیا۔

"اینی ویز، اتنی رات میں۔ سب خیریت تو ہے نا؟"

"بالکل خیریت ہے، ایکچوئلی ہمیں صبح آٹھ بجے کی فلائٹ سے اسلام آباد کے لئے نکلنا ہے اس لئے میں نے تمہارا ابھی ٹکٹ کنفرم کرا دیا ہے۔ میں اور ندیم تمہیں یہیں سے پک کر لیں گے۔"

"شاباش! تم کو تو ایوارڈ دینے کا دل کر رہا ہے اس وقت۔" سبکتگین حیدر ترمذی کے چہرے کے زاویے بگڑے تھے۔

"تم اس کی فکر مت پالو، وہ مجھے پہلے ہی مل چکے ہیں۔" رجاء نے مسکراتے ہوئے کہا اور نہایت ہی ایزی ہو کر اپنے مخصوص انداز میں صوفے پر دونوں پیر چڑھا کے بیٹھ گئی۔

"یار اب میرا پیچھا چھوڑ بھی دو۔ تم نے ایک شو کے لئے آفر دی تھی مگر اب تو گلے کا ہار ہی بن گئی ہو۔"

"شرم کرو بے قدرے۔ جاؤ ان ماڈل ایکٹر، ایکٹریسز سے جا کر میری قدر پوچھو جو مرے جا رہے ہیں میرے ساتھ کام کرنے کے لئے اور ایک تم ہو جس کو کامیابی اور چانس وہ بھی گولڈن چانس طشتری میں مل رہا ہے تو ٹھکرا رہے ہو، مزاج ہی نہیں مل رہے۔" رجاء صدیقی نے اپنی آنکھوں کو چھوٹا کر کے اس کو دیکھا تھا۔

"بس بکواس کرالو۔ تو انہی کو آفر دو نا جو تمہارے پیچھے مرے جا رہے ہیں، مجھ بزنس ٹائیکون کو کیوں اس دلدل میں پھنسا رہی ہو۔"

"بیٹا اب تو تم پھنس چکے ہو اور یہ ایڈ تو تمہارے بغیر مکمل ہی نہیں ہوگا۔"

وہاں بیٹھا ندیم بلوچ ان دونوں کی نوک جھونک پر مسلسل مسکرائے ہی جا رہا تھا۔ سبکتگین حیدر ترمذی کی حالت وہ اچھی طرح سمجھ سکتا تھا۔ اس فیلڈ اور اس پروفیشن میں کام کرنا آسان نہیں تھا، بہت محنت اور جدوجہد کے بعد ایک مقام ملتا ہے، اپنا سب کچھ اپنا سارا ٹائم اس پروفیشن کو دینا پڑتا ہے جب جا کر کامیابی آپ کے قدموں کی غلام بنتی ہے۔

"یار ندیم، تم ہی سمجھا لو اس چھپکلی کو، بس بیٹھے مسکرائے ہی جا رہے ہو۔" سبکتگین حیدر ترمذی نے آخری کوشش مدد طلب نظروں سے ندیم بلوچ کو دیکھا۔

"ایم سوری! مجھے بھی رجا نے ارجنٹ میرے گھر سے اٹھایا بنا کوئی سوال کئے۔" اس نے بے بسی سے سبکتگین حیدر ترمذی کو دیکھا تھا۔

"سارے غنڈوں والے کام ہیں اس کے....اور ایک بات تو بتاؤ تم کینیڈا کب جا رہی ہو؟"

رجا صدیقی سبکتگین حیدر ترمذی کی حالت پر ہنس دی۔

"اب یہ دانت کیوں نکال رہی ہو۔"

"کیوں کہ جب تم اپنے بیڈ روم سے باہر آئے تھے بڑے فریش اور بشاش انداز میں آئے تھے مگر اب پتہ نہیں یوں آگ بگولا ہو گئے ہو۔"

"ظاہری بات ہے مجھے بنا بتائے تم نے صبح آٹھ بجے کی اسلام آباد کی ٹکٹ کنفرم کر دی، جشن تو منانے سے رہا۔" کچھ کچھ راضی سا انداز تھا۔

''چلو بھئی اب ہم چلتے ہیں، پھر صبح ملاقات ہوتی ہے۔'' رجاء صدیقی نے دونوں پاؤں نیچے کئے جوتے پہنے اور کھڑی ہوگئی۔

''اتنی جلدی یار! کچھ کھا پی تو لو۔''

''بھئی تم تو جانتے ہو میں بہت سادہ خوراک لیتی ہوں، ڈنر میں بوائل رائس کے ساتھ پاستا سلاد کھا لیا تھا۔ اس لئے کچھ کھانے کی گنجائش نہیں ہے۔''

''میں جانتا ہوں تمہارے بارے میں مگر ندیم تو پہلی بار ہمارے گھر آئے ہیں۔'' سبکتگین حیدر ترمذی اور ندیم بلوچ بھی ساتھ ہی کھڑے ہوگئے۔

''تو پھر تم ندیم سے ہی پوچھو۔''

''فار کائنڈ انفارمیشن میں نے تم سے پوچھا بھی نہیں تھا۔'' سبکتگین حیدر ترمذی نے تپتے ہوئے کہا۔

''نہیں حیدر اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے سچ تو یہ ہے کہ مجھے شدید شرمندگی ہو رہی ہے اس وقت تمہارے گھر آنے پر۔''

''مگر رجاء صدیقی تو ڈھیٹوں کی سردار ہے، وہ تو شکر ہے کہ تم ساتھ ہو ورنہ یہ تو ڈائریکٹ بیڈ روم پر دھاوا بول دیتی۔''

''اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ تم تو منہ پھاڑ کے کچھ بھی بول دو۔'' رجاء صدیقی خفیف سی ہو کر رہ گئی تھی۔

ندیم بلوچ کو وہ پیاری سی لڑکی اپنے دل میں اترتی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے بغور رجاء صدیقی کے جھجکتے چہرے کو دیکھا تھا اور یہ نظر سبکتگین حیدر ترمذی کی نظروں سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ پسندیدگی کے رنگ ندیم بلوچ کی آنکھوں میں صاف نمایاں تھے۔ اس نے پھر رجاء صدیقی کو دیکھا، وہ ندیم بلوچ کے خوبصورت احساس اور پسندیدگی کے رنگوں سے بے خبر بے پرواہ تھی۔ سبکتگین حیدر ترمذی بہت خوش ہوا تھا یہ جان کر کہ کوئی ہے جو رجا صدیقی کو دل سے چاہنے لگا ہے۔ رجاء صدیقی اس کی بہت اچھی دوست تھی وہ اس سے بات کرے گا اس سلسلے میں۔

''رات کے دو بجنے والے ہیں، تم جب تک غنویٰ کو بائے بائے الوداع کہہ دو، صبح آٹھ بجے پھر نکلنا بھی ہے۔'' رجاء صدیقی ذومعنی انداز میں کہتی مسکرا دی۔

''کیوں ندیم! میں نے کہا تھا نا اس نے ڈھٹائی اور بے شرمی میں ریکارڈ توڑے ہوئے ہیں۔'' سبکتگین حیدر ترمذی نے مسکراتے ہوئے گھور کے رجاء صدیقی کو دیکھا تھا۔

''پتہ نہیں یار حیدر ابھی میرا رجاء سے صحیح طرح واسطہ نہیں پڑا جو میں رائے دوں۔''

ندیم بلوچ نے پر شوخ نظروں سے اس پیاری سی لڑکی کو آنکھوں میں بھرا تھا۔

''کوئی بات نہیں، اب تو واسطہ پڑنے ہی والا ہے، زندگی بھر رائے دیتے رہنا۔''

رجاء صدیقی نے بالکل بے دھڑک کہا تھا اور جو کہا تھا اس کے معنی وہ خود نہیں سمجھی تھی جو سبکتگین حیدر ترمذی اور ندیم بلوچ نے اپنے انداز میں لئے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر قہقہہ لگا کر دیکھنے لگے تھے۔ رجاء صدیقی نے بہت عجیب نظروں سے دونوں کو دیکھا تھا اور کندھے اچکا کے آگے بڑھ گئی۔

''میں بھی چلتا ہوں۔''

''بیسٹ آف لک۔'' دونوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔

(جاری ہے)

عائشہ مری

# میری زندگی ہے تو

متحدہ عرب امارات کا پندرہ روزہ بزنس ٹور اور اس کا ایکسپیرینس اس کے لیے بے حد شاندار رہا تھا انیس صاحب کے توسط سے ملنے والا یہ کانٹریکٹ ان کی کمپنی کے لیے کافی فائدہ مند ثابت ہونے والا تھا اپنی کمپنی کی ترقی اس کے لیے پہلے بھی اہمیت کی حامل تھی۔ اب تو یہ کمپنی فقط چند سال کے عرصے میں انٹرنیشنل لیول پر اپنا مقام بنانے جا رہی تھی۔ دبئی میں ان کے بزنس پارٹنر انیس صاحب تھے وہ صدیقی اینڈ کمپنی کے اونر عزیز صدیقی کے ساتھ اس میٹنگ میں بطور ان کے پرسنل اسسٹنٹ شریک رہا پرموشن کے بعد یہ اس کا پہلا ایکسپیرینس تھا اپنی ذہانت اور قابلیت کے بل بوتے پر وہ اتنے کم وقت میں صدیقی صاحب کی کمپنی میں اس عہدے پر پہنچ پایا تھا۔ وہ MBA تھا آنکھوں سے چمکتی ذہانت اور قابلیت کسی تعریف کی مرہون منت نہ تھی جبھی تو اتنے سارے ورکرز ٹیم کے باوجود اس اہم میٹنگ کو اٹینڈ کرنے صدیقی صاحب نے خاص طور پر زکریا جیسے قابل بندے کا انتخاب کیا تھا۔ کانٹریکٹ اپنے نام کروا کے صدیقی صاحب اس کے گلے لگے مبارکباد دینے لگے تبھی اس کا فون بلنک کرنے لگا۔ مام کی ایمرجنسی کال اور بلاوے پر وہ تو ایک دم چکرا کر رہ گیا ابھی تک تو وہ اپنے ٹیم کی

مکمل ناول

کامیابی کو انجوائے نہ کر پایا تھا کے اچانک یہ کیا آفت آن پڑی وہ شاید کوئی بہانا مصروفیت کا بنا کے انہیں ٹال بھی دیتا۔ اگر معاملہ ان کی صحت سے ریلیٹ نہ ہوتا وہ سارے کام چھوڑ چھاڑ اگلے دن کی فلائیٹ لے کر فوراً پاکستان آن پہنچا مما کی صحت قدرے بہتر دیکھ کر اس کے دل کو سکون ملا مگر مما کی خواہش جان کر تو وہ بھونچکا کر رہ گیا۔

''وہاٹ مام! نو وے اٹ از امپاسبل''۔ اس نے فوراً سے پیشتر ان کی بات رد کر دی مگر وہ مما ہی کیا جو یونہی ہار مان لیتیں۔ اپنی قسمیں دے دلا کر انہوں نے بڑی مشکل سے سہی زکریا کو کنوینس کر لیا معاملہ اگر اس قدر سنگین نہ ہوتا یا مما کی صحت کا معاملہ نہ ہوتا تو شاید کبھی آمادہ نہ ہوتا اس کا سب کچھ تو اس کی مما ہی تھیں مجبوراً اسے مام کی ضد پر حامی بھرنی پڑی جس کا پچھتاوا بچھو بن کر کتنے دنوں اسے تنگ کرتا رہا صدیقی صاحب کی کالز پر کالز آتیں رہیں لیکن اس کا سارا جوش جیسے ماند پڑنے لگا اپنا بزنس، کامیابیاں، روشن مستقبل اس کے سارے خواب ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئے ابھی تو ٹھیک سے وہ اپنی کامیابی کا جشن تک منا نہ پایا تھا مخالف کو شکست دے کر خود ایک مقام بنانا کوئی اتنا آسان تو نہ تھا یہاں رہنا تو اپنے خواب اور خواہشات سے دستبردار ہونے کے مترادف تھا۔ یہ بات اسے قطعی منظور نہ تھی جس حبس زدہ ماحول سے شروع سے وہ کتراتا رہا اب تمام عمر اسی گھٹن زدہ ماحول میں رہنے کا تصور بھی اس کے اعصاب پر بھاری پڑنے لگا مگر مما نے اپنی خواہش پوری کر کے ہی دم لی انگیجمنٹ کے اگلے روز ہی وہ واپس چلا گیا مگر اب پہلے والی گرم جوشی اور اشتیاق بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

☆☆☆☆

زرق برق آنچل، گیندے کے پھولوں سے سجی سیڑھیاں، ابٹن، ہلدی اور پھولوں کی مہک سے رچا بسا ماحول جا بجا بکھرے پھولوں کی پتیاں اور بے فکری سے گونجتے قہقہے۔

''قصر عثمانیہ'' کی سب سے چھوٹی لاڈلی مروہ کی مایوں کی تقریب اپنے زور شور پر تھی۔ مروہ پانچ بھائیوں کی اکلوتی لاڈلی اپنے گھر کی ہولے جا رہی تھی گو کے گھر ایک ہی تھا صرف پورشن تبدیل ہونا تھا مگر مروہ کی رخصتی کا تصور بھی قصر عثمانیہ کے افراد کے لیے سوہان روح تھا اس ننھی چڑیا میں تو پورے گھر کی جان تھی سب سے بڑے عمیر تو ابھی سے بجھے بجھے سے لگ رہے تھے حالانکہ شادی میں ابھی چار دن باقی تھے جازی، احد، سعدی بھی منہ پھلائے ہر کام انجام دے رہے تھے صرف زیب بھائی خاصے مطمئن لگ رہے تھے اور ہر کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے زمر (تایا کی بیٹی) کو خاص عمیر بھائی کی طرف سے آرڈر ملا تھا کے انہیں ایک پل کے لیے بھی مروہ کو تنہا اداس رہنے نہیں دینا سو وہ پوری تقریب میں سائے کی مانند اس سے چمٹی رہی دونوں کی آپس میں ویسے بھی بہت جمتی تھی پاپا بھی پوری تقریب کمرے سے باہر نہ نکلے الٹا مروہ کو ہی جا کر انہیں باہر لانا پڑا، مروہ کے جانے سے اداس تو وہ بھی بہت تھے مروہ کی خوشی ان کے لیے ہر شے سے مقدم تھی سفید گوٹے کناری لگے لباس میں سفید پھولوں کے زیور بالوں اور کلائیوں میں لپیٹے وہ چاند سے اتری کوئی حور لگ رہی تھی اس کے شفاف بے فکری لئے قہقہے زکریا کو سراسر اپنی بے بسی کا مذاق اڑاتے محسوس ہو رہے تھے جبکہ پھپھو اس کی بلائیں اتارتے نہ تھک رہی تھیں جیسے تیسے کر کے مایوں کی رسم اختتام کو پہنچی ذکی تقریب ختم ہونے سے قبل ہی کمرے میں بند ہو گیا مگر مروہ کی آواز اور قہقہے جیسے اب بھی اس کا تعاقب کر رہے تھے۔

☆☆☆☆

عثمان ضیاء پیشے کے اعتبار سے مقامی کالج میں پروفیسر رہ چکے تھے، ثمرین بیگم ان کی چچازاد ہونے کے ساتھ ان کی منکوحہ بھی تھی انہیں اس رشتے خاص سے کوئی پرخاش تو نہ تھی مگر کاتب تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا جب ان کا



دل اپنی کولیگ ہما بیگ پر آ گیا تب واپس جانے کی تمام راہیں جیسے مسدود ہو کر رہ گئیں ہما بھی عثمان صاحب کی شخصیت سے خاصی مرعوب تھیں یوں بات شادی تک جا پہنچی، پاپا کو جب پتا چلا تو انہوں نے جیسے آسمان سر پر اٹھا لیا یا تو عثمان اس لڑکی کو چھوڑ دے جواب ان کی دوسری بیگم تھیں یا ان کا مرا ہوا منہ دیکھے ثمرین بھی عثمان صاحب کی بے رخی سے دل برداشتہ ہو گئیں تھیں عثمان بیگ نے کسی کی بھی پروا نہ کرتے ہما کا ساتھ دینے کو ترجیح دی پاپا یہ غم برداشت نہ کر سکے اور بستر سے لگ کر رہ گئے جوان بیٹے کی بے رخی کا غم کسی طور کم نہ ہو پا رہا تھا اس لیے شاید قدرت کو ان پر رحم آ گیا اور گھر سے جانے کے محض گیارہ ماہ بعد وہ ننھی روحہ کو لے کر واپس آ گئے ہما ڈلیوری میں پیچیدگی کے سبب موقع پر ہی دم توڑ گئیں ننھی روحہ کو دو ماہ تک خالہ نے پالا جب تک عثمان میاں اس سوگ میں پڑے رہے زخم وقت کے ساتھ مندمل ہونے لگے تو آپا بیگم نے ہی مشورہ دیا کے انہیں دوبارہ گھر جا کر اپنوں سے معافی مانگ لینی چاہیے اس طرح ان کی تکلیفوں کا بار کچھ کم ہوگا۔ آپا کی بات سن کر وہ سوچ میں پڑ گئے آپا کے ہی کہنے پر وہ ننھی روحہ کو لے کر بابا کے قدموں میں جا گرے وہ باپ تھے بیٹے کی جدائی نے ان کے ناتواں کندھوں کو مزید کمزور کر دیا تھا اب اتنے دنوں بعد اسے سامنے پا کر وہ گویا ساری ناراضی بھول بھال گئے اور یوں ثمرین نے بھی ننھی روحہ کو گلے سے لگا لیا ان کے گھر کی خوشیاں پھر سے لوٹ آئیں تھیں ثمرین کے ہاں یکے بعد دیگر دو بیٹوں کی آمد سے ان کے قدم سسرال میں کیا جمے اور عثمان صاحب کے سامنے ان کی قدر و اہمیت بڑھ گئی ان ماہ سال میں بابا بھی چل بسے سارے قصر عثمانیہ پر اب عثمان صاحب کا راج تھا اور انہیں اپنی چہیتی روحہ سے بے حد لگاؤ تھا وقت کے ساتھ ان کا لگاؤ مزید بڑھنے لگا ننھی روحہ میں جیسے ان کی جان تھی بابا کی ساری جائیداد کا تیس فیصد حصہ اور گھر انہوں نے روحہ کے نام کر دیا ثمرین بیگم کو ان کے فیصلے سے زیادہ خوشی تو نہ تھی مگر شوہر کے سامنے کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی وقت بیتتے گئے وقت کا سکہ پلٹ گیا ان کے تینوں بچے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے روحہ کی شادی بابا نے اس کی پسند کے مطابق خالہ زاد حمزہ آذر یزدانی سے کر دی حمزہ جو کے آوارہ مزاج کا شخص تھا پتا نہیں روحہ کو اس آوارہ بدمعاش شخص میں کیا نظر آ گیا ثمرین بیگم کڑھ کر رہ گئیں روحہ کی جلد بازی اور بے سوچے سمجھے فیصلے اور عثمان صاحب کی بے جا حمایت سے اب وہ عاجز آ چکی تھیں یا پھر انہیں حمزہ کی فطرت کا علم ہو چکا تھا بہرحال جو بھی تھا وہ روحہ کے اس فیصلے سے زیادہ خوش نہ تھیں ان کے اپنے دونوں بیٹے واجد اور اسد کا نکاح انہوں نے خاندان میں ہی کر دیا اپنے ڈگر پر رواں زندگی جیسے تھم گئی عثمان صاحب ایک روز رات کو یونہی چپکے سے دار فانی سے کوچ کر گئے اور فقط چھ ماہ بعد ثمرین بیگم بھی چند دن علیل رہ کر چل بسیں۔ وقت رک سا گیا قصر عثمانیہ پر جیسے سناٹوں کا راج چھانے لگا وقت کے ساتھ زخم تو مندمل ہونے لگے تحسین شامیں راتوں میں بدلنے لگیں وقت مرہم بننے لگا زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں تھی اب حمزہ کے رنگ کھل کر سامنے آنے لگے روحہ سے رقم کا مطالبہ اور حق وصولنے کے متعلق زچ کرتا اس کی طبیعت میں حرص اور لالچ بڑھنے لگا محبت کا نشہ اترا تو ہاتھ میں سوائے پچھتاوؤں کے کچھ نہ رہا وہ کم ظرف انسان پیسے کے لیے اس پر ہاتھ اٹھانے تک سے دریغ نہ کرتا پہلے پہل وہ اس کی زیادتیوں کو خاموشی سے سہہ لیتی پر جب اس کی زیادتیاں اور تقاضے بڑھنے لگے تو اس کی ہمت جواب دینے لگی روز لڑائی جھگڑا مار کٹائی اس کے پاگل پن میں بجائے کمی کے اور اضافہ ہونے لگا ان کی شادی کو 3 سال کا عرصہ بیت چکا تھا اور اتنے عرصے میں وہ اس شخص کی فطرت سے بخوبی آشنا ہو چکی تھی اس نے روحہ سے شادی صرف پیسوں کے لیے کی تھی اور اس دن تو حد ہو گئی اس ذلیل شخص نے روحہ کو مار کر آدھی رات کو گھر سے نکال دیا کے جب تک وہ اپنے بھائیوں سے اپنے حق کا

مطالبہ نہ کرے تب تک اس کے لئے اس گھر میں کوئی جگہ نہیں۔ زکریا اس وقت فقط ڈیڑھ برس کا تھا اسے یہ شرط قطعی منظور نہ تھی اتنے مہربان شفیق بھائیوں سے وہ کس منہ سے مطالبہ کرتی جنہوں نے اس کی ہر ضرورت بنا کچھ کہے پوری کی اس مطلبی شخص اور اپنے سگے رشتوں میں کسی ایک کو چننا تھا بس فیصلہ ہو چکا وہ خاموشی سے بنا کچھ کہے میکے آکر بیٹھ گئی بھائیوں کے اصرار پر بھی وہ سچ بیان نہ کر سکی۔

☆☆☆☆

''حمزہ آذر نے مجھے گھر سے نکال دیا اور میں اب نہیں چاہتی کے زکریا پر اس کے حریص باپ کا سایہ تک پڑے''۔ بھائی اس کے گھریلو حالات سے باخوبی واقف تھے پہلے بھی فیصلہ روحہ کا اپنا تھا اب بھی انہیں روحہ کے کسی فیصلے پر اعتراض نہ تھا ان کے لیے روحہ کی اپنی خوشی و رضا مقدم تھی اس لیے انہوں نے کریدنے کی کوشش نہ کی روحہ اپنے بیٹے کے ساتھ اوپر والے پورشن میں رہنے لگی چار کمروں پر مشتمل ہوا دار کھلے پورشن میں ان کی ضرورت کی ہر چیز موجود تھی حمزہ نے تو زکریا کی ذمے داری اٹھانے سے بھی انکار کر دیا ان کے باقی اخراجات تو بھائی خوش اسلوبی سے اٹھا رہے تھے پر زکریا کو اعلیٰ تعلیم دلانے عمیر کے پاس ابروڈ بھیجنے کے لیے روحہ بیگم نے بینک میں رکھے اپنے زیورات بیچ ڈالے جب بھائیوں نے سنا تو بہت خفا ہوئے۔

''تم نے تو کبھی ہمیں سگا سمجھا ہی نہیں ورنہ اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے قبل ایک مرتبہ مشورہ تو ضرور کرتیں زکریا بھی میرے لیے عمیر اور زیب کی طرح ہے تم نے ایسا کیسے سوچ لیا کہ میں اس کی ذمے داری سے یوں چشم پوشی سے کام لوں گا''۔ واجد سخت برہم لگ رہے تھے روحہ بیگم اپنی جگہ چور سی بن گئیں۔

''ایک پل میں ہمیں یوں غیر کر دیا''۔ اسد کے اندر بھی خفگی نمایاں تھی حمزہ نے جو کیا اس کے بعد تو لگا جیسے وہ تپتی دھوپ تلے آن کھڑی ہو پر آج ان دونوں بھائیوں کے الفاظ نے جیسے اس کا مان بڑھا دیا حمزہ سے اس کے تمام تعلق جیسے ختم ہو کر رہ گئے تھے وہ گھر بیچ کر نجانے کہاں بیرون ملک چلا گیا اسے یوں بے سہارا چھوڑ کر پر اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ بھائیوں کے شفیق وجود اس کے لئے کسی گھنے سائے کی طرح تھے اس کی پلکیں شکر سے بھیگنے لگیں زکریا اب دس سال کا ہو چکا تھا ننھیال میں اپنے ہم عمر زیب اور چھوٹے ماموں کی بیٹی زمر سے اس کی بالکل نہ بنتی وہ سنجیدہ اور کم گو تو پہلے سے ہی تھا وقت کے ساتھ اس کی سنجیدگی متانت طبیعت میں ناگواری بیزاریت عود کر آنے لگی تھی وہ خود کو اس ماحول میں ایک قیدی کی طرح محسوس کرنے لگا، ایک ایسا طائر جس کے دونوں پر کاٹ کر پنجرے میں بند کر دیا گیا ہو، مما کو پل پل ماموں ممانیوں کے احسان تلے دبے دیکھ کر وہ خود کو دنیا کا بے بس ترین انسان تصور کرنے لگا تھا۔ کم عمری ہی سے اس کے دل و دماغ میں نجانے کیا خناس پکنے لگا، مما کے ساتھ ماموں کے دو بھائیوں کے احسانات کو فقط ڈھونگ دکھلاوا گردانے لگا اس کے نزدیک ان سب کی کوئی وقعت نہ تھی ، وہ اپنے ساتھ زیب عمیر کا موازنہ کرتا تو عجب احساس میں گھر جاتا وہ اپنی اس محرومیوں بھری زندگی کا اصل قصور وار انہیں ہی قرار دیتا مما نے اس کی حالت کہ پیش نظر اسے عمیر کے پاس ابروڈ بھیج دیا، وہ نہیں چاہتی تھیں کے ذکی اس ماحول میں رہ کر کسی خود ترسی کا شکار ہو یا کہیں ان کے بھیانک ماضی کا آسیب ان کے بیٹے کے مستقبل کو نگل نہ لے وہ زکریا کو حمزہ کے سائے سے بھی دور رکھنا چاہتی تھیں۔ وہ اپنی زندگی کی غلطیوں سے سبق سیکھ چکی تھیں اب زکریا کو وہ آئیڈیل لائف دینا چاہتی تھیں آزادی اسے راس آئی تھی اب وہ اس گھٹن زدہ ماحول میں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، عمیر ہائر ایجوکیشن کے بعد اب بزنس میں ڈیڈ کا ہاتھ بٹانے لگا۔ جبکہ زکریا MBA کرنے کے بعد وہیں پر صدیقی صاحب کی کمپنی مین جاب کرنے لگا، مما نے اس کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہ کیا اسے اور کیا



چاہیے تھا اس کی شدید خواہش تھی کے پاکستان میں اس کا اپنا گھر ہو۔ وہ اپنا ایک الگ مقام بنانے کا خواہشمند تھا اس لیے اس نے تہیہ کر لیا کے جب تک وہ اسٹیبلش نہیں ہو جاتا وہ پاکستان واپس نہیں لوٹے گا اس کے دن رات اسی کوشش میں لگے تھے کہ وہ اپنی پوزیشن کلیئر کر کے خود اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر اپنی الگ پہچان بنائے وہ اپنے عہد پر قائم ہی رہتا اگر اچانک مما کی کال نہ آ جاتی اسے خود سے کیے عہد کو توڑنا پڑا، اس کا سب کچھ مما ہی تھیں اور اتنی تگ و دو اور محنت اس نے مما کے لیے ہی کی تھی اس لیے فقط مما کی ایک کال پر وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس آ گیا پر مما کی خواہش کم ضد پر وہ ہتھے سے اکھڑ گیا مما کو اس سے ایسی بے مروتی اور انکار کی توقع نہ تھی۔ زکریا نے کبھی ان کی بات رد نہیں کی تھی انہوں نے زکریا کی رائے لیے بغیر ہی مروہ سے اس کا رشتہ طے کر دیا تھا۔ انہیں اپنی تربیت پر پورا بھروسہ تھا کے ذکی ان کا مان ہرگز نہ توڑے گا، زکریا کے انکار سے ان کا مان کرچی کرچی ہو گیا وہ جیسے ڈھے سی گئیں پانی اب سر سے اوپر ہو چکا تھا واپسی کی تمام راہیں مسدود تھیں انہیں جیسے بھی کر کے زکریا کو منانا تھا انہوں نے کھانا پینا یہاں تک ذکی سے بول چال تک ترک کر دی مما کی ناراضی نے اسے عجیب دوراہے پر لا کر کھڑا کر دیا نا چاہتے مما کی بات مانتے اسے یہ کڑوا گھونٹ بھرنا پڑا مما اس کے اقرار سے جیسے جی اٹھیں زکریا نے انہیں اپنوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لیا اور مما کی خوشی سے بڑھ کر اس کے لیے کچھ اہم نہ تھا دوسری طرف قصر عثمانیہ میں بھی ایک نئی لہر دوڑ گئی زکریا کے اقرار نے سب کو پرسکون کر دیا تھا زکریا جیسا سمجھدار لڑکا انہیں مروہ کے لیے اور کہاں مل سکتا تھا، تو جھٹ منگنی کی تیاریاں شروع ہو گئیں، منگنی کے اگلے دن زکریا کسی سے بنا کچھ کہے واپس چلا گیا تھا مگر اب اس کا سارا جوش ساری دلچسپی ماند پڑ چکی تھی جہاں مما نے خود گھٹ گھٹ کر ساری عمر گزار دی اب اسے بھی ساری عمر انہی کے احسان تلے دب کر رہنا تھا۔ جو اسے قطعی منظور نہ تھا پر فی الحال مما کو سمجھانا اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگا تھا اور ممی نے بھی اس کی خفگی کا خاطر خواہ اثر نہ لیا تھا کیونکہ وہ جانتی تھیں کے جلد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور انہیں اس وقت کا شدت سے انتظار تھا۔

☆☆☆☆

رات کو تقریب سے تھکی ہاری کپڑے چینج کیے بنا ہی بستر پر ڈھے گئی صبح اجلی اجلی روشن سورج کی کرنیں پردوں سے چھن کر آنے لگیں فریش ہو کر جو جی کو کافی کا کہہ کر وہ باہر لان میں چلی آئی ارادہ تھوڑی دیر تازہ ہوا میں چہل قدمی کا تھا سورج اور بادلوں کی آنکھ مچولی جاری تھی، لان کی طرف بنے زینوں پر منہ پھلائے عادی اور گوشی بیٹھے تھے، آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر کے وہ ان کی جانب بڑھی۔

''کیاں ہوا گوشی' کیا پھر کوئی جھگڑا ہوا ہے تم دونوں کا''۔ اس کی پونی کھینچتے اس نے چڑایا۔

''آپ جھوٹی ہو فیک ہو آپ نے کہا تھا کے ہمیں چھوڑ کر کبھی نہیں جائیں گی''۔ ننھے عادی نے منہ بسور کر کہا۔

''ہاں انکل کہہ رہے تھے آپ کی شادی ہو جائے گی اور آپ ہمیں چھوڑ کر چلی جائیں گی تو ہمیں اسٹوریز کون سنائے گا ہمارے ساتھ کھیلے گا کون''۔ گوشی رونی صورت بنا کر بولی۔

''اچھا کوئی بھی آ کر تم سے کچھ بھی کہہ دے یقین کر لو گے۔ اچھا بتاؤ مثلاً کون سے انکل؟''

''ذکی انکل''۔ گوشی کے کہنے کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی کڑوی گولی نگل لی ہو تو عادی نے ٹیرس پر کھڑے فون پر کسی سے بات کرتے زکریا کی جانب اشارہ کر کے اس کی مشکل آسان کر دی زکریا کی بھی سرسری نظر ان پر پڑ چکی تھی۔ ان کی باتوں سے وہ ڈسٹرب ہو رہا تھا۔

''وہ تو یہاں کھڑے ہیں موصوف، پاگل ہیں وہ آئی مین پاگل ہے وہ جو ایسا کہتا ہے آپ کی مومی آپ کو

چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گی''۔اس نے بات جان بوجھ کر تیز آواز میں کہی تھی۔

''سریسلی موی آپ ہمیں چھوڑ کر نہیں جاؤ گی پرامس کرو''۔عادی تو جیسے اس کے سر ہو گیا۔

''اچھا بابا پرامس اب خوش''۔ اس کے گال پر پیار کرتے کہتے اس کی نظریں بے ساختہ ٹیرس کی جانب اٹھیں جہاں اب بھی زکریا موجود تھا ایک شرارتی مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی۔

☆☆☆☆

ڈائننگ ٹیبل پر آج خلاف معمول زکریا موجود تھا جب سے وہ آیا تھا آج پہلی مرتبہ وہ ان سب کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانا کھا رہا تھا افشین بیگم اور روحہ بیگم تو جیسے اس کے آگے پیچھے ہو رہی تھیں ورنہ جب سے وہ آیا تھا شاذ و نادر وہ گھر پر ملتا ڈنر بھی باہر کر لیتا اکثر لیٹ نائٹ تک باہر ہی رہتا تب تک افراد خانہ کھانا کھا چکے ہوتے مگر واجد صاحب نے اسے زبردستی روک لیا وہ بروقت بہانہ تک نہ بنا سکا کھانے کے دوران مروہ کی نظریں کسی قدر دیدہ دلیری ڈھٹائی اور بے باکی سے اس پر جمی تھیں سب لوگ اپنے کھانے میں مگن تھے شاید اس لیے کسی نے نوٹس نہ کیا پر اس کی نظروں سے اسے کوفت سی ہونے لگی دانت پیستے دل ہی دل اس کی بے باکی پر کڑھتے وہ دوبارہ پلیٹ پر جھک گیا نجانے کیا سوچتے اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر چاول کی ٹرے اٹھانی چاہی مگر یہ کیا دوسری جانب سے مروہ بظاہر ٹرے کو پکڑے شریر سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس کے ضبط کو آزمانے لگی صبر کا گھونٹ بھرتے اس نے ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا حتی المقدور وہ اس کی جانب دیکھنے سے بھی گریز برتنے لگا اسے دیکھتے ہی اس کا پارہ ہائی ہونے لگتا۔ممی کے سامنے خود کو نارمل پوز کرتا تھا جو فیصلہ ہونا تھا سو ہو چکا اب وہ اپنی کسی غلطی کے سبب ممی کے لیے کوئی نئی مصیبت کھڑی نہیں کرنا چاہتا تھا چاہے اس کے لیے اسے یہ کڑوا گھونٹ (مروہ) ہی کیوں نہ پینا پڑے وہ خیالوں کی دنیا میں کھویا تھا کہ اچانک پاؤں پر کسی کے پیر کے عجیب احساس پر کرنٹ کھا کر وہ پیچھے ہٹا سب کھانے کے ساتھ اپنی باتوں میں لگے تھے صرف مروہ کی بے باک نگاہیں اس پر مرکوز تھیں اس کے یوں اچھلنے پر مسکراہٹ چھپانے کے لیے اس نے گلاس لبوں سے لگا لیا اور اس کے شک کی تائید ہو گئی اب وہ ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھے اس کی حالت کو دیکھ کر محظوظ ہونے لگی۔

''ہونہہ بے حیائی ڈھٹائی کی حد ہے''۔باپ بھائیوں کی موجودگی میں کیسی دلیری بے باکی سے اسے تک رہی تھی اسے شاید ان سب چیزوں سے فرق نہ ہو پر زکریا کی طبیعت کو یہ سخت ناگوار گزرا اس لیے فوراً مزید کچھ کہے بنا معذرت کرتا وہاں سے نکل آیا۔

☆☆☆☆

''لڑکی نہیں آفت ہے آفت،اس نے تو میری لائف ہیل بنا کے رکھ دی اس گھر میں رہنا تو اب ناممکن ہے مگر مام کو پتا نہیں کیا اپنوں سے محبت کا بھوت چڑھا ہے اور وہ محترمہ نجانے اس کو اس کے گھر والے کیسے جھیل لیتے ہیں تم ایک بار ملو اس سے عدیل تو آئی ایم شیور دوبارہ کبھی پاکستان آنے کا نام نہ لو گے پوری کی پوری چڑیل ہے،مام نجانے کیوں اسے میرے سر منڈھنا چاہتی ہیں''۔اسموک کرتے اسکائپ پر اپنے کولیگ کم دوست سے بات کرتے وہ دل کی بھڑاس نکال رہا تھا دوسری جانب عدیل کا ذوردار قہقہہ نکل پڑا۔

''بھئی ماننا پڑے گا ضرور محترمہ کوئی پہنچی ہوئی توپ چیز ہیں جس نے زکریا عثمانی کو ناکوں چنے چبوا دیے میری تو شدت سے بھابھی صاحبہ سے ملنے کی خواہش ہے آخر انہیں سلوٹ کرنا تو بنتا ہے آخر انہوں نے ٹکر کس سے لی ہے''۔عدیل کی بات پر وہ سوچ میں پڑ گیا۔



''یو آر رائٹ،کم از کم اسے یہ تو پتا چلنا چاہیے آخر اس نے ٹکر کس سے لی ہے''۔چند ایک ادھر ادھر کی باتیں کر کے عدیل آف لائن ہو گیا لیکن اس کے گرد بے شمار سوچوں کے انبار جمع ہونے لگے بالآخر کسی فیصلے پر پہنچنے کے بعد اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلی اور ایک نمبر ڈائل کرنے لگا دوسری جانب پہلی ہی بیل پر فون ریسیو کر لی گئی۔

''ہیلو،زکریا عثمانی بات کر رہا ہوں پاکستان سے''۔

☆☆☆☆

نکاح کی تقریب زکریا کی خواہش پر نہایت سادگی سے رکھی گئی تقریب کی ارینجمنٹ باہر لان میں رکھی گئی مروہ کے نکاح کو ابھی چند گھنٹے ہی گزرے تھے جبکہ گھر کے سبھی بڑے لاؤنج میں موجود اہم ڈسکشن کر رہے تھے زکریا کی بات پر ہال میں موجود تمام نفوس کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

''یہ سب کیا ہے ذکی! یہ کیا بچپنا ہے؟''مما آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے سوال کرنے لگیں۔

''ہاں بیٹا یہ بھی تو تمہارا گھر ہے تو کہیں اور جانے کی بھلا کیا ضرورت ہے''۔تایا ابا بھی آگے بڑھے۔

''یہ میرا آخری فیصلہ ہے اس لیے پلیز مجھے فورس نہ کریں اور ویسے بھی اب میں اپنا گھر لے چکا تو میں نے سوچا تو کیوں آپ لوگوں پر بوجھ بنوں''۔انداز میں سرد مہری نمایاں تھی۔

''اور ویسے بھی کہیں نہ کہیں ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کے اس کا اپنا گھر ہو آئی ایم شیور مروہ بھی ایسا ہی سوچتی ہو گی اس لیے اگر اسے کوئی اعتراض نہیں تو مجھے نہیں لگتا آپ لوگوں کو اس پر کوئی اعتراض ہونا چاہیے''۔ مام بے یقینی سے اسے دیکھنے لگیں جس کے انداز تیور بالکل بدلے بدلے لگ رہے تھے یہ وہ زکریا تو قطعی نہ تھا جس کے لیے مما کی بات اور حکم ہر چیز پر مقدم تھی وہی زکریا جس نے ان کا سر ہمیشہ اونچا کیا تھا آج وہی ان کے اپنوں کے سامنے ان کا سر جھکانے کا سبب بن رہا تھا وہ حیرت سے اور دکھ کی ملی جلی کیفیت سے اسے دیکھنے لگیں۔

''اپنا گھر،یہ بھی تو تمہارا اپنا گھر ہے اور پھر ہم نے ایسا سوچا تک نہیں شروع سے یہی طے ہوا تھا مروہ یہیں رہے گی پہلے تو تمہیں کوئی اعتراض نہ تھا اب اچانک یہ خیال تمہارے دماغ میں آیا کہاں سے،وہ بھی آج کے دن،جبکہ باہر مہمان موجود ہیں باہر سارا خاندان موجود ہے ایسا نہ ہو کوئی بات نکلے تماشہ ہو یا پھر اس گھر کی بدنامی ہو سمجھنے کی کوشش کرو ذکی''۔افشین بیگم آگے بڑھ کر اسے سمجھانے لگیں۔

''اور پھر مروہ وہ ہم سب کے بغیر کیسے رہے گی''۔ان کے انداز میں فکر مندی تھی۔

''ایگزیکٹلی آنٹی تماشہ تو تب ہو گا جب بات بڑھے گی،آپ لوگ سیدھے سے مان کیوں نہیں جاتے میں نے کوئی انوکھی خواہش تو کی نہیں،اور رہی بات مروہ کی اگر وہ کوئی دودھ پیتی بچی ہے تو یہ بات آپ لوگوں کو شادی سے پہلے سوچنی چاہیے تھی،خیر میں اب فیصلہ کر چکا اس لیے اچھا ہو گا آپ لوگ ضد ترک کر دیں''۔اس کی بات پر خاموش کھڑے عمیر کو جیسے تاؤ آ گیا۔

''بکواس بند کرو اپنی فضول ضد ہم کر رہے ہیں یا تم''۔عمیر کا دل چاہا اس کا گریبان پکڑ کر دو چار گھونسے مار کر اسے اس کی اوقات یاد دلا دے اپنے اس ارادے سے جارحانہ وہ آگے بڑھتا ماجد چچا نے آگے بڑھ کر اسے اس کے اقدام سے روکا جب سچویشن کنٹرول سے باہر ہونے لگی تو خاموش کھڑے تماشا دیکھتے واجد عثمانی کو گلا صاف کر کے کہنے لگے۔

''ٹھیک ہے بیٹا! جب تم فیصلہ کر ہی چکے تو اب کیا کہا جا سکتا ہے''۔روحہ بیگم،افشین،عمیر چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔

''پر اتنا ضرور کہوں گا میری مروہ ابھی نادان ہے دنیا کی اونچ نیچ سے ناآشنا، لہٰذا اگر اس سے کوئی بھول یا نادانی ہوگئی تو درگزر کر دینا، وہ ابھی ناسمجھ ہے شاید وقت کے ساتھ اسے عقل آجائے''۔ وہ بیٹی کے باپ تھے اس لیے سنبھل سنبھل کر نرمی سے گویا ہوئے۔

''بٹ ڈیڈ.....'' عمیر نے کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے اشارے سے اسے مزید کچھ کہنے سے روکا، عمیر کا دل چاہا اس شخص کی گردن دبوچ لے جس شخص کی وجہ سے آج ڈیڈ اتنے بے بس ہوگئے تھے ان کی حالت بھی کم وبیش عمیر جیسی ہی تھی پر وہ اپنے تاثرات اور جذبات پر قابو پانے کے ہنر سے آشنا تھے اور اس وقت کچھ کہہ کر مروہ کی زندگی کے لیے مزید پریشانیاں پیدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

''میں باہر گاڑی میں ویٹ کر رہا ہوں مما! جلدی کیجئے گا''۔ ان سب کو بے بس دیکھ کر نا جانے کیوں اسے کمینی سی خوشی محسوس ہوئی مگر چہرے کو سپاٹ کئے فقط اتنا کہہ کر وہاں سے نکل آیا پیچھے سے روحہ بیگم شرمندہ شرمندہ سی سب کو وضاحتیں دینے لگیں تبھی واجد صاحب نے آگے بڑھ کر ان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''بس میری مروہ خوش رہے مجھے اور کیا چاہیے گھر چاہے کوئی بھی ہو مجھے تم پر اور تمہاری تربیت پر پورا بھروسہ ہے، مروہ اپنوں میں جا رہی ہے تم اس کے لیے ماں سے بڑھ کر ہو مجھے اور کیا چاہیے''۔ واحد صاحب کی تسلی پر جیسے وہ پرسکون ہوگئیں۔

☆☆☆☆

زمر بھابھی سے پوری بات جان کے پہلے پہل تو اسے بھی تاؤ ہی آگیا، ازلی ہٹ دھرمی اور ضد عود کر آئی پر پھر عمیر بھائی اور باقی سب کے ری ایکشن کا سوچ کر وہ مدہم پڑگئی، جلد بازی میں کی گئی کوئی حماقت کہیں بنی بنائی بات ہی نہ بگڑ جائے تو وہ چپ چاپ مما کے کہنے پر پھپھو کے ہمراہ چلی آئی پھپھو تو اس کی سعادت مندی پر جیسے نہال ہی ہوگئیں گھر پہنچنے تک نجانے کیسے اس نے خود پر جبر کیا، کمرے میں آتے ہی وہ ادھر ادھر ٹہلنے لگی ان گنت سوچیں، دماغ ماؤف سا ہونے لگا، غصے کے سبب وہ جلے پیر کی بلی کے مانند چکر کاٹنے لگی وہاں تو وہ مہمانوں کی وجہ سے چپ کرگئی اس کی حرکت ایسی نہ تھی جو اتنی آسانی سے نظر انداز کی جاسکے، عین بارات والے دن اس کا یہ شوشا، اسے تو حیرت پاپا اور عمیر بھائی کے یوں اتنی آسانی سے رضامندی پر تھی کجا کے وہ ایک پورشن تبدیل ہونے پر افسردہ تھے اب چونکہ معاملے کی نوعیت ہی بدل چکی تھی اس کا دماغ چکرانے لگا گھر میں ان تینوں کے علاوہ ایک ملازمہ تھی جو اس کا سامان رکھ کر جا چکی تھی پھپھو اور زکریا کے مابین کیا باتیں ہو رہی تھیں ان سب سے یکسر بے نیاز وہ زور سے بڑبڑا کر اپنا غبار نکالنے لگی۔

''ایڈیٹ، سمجھتا کیا ہے خود کو طرم خان کہیں کا ہو جیسے''۔ ڈریسنگ ٹیبل کے پاس کھڑے چوڑیاں اتارتے اس کی بڑبڑاہٹ مسلسل جاری تھی جبھی کمرے میں زکریا کے داخل ہونے کا اندازہ ہی اسے نہ ہوا بے دردی سے چوڑیاں اتارتے نہ جانے وہ کس جرم کا بدلہ لے رہی تھی خفیف سی مسکان کے ساتھ آگے بڑھ کر اس نے مروہ کی کلائی تھام لی اس کی تو جیسے سانس اٹک کر رہ گئی۔

''اتنی پیاری چوڑیاں اتنی نازک کلائی اور اتنی بے رحمی، چہ چہ افسوس''۔ اس کے ہاتھ کو بل دے کر اس کی کمر کے پیچھے کرتے اس کی ٹون بدل گئی آنکھوں میں برف جیسے تاثرات اور چہرے پر سرد مہری' سفاکی، کانچ کی چوڑیاں ٹوٹ کر اس کی کلائی میں پیوست ہوگئیں سب کچھ اتنا اچانک تھا کہ وہ سنبھل ہی نہ سکی اس کی آنکھیں لبالب بھر گئیں۔

''بہت گھمنڈ ہے ناں تمہیں خود پر بہت ناز ہے ناں تمہیں اپنے بھائیوں کی نام نہاد محبت پر اب کہو ان سے آکر



بچالیں اپنی لاڈلی کو''۔ اس کا لفظ لفظ زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔

''سب صرف دکھاوا ہے یہ محبت کا ڈھونگ کسی کو تم سے کوئی سروکار نہیں کسی کو تمہاری پرواہ نہیں اور مجھے تو بالکل بھی نہیں''۔ کلائی پر گرفت سخت کرتے وہ زبان سے انگارے اگلنے لگا بے اختیار اس کے لبوں سے سسکی نکلی۔

''ہاتھ چھوڑیں میرا پاگل ہوگئے ہیں کیا''۔ الفاظ بمشکل ادا ہو سکے۔

''یہ تو ناممکن ہے ایک پاگل کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر رحم کی توقع کر رہی ہو''۔ اس کے رویے میں نرمی اور لچک کی رمق تک نہ تھی مروہ نے شدت سے آنکھیں میچ لیں۔

''ہاں رحم کی دعا کرو اب کیونکہ ساری عمر اب تمہیں یہی تو کرنا ہے''۔ اس کا ہاتھ جھٹکے سے چھوڑ کر کہنے لگا مروہ بھرائی آنکھوں سے اپنی زخمی کلائی کو دیکھنے لگی جس سے خون رس رہا تھا آنسو رخسار کو بھگونے لگے۔

''جاہل، جنگلی، پاگل انسان ہو تم''۔ آنسو صاف کرتے وہ چیخی جواباً اس کا ہاتھ اٹھ گیا اور وہ منہ کے بل بیڈ پر جا گری۔

''خبردار جو آئندہ اونچی آواز میں بات کی تو مجھے سخت زہر لگتی ہیں شوہر کے سامنے زبان چلانے والی عورتیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لو یہی تمہارے لئے بہتر ہے''۔ غیض وغضب میں کہتا وہ مڑا۔

''اور ہاں ایک اور بات اگر مما کو اس سب کی بھنک بھی پڑی تو آئی سوئیر''۔ تنبیہ کر کے واش روم میں بند ہوگیا' مروہ کو اس کی ذہنی حالت پر شک ہونے لگا' تقدیر نے یہ اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلا تھا' اپنا سب کچھ گنوا کر بھی اس کے حصے میں مات ہی آئی تھی وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆☆☆☆

صبح ناشتہ لے کر اس کے گھر سے کوئی نہ آیا تھا صرف جوجی (ملازمہ) کے ہمراہ ناشتہ بھجوایا گیا اپنی اس بے قدری پر اسے بے تحاشہ رونا آیا' اچھا ہوا زکریا آٹھ بجے ہی گھر سے نکل گیا تھا ورنہ اس کے سامنے اسے مزید سبکی ہوتی فریش ہو کر اس نے آف وائٹ کلر کا نفیس فراک زیب تن کیا بالوں کی ڈھیلی چٹیا بنائی اور لائٹ میک اپ کا ٹچ دے کر وہ نیچے چلی آئی پھپھو ناشتے کی ٹیبل پر اس کی منتظر تھیں وہ سلام کر کے ان کے برابر آ بیٹھی' پسند کا ناشتہ ہونے کے باوجود اس نے برائے نام ہی لیا تھا' روحہ بیگم بار بار اس کی بے چینی' اور عدم توجہی نوٹ کر رہی تھیں جس کی نظریں وقتاً فوقتاً دروازے کی جانب اٹھ رہی تھیں اور وہ پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

''کیا ہوا مروہ بیٹا! کسی نے آنا تھا کیا؟'' تو جواباً نفی میں سر ہلا کر وہ انگلیاں مروڑنے لگی یہ گھر ماحول سب اسے اجنبی اجنبی لگ رہے تھے وہ یہاں خود کو ان سیکیور فیل کرنے لگی تبھی روحہ بیگم کی نگاہ اس کی سونی کلائیوں پر جا پڑی ضروری کام کا کہہ کر اندر گئیں واپسی میں ان کے ہاتھ میں مخملی ڈبیا موجود تھی۔

''یہ ذکی بھی کتنا لاپرواہ ہے میں نے یہ کنگن کل اسے تمہیں پہنانے کے لئے دیئے تھے یہ دیکھو شاید وہ دینا بھول گیا''۔ باکس میں سے کنگن نکالتے وہ سادگی سے کہنے لگیں۔

''لاؤ میں پہنا دوں''۔ کہتے ہوئے وہ اس کا ہاتھ تھامے کنگن پہنانے لگیں اس سے قبل وہ ہاتھ چھڑاتی۔

''پھپھو رہنے دیں''۔ ان کی نظر اس کی کلائی کے گھاؤ پر پڑ چکی تھی۔

''یہ سب کیسے''۔ الفاظ جیسے ساتھ چھوڑنے لگے۔

''یہ سب ذکی نے کیا ہے''۔ وہ بے یقین سی تھیں وہ جواباً فقط سر جھکا کر رہ گئی ایک مدہوم سی امید تھی کہ شاید وہ انکار کر دے یا کوئی اور وجہ ہی بتادے پر اس کی خاموشی نے سارے بھید کھول دیئے وہ اپنی ہی نظروں میں مجرم سی بن گئیں۔

’’بھلے اس کی تربیت میں نے کی ہو پر ہے تو وہ اسی شخص کا خون ذکی نے آج مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا‘ اپنے بھائی سے کئے وعدے کا پاس تک نہ رکھ پائی‘‘۔ یہ کہتے ان کی آواز رندھ گئی تو مروہ تڑپ کر آگے بڑھی۔

’’آپ نے کچھ نہیں کیا پھپھو! اور نہ ہی آپ کی تربیت کا کوئی قصور ہے قصور تو یہ سب ان توقعات ان امیدوں کا ہے جو ایک انسان دوسرے انسان سے وابستہ کرلیتا ہے پر حقیقت تو اس کے برعکس ہوتی ہے‘‘۔ وہ چونک اسے دیکھنے لگیں۔

’’مروہ‘‘۔ ان کی آواز اسے گہرائی سے آتی محسوس ہوئی۔

’’وعدہ کرو میرے بچے تم بھائی صاحب یا گھر میں کسی اور سے ان سب کے متعلق کچھ نہیں کہو گی وعدہ کرو‘‘۔

وہ چونکی ان کا چہرہ بے تاثر سا تھا پر ان کی آنکھیں ان میں کچھ چھن جانے کچھ کھو دینے کا احساس نمایاں تھا۔

پھپھو جس کرب سے گزری تھیں اس بات سے وہ بخوبی واقف تھی اب مزید وہ کسی نقصان کی متحمل نہیں ہوسکتی تھیں وہ خود کو کہنے سے نہ روک پائی۔

’’آئی پرامس پھپھو! ایسا ہی ہوگا‘‘۔ پھپھو کے سامنے تو وہ اتنا بڑا دعویٰ کر بیٹھی پر اب حقائق کو کب تک چھپائے پھرتی‘ ایک نہ ایک دن تو تمام حقیقت کھل ہی جانی تھی کہ ذکی کے نزدیک اس کی کیا اہمیت ہے وہ کب تک ان سب پر پردہ ڈالے رکھتی پر اب وہ پھپھو سے وعدہ کرچکی تھی اس لئے جب اگلے دن مما اور زمر بھابھی اس سے ملنے آئیں تو اس نے گذشتہ روز کے حوالے سے ان سے ذکر تک نہ کیا حالانکہ اس کا چہرہ چیخ چیخ کر ساری داستان سنا رہا تھا‘ مما تو اسے دیکھتے ہی ٹھٹک سی گئیں ان کی پھول سی بچی دو دن میں مرجھا گئی تھی۔

’’کیا ہوا سب خیریت تو ہے ذکی سے تمہارا کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا‘‘۔ کتنے خدشے‘ اندیشے ان کے گرد منڈلا رہے تھے جواباً وہ کیا کہتی نفی میں سر ہلا کر رہ گئی کیونکہ کھرچتے اس کا چہرہ رویئے کی چغلی کھانے لگا مما کو ایک پل لگا ساری بات سمجھنے میں۔

’’دیکھو بیٹا! جب ایک لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو وہ صرف اس لڑکی کا ہی امتحان نہیں بلکہ اس کی پوری فیملی کے لئے ایک کٹھن مرحلہ ہوتا ہے میکہ چاہے جتنا بھی مضبوط کیوں نہ ہو سسرال میں قدم جمانے کے لئے عورت کو بہت سی قربانیاں دینی پڑتی ہیں‘ عورت کا اصل گھر اس کا شوہر کا گھر ہی ہوتا ہے‘ ذکی جیسا بھی سہی پر اب تمہارا شوہر ہے اس سے الجھ کر ضد کرکے‘ تم اپنے لئے پریشانیاں پیدا کرو گی‘ عورت تو وہی ہوتی ہے جو پیا من بھائے ایک عورت اپنے گھر کو جنت بھی بناتی ہے اور جہنم بھی‘ تمہارا اصل گھر یہی ہے اس میں تمہیں رہنا ہے چاہے ہنسی خوشی چاہے دکھی‘ فیصلہ تمہارا اپنا ہوگا‘ وہ گھر تمہارا رہے گا پر صرف تمہارا میکہ تمہارا اصل گھر یہی ہے اپنے بل بوتے پر اپنا گھر آباد رکھنا اپنے شوہر کا دل جیت کر تم جانتی ہو نا تمہارے بھائی جن سے تمہاری معمولی سی تکلیف بھی برداشت نہیں ہوتی سوچو اگر کبھی انہیں تمہارے اور ذکی کے مابین ہونے والی چپقلش کی بھنک بھی پڑی تو کیا انجام ہوگا سوچا ہے تم نے کیا اپنے بھائیوں کو دکھ دے کر خوش رہ پاؤ گی یا پھر زکریا اس کے بغیر رہ پاؤ گی مسئلے مسائل سب کی زندگیوں میں آتے ہیں بس تم ہمت نہ ہارنا ثابت قدم رہنا‘ وہ گھر تمہارا میکہ ہے اپنے میکے کی لاج رکھنا‘‘۔ کیسی حقیقت تھی جس سے آج ممی نے روشناس کروایا تھا‘ ممی تو جاچکی تھیں اپنی نصیحتیں اس کے پلو سے باندھ کر پر اس کا بوجھ‘ اضطراب کم ہونے کی بجائے بڑھنے لگا‘ وہ کس مقام پر آن کھڑی تھی جہاں سے نہ واپسی کا راستہ تھا نہ آگے بڑھنے کی راہ‘ وہ خود کو کسی پنجرے میں قیدی محسوس کرنے لگی مما کی دعائیں پھپھو کی محبت بھی اس کے اندر کی بے چینی کو کم نہ کرسکی بس مما کے آنے سے یہ فرق پڑا وہ خود کو بدلنے لگی تھی وہ مسکرانے لگی تھی تکلیف



میں دکھ والی مسکراہٹ‘ کھوکھلی‘ بے جان‘ پھپھو کی تنبیہ کے بعد ذکریا کا رویہ ٹھیک تو نہیں ہاں بدل ضرور گیا تھا وہ بہت کم ہی اسے مخاطب کرتا زیادہ تر کام خود کرتا اس کے نزدیک اس کی اہمیت نہ ہونے کے برابر تھی ذکریا کی بے اعتنائی دھتکار پر اور اپنی اس ہتک پر تنہائی میں وہ گھنٹوں روتی پر سب کے سامنے وہ ایسی ہوجاتی جیسے اس کی لائف میں سب کچھ پرفیکٹ ہو‘ مما کی باتوں کا اثر تھا یا پھر پھپھو کی لائف سے لیا گیا سبق بہرحال جو بھی تھا وہ اپنے ہاتھوں سے اپنا آشیانہ بکھرنا نہیں چاہتی تھی پھپھو اکثر اسے اپنے ماضی کے قصے سنایا کرتیں پھپھو کے ساتھ جو ہوا پر وہ دوسری پھپھو نہیں بننا چاہتی تھی ذکریا کا رویہ اب اس کے گھر والوں کے ساتھ پہلے سے قدرے بہتر تھا انہوں نے بھی مروہ کی خوشی کی خاطر جیسے سب کچھ بھلا دیا جازی سعدی وغیرہ اکثر اس سے ملنے آجاتے تو اس کا دھیان بٹ جاتا‘ وہ لاڈوں پلی تھی اب محبتوں کو ترس گئی تھی‘ شادی کے ایک ہفتے بعد ہی زکریا نے ملازمہ کو فارغ کردیا یہ کہہ کر کہ اب گھر کے سارے کام مروہ ہی دیکھے گی مروہ جس نے کبھی اپنے لئے چائے تک نہ بنائی اب اسے یہ سب بہت مشکل لگ رہا تھا وہ تو ڈھنگ سے آملیٹ تک نہ بنا پا رہی تھی‘ ایک کپ کافی بنانے میں کتنے چمچ کافی ڈالنا ہے یہ بھی اسے زمر بھابھی سے پوچھنا پڑتا روٹیاں تو بازار سے بنی بنائی آجاتیں مگر زکریا کو ڈنر کے بعد آج کل میٹھا کھانے کا شوق چڑھا تھا تو گھر ہی میں ٹرائفل‘ پڈنگ بنانے پڑجاتے‘ زکریا کو روز مروہ کے دیسی کھانوں سے سخت چڑ تھی تو اس کے لئے اٹالین‘ چائنیز اور تھائی کھانوں کی تراکیب نوٹ کرکے بناتی زیادہ تر چیزیں اس سے خراب ہی بنتی پھپھو تو خاموشی سے سب کچھ کھالیتیں مگر زکریا کے تبصرے‘ اف توبہ‘ اس نے زمر کے کہنے پر کوکنگ کلاسز لینی شروع کردیں اس کے دن رات بے حد مصروفیت میں گزرنے لگے۔

☆☆☆☆

’’شادی کے بعد لائف اتنی مشکل ہوگی مجھے بالکل آئیڈیا نہ تھا‘‘۔ ہانیہ سے فون پر بات کرتے وہ اکثر کہا کرتی ہانیہ اس کی بہترین غم خوار اور اب مستقبل قریب میں ہونے والی بھابھی تھی‘ جازی اس کا جڑواں بھائی اور ہانیہ اس کی بیسٹ فرینڈ جب جازی نے منگنی کے لئے ہانیہ کا انتخاب کیا تو وہ تو جیسے اس کے سر ہوگئی۔

’’بھئی واہ تم تو بڑے چھپے رستم نکلے میری ہی آنکھوں کے سامنے تم میری فرینڈ کو تاڑتے رہے‘‘۔ جازی سر جھکا کر رہ گیا‘ وقت کتنی جلدی ہاتھوں سے سرک جاتا ہے بیتے وقت کو یاد کرکے اس کی پلکیں نم ہونے لگیں اب وہ گھر میں خاصے رف حلئے میں پائی جاتی مصروفیات کے سبب اسے اپنے لئے وقت ہی نہ ملتا اس لئے کبھی آئلہ بھابھی تو کبھی زمر بھابھی اسے کھینچ کر پارلر یا بازار کا ہفتے میں ایک آدھ چکر ضرور لگا لیتیں ذکریا کو اس کی اس قسم کی مصروفیات سخت ناپسند تھیں اس لئے سب کے سامنے نہ سہی پر اکیلے میں اسے تنبیہہ کرنا نہ بھولتا‘ اس کی شادی کو دو ماہ ہونے کو آئے تھے گھر میں جازی کی انگیجمنٹ کا شوشہ اٹھا دونوں طرف سے زور و شور سے تیاریاں ہونے لگیں بازار اور پارلر کے چکر بڑھنے لگے اور زکریا کا غصہ بھی شادی کے بعد اس کے میکے میں پہلی تقریب تھی ان کا ولیمہ تو زکریا نے نجانے کیا سوچ کر کینسل کردیا پر اس بار وہ زکریا کے غصے کی پرواہ نہ کرکے خاصی ایکسائیٹڈ تھی زکریا تو قطعی تقریب میں شرکت کے لئے حامی نہ بھرتا پر تایا ابا اور پاپا کے اصرار پر وہ منع نہ کرسکا ذکی کو یہاں ایک ملٹی نیشنل فرم میں جاب مل گئی تھی اس لئے اس نے وہاں ریزائن کردیا تھا اس کا سارا دن اب مصروف گزرتا‘ اس لئے انہیں شام کی تقریب کے لئے وقت پر تیار ہونے کا کہہ کر وہ آفس چلا گیا‘ تقریباً آٹھ بجے اس کی واپسی ہوئی تھی کمرے میں داخل ہوکر وہ جیسے ٹھٹک گیا‘ بلیک کلر کی بنارسی ڈیزائنر ساڑھی پہنے بالوں کو نفیس جوڑے کی شکل میں باندھے لائٹ میک اپ اور جیولری وہ آئینے میں اپنا تفصیلی جائزہ لینے لگی‘ یہ ڈیزائنر ساڑھی

عمیر بھائی سے فرمائش کر کے لی تھی شادی سے پہلے تو ممی نے پہننے نہ دی اور آج سے بہتر موقع اسے زیب تن کرنے میں اس کی نظر میں اور کوئی نہ تھا قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی اپنا پلو سیٹ کرتی اسے اندازہ ہی نہ ہوا کہ کب زکریا اس کے عین پیچھے آ کھڑا ہوا' مصروف انداز میں سر اٹھا کر دیکھا زکریا کو اپنے اتنے پاس دیکھ کر اس کے اوپر کی سانسیں اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئیں نظریں پھیر کر دوبارہ وہ اپنے کام میں مگن ہو گئی پر ہاتھوں کی کپکپی واضح تھی اسے سامنے پا کر اس کی ہمت جیسے جواب دینے لگی اس شخص سے نجانے کیوں اب اسے خوف سا محسوس ہونے لگا تھا۔

''بہت خوبصورت ساڑھی ہے مگر افسوس' خوبصورت چیزوں کا اکثر ایسا ہی انجام ہوتا ہے''۔ اس کی نظریں بے ساختہ آئینے میں اس کے عکس کی جانب اٹھیں جس کی نظریں اس کے وجود کے آر پار ہو رہی تھیں ذکی نے ہاتھ میں دبے سگریٹ کو ایک پل کو دیکھا مگر اگلے ہی پل وہ سگریٹ اس کے بازو میں گاڑھ چکا تھا' اس سے قبل مروہ اس سفاک شخص سے اپنا بازو چھڑا پاتی سگریٹ اس کے بازو پر کئی نشان چھوڑ چکا تھا' تکلیف بے بسی کے سبب اس کی آنکھیں چھلک پڑیں پر اسے پرواہ ہی کب تھی۔

''بہت گھمنڈ ہے نا تمہیں اپنی خوبصورتی پر اس ساڑھی سے بھی بدتر حشر کر دوں گا سمجھیں''۔ اس کی ٹھوڑی پکڑ کر وہ غرایا۔

''اور خبردار آج تو ایسا بے ہودہ لباس پہننے کی غلطی کر لی مگر آئندہ ایسا سوچا بھی تو' تمہیں مجھ سے کوئی نہیں بچا سکے گا''۔ اس کے دھاڑ پر وہ سہم کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

''فوراً بدلو کپڑوں کو اور جلدی ریڈی ہو کر آ جانا میں نیچے ویٹ کر رہا ہوں''۔ کہتا ہوا وہ چلا گیا اور وہ زخمی دل اور بے جان ہوتے وجود کے ساتھ صوفے پر ڈھے سی گئی' ساڑھی کا پلو جگہ جگہ سے جل کر کتنا بدنما لگ رہا تھا اور اس کے سفید بازو پر نیل تک پڑ چکے تھے' پر اس کے الفاظ کے دیئے گھاؤ کے سامنے یہ کچھ بھی نہ تھا' دل چاہا زور سے دھاڑ کر روئے پوری دنیا کو اکٹھا کر کے اس شخص کی اصلیت دکھا دے پر وہ اپنی بے بسی کا تماشہ نہیں بنانا چاہتی تھی اس شخص سے شادی کرنے کا فیصلہ سراسر اس کا اپنا تھا اور اب اسے ساری عمر اپنی اس غلطی کا بوجھ اٹھانا تھا گال پر آتے آنسو سختی سے صاف کر کے وہ الماری کی جانب بڑھی ریڈ کلر کا فل سلور والا کرتا سلیکٹ کر کے وہ واش روم میں جا گھسی چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مارے کپڑے بدل کر وہ باہر نکلی آنکھوں کے کنارے ریڈ ہو رہے تھے جنہیں مہارت سے میک اپ میں چھپا کے اس نے جیسے خود پر خول سا چڑھا لیا تقریب میں سب نے ہی تقریباً ان کے جوڑے کی تعریف کی' زکریا بھی اسے بازوؤں کے حصار میں لئے ہر ایک سے خوش اخلاقی سے ملتا رہا' جیسے کچھ دیر قبل ان کے مابین کچھ ہوا ہی نہ ہو مروہ اس کی اداکاری پر عش عش کر اٹھی وہ تھکن کا بہانہ کر کے وہاں سے فوراً چلی آئی ان سب کا سامنا کرنے کی اس میں مزید سکت نہ تھی۔

☆☆☆☆

''کتنی زبردست لگ رہی تھی نا تم یہاں سب تمہارے اور زکریا کے کپل کی تعریف کر رہے تھے کتنی لکی ہو نا تم مروہ' اتنا پیار کرنے والا شوہر' امیزنگ لائف' نہ کوئی روک ٹوک' ذکی بھائی کیسے تمہارے آگے پیچھے ہو رہے تھے''۔ آج ہانیہ اس کے ہاں آئی تھی اور اس کی تمام باتیں زکریا کی تعریفوں سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہو جاتیں مروہ کا بند کمرے میں جیسے دم گھٹنے لگا اس نے اٹھ کر کھڑکی کے پٹ وا کر دیئے سرد ہوا کے جھونکے نے اسے اندر تک پرسکون کر دیا۔

''جازی کا لاسٹ سیمسٹر چل رہا ہے اس کے بعد کیا پلان ہے تم دونوں کا؟'' وہ بات کا رخ بدل کر بولی زکریا نامہ سن کر جیسے وہ اکتا گئی تھی۔



''ارے جازی صاحب کے بہت اونچے اونچے خواب میں وہ یو ایس اے جانا چاہتا ہے ہائر اسٹڈیز کے لئے نجانے اس کے دماغ میں کیا خناس سما گئی''۔

''تم اسے منع کیوں نہیں کرتیں''۔

''اب ہر کوئی زکریا بھائی کی طرح تھوڑی نا بن سکتا ہے''۔ وہ اور بھی نجانے کیا کیا کہہ رہی تھی پر مروہ کا دماغ اسی ایک جملے میں اٹک کر رہ گیا۔

''ہاں اب ہر کوئی زکریا کی طرح تھوڑی نا بن سکتا ہے''۔

☆☆☆☆

آج ویک اینڈ تھا زمر بھابھی بچوں کو لئے ادھر ہی چلی آئیں زکریا کسی کام سے صبح سویرے ہی نکل گیا بچوں نے شور اور ہنگامے سے پورا گھر سر پر اٹھا لیا زمر منع کرنے لگی تو اس نے روک دیا۔

''کھیلنے دو نا اس گھر کی دیواروں کو بھی ان معصوم قہقہوں سے مانوس ہونے دو''۔ اس نے تو بات یونہی کہی تھی پر زمر تو جیسے اس کے سر ہو لی۔

''آں ہاں دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں مگر جب تمہارے اپنے بچے ہوں گے تب تمہیں پتا چلے گا''۔

''تم تو ہو ہی زمر سدا کی ناشکری' پر جب میرے بچے ہوں گے تو تم دیکھنا' انفیکٹ ہم نے تو بچوں کے نام تک سوچ لئے''۔ فروٹ باسکٹ میں پھل سجاتے وہ مڑی تو زبان کو جیسے تالا لگ گیا زکریا کی نظریں اف سامنے زکریا کو پا کر وہ اپنی جگہ شرم سے پانی پانی ہو کر رہ گئی۔

☆☆☆☆

موسم نے کروٹ کیا بدلی وہ ٹیرس پر کھڑی ننھی ننھی بوندوں سے کتنی دیر بھیگتی رہی وہ کبھی دیوانی ہوا کرتی تھی اس موسم کی کتنی دیر آنکھیں موندھے وہ اس احساس کو محسوس کرتی رہی آنکھیں موندھے اسے احساس ہی نہ ہوا کہ کب زکریا اس کے عقب میں آن کھڑا ہوا۔

''ویسے ماننا پڑے گا ڈرامے باز مکار ہونے کے ساتھ ساتھ جھوٹ بولنے میں بھی خاصی ایکسپرٹ ہو''۔ اس سے قبل کہ وہ اس سے پہلو بچا کر نکلتی وہ اس کی راہ میں حائل ہو کر کھڑا ہوا۔ الفاظ کے نشتر برسانے لگا۔

''پر کسی خوش فہمی میں ہرگز مبتلا نہ ہونا کیونکہ میں تمہارے ان ڈرامے بازیوں سے انسپائر ہونے والا نہیں''۔ اس وقت اسے یہ باور کرانے کا مقصد وہ اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھا۔

''آپ کی نظر میں اپنی وقعت واہمیت سے بخوبی واقف ہوں اس لئے خواہ مخواہ آپ کو تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں''۔ وہ خود کو کہنے سے روک نہ سکی تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا' سیاہ کلر کے لباس میں اس کی گوری رنگت نکھر سی گئی تھی چہرے پر بارش کے ننھے قطرے گیلے بالوں کی لٹیں بلاشبہ وہ حسن کی مالک تھی خوبصورتی کبھی اس کی ترجیح نہ تھی اور نہ کبھی وہ اس کے حسن سے متاثر ہوا تھا پر نجانے کیوں وہ خود کو اسے دیکھنے سے روک نہ پایا اس کی جانب اپنے قدم بڑھنے سے روک نہ سکا۔

''یہ زندگی بھی کتنی عجیب ہوتی ہے جس چیز کے پیچھے انسان اپنی تمام عمر لگا دے وہ اس کا ہو کر بھی نہیں ہوتا اور جس سے وہ تمام عمر نفرت کرتا رہے قسمت اسے ہی اس کے سامنے لا کر کھڑا کر دیتی ہے تقدیر شاید اسے ہی کہتے ہیں سارے ارادے اور فیصلے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں بس تقدیر اپنا فیصلہ سنا دیتی ہے جس کے سامنے انسان بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔

''ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں اس رشتے کو نبھانے میں نہ تمہیں کوئی سروکار ہے نہ مجھے کوئی غرض تم سب کچھ چھوڑ کر چلی کیوں نہیں جاتیں یوں خودترسی کا شکار ہو کر زندگی گزارنے سے اچھا ہے انسان بروقت کوئی تدبیر ہی کرلے''۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی اس کا بدلا انداز اسے تو لگا تھا اب سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا وقت بدلنے لگے گا۔

''آپ میرے کندھے پر بندوق رکھ کر گولی کیوں چلانا چاہتے ہیں اپنے فیصلوں میں اتنے خودمختار تو ہیں آپ اور رہی بات میری تو اس گھر میں میں اپنی مرضی سے چل کر آئی تھی نہ کہ زبردستی اور مجھے اپنے فیصلے پر کوئی پچھتاوا یا افسوس نہیں ہے''۔ نجانے اس شخص کے دماغ میں کیا خناس بھرا پڑا تھا اس کے نزدیک اس کی وفا اور قربانیوں کی قطعی کوئی اہمیت نہ تھی۔

☆☆☆☆

ہلکی ہوا اور بارش کے بعد اجلی نکھری صبح کا آغاز باہر لان میں چائے پیتے ہوئے زیب اور عمیر کے درمیان کرنٹ ایشوز پر زوروشور سے بحث جاری تھی زمر چائے بنا کر سرو کرنے لگی دونوں کی بحث کو طوالت اختیار کرتا دیکھ کر اسے بخوبی اندازہ ہوچکا تھا کہ آج دونوں کا آفس جانے کا قطعی موڈ نہ تھا ممی بھی چیئر پر بیٹھی تسبیح پڑھنے میں مگن تھیں زمر انہیں چائے دے کر ان کے برابر آبیٹھی آئلہ بھابھی دو دن سے میکے گئی تھیں جازی صبح ہی یونیورسٹی کے لئے نکل گیا کم وبیش حدی اور سعدی کا بھی یہی حال تھا ان کے ایگزامز قریب تھے اس لئے زیادہ وقت ان کا دوستوں کی طرف کمبائن اسٹڈی میں گزر جاتا۔

''مروہ کے بغیر گھر کتنا خالی خالی سا ہوگیا ہے پہلے اس سے گھر میں کتنی رونق تھی''۔ چائے پیتے عمیر نے چونک کر اسے دیکھا۔

''میری کل رات مروہ سے بات ہوئی تھی پتا نہیں کیوں بہت ڈسٹرب سی لگی وہ مجھے شاید ایسا کچھ ہے جو وہ ہم سے شیئر نہیں کرپا رہی یا پھر بتانا ہی نہیں چاہتی''۔ زمر کی بات پر ممی ٹھٹک سی گئیں کہیں ان کے خدشے سچ تو ثابت نہیں ہورہے۔

''کیا کچھ کہا اس نے تم سے؟'' ممی کا انداز تفتیشی تھا تو جواباً وہ نفی میں سرہلا گئی۔

''نہیں اس نے کچھ کہا تو نہیں پر مجھے ایسا لگا''۔ وہ فوراً کہنے لگی۔

''کیا پتا یہ تمہارا وہم ہو''۔ عمیر پرسوچ انداز سے گویا ہوا جبکہ زیب چائے کے مگ کو سختی سے تھامے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

''پر میرا خیال ہے بھابھی درست کہہ رہی ہیں شاید کچھ تو ایسا ہے جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہو اس دن زکریا کا بی ہیویئر نہیں دیکھا آپ لوگوں نے' کیا پتا وہ مروہ کے ساتھ بھی ایسا''۔ کہتے کہتے زیب خاموش سا ہوگیا جبکہ عمیر کے تاثرات میں تناؤ سا آگیا اس کے تیور خطرناک حد تک بگڑنے لگے اس کی مروہ کے لئے جنونیت اور جذباتی پن سے ہر کوئی واقف تھا وہ جو مروہ کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتا تھا اب اتنی بڑی بات کیسے اگنور کرتا اس سے قبل وہ کچھ کہتا یا کرتا مما نے فوراً بات سنبھال لی۔

''ایسا نہیں ہے وہ اپنے گھر میں بہت خوش ہے اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو سب سے پہلے وہ مجھ سے شیئر کرتی اور شیئر تو کیا وہ تو پورا گھر ہی سر پر اٹھالیتی وہ خاموش رہنے والوں میں سے نہیں ہے اپنی ذرا سی تکلیف پر کیسے ہنگامہ کرکے سب کو اکٹھا کرلیتی تھی خیر اب وہ گھربار فیملی والی ہے اگر اسے کوئی مسئلہ ہوگا تو وہ خود سلجھالے گی' یہ



رشتے اعتبار سے جڑتے اور قائم رہتے ہیں کہیں تمہاری معمولی سی غلطی یا جذباتی پن سے سب کئے کرائے پر پانی نہ پھر جائے وہ بچی نہیں ہے' نئے ماحول اور گھر میں ایڈجسٹ ہونے میں وقت تو لگے گا' اس کا ساتھ دینے کو تم لوگ اس کے لئے کہیں مشکلیں نہ کھڑی کردینا''۔ مما کی بات تو درست تھی عمیر کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

''آئی ڈونٹ نو مما پر ہاں اگر اس گھر میں میری مروہ کو ذرا سی بھی تکلیف ہوئی تو آئی سویئر میں اس گھر کو آگ لگادوں گا''۔ عمیر کے انداز پر وہ سہم سی گئیں اب اور نجانے کتنے امتحان باقی تھے' وہ فقط سوچ کر رہ گئیں۔

☆☆☆☆

کل کا دن اس کی توقع کے خلاف شاندار رہا تھا وہ زکریا کے دوست کی طرف ڈنر پر مدعو تھے اور خلاف معمول زکریا نے اسے کسی بات پر ٹوکا بھی نہ تھا بلکہ اس کا موڈ بھی خوشگوار تھا پہلی بار زکریا کے ساتھ اسے خوف کی بجائے اطمینان ہوا تھا سب کے سامنے اپنی تعریف پر وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی گھر آکر پھپھو سے بھی اس کی خوشی پوشیدہ نہ رہ سکی۔

''خوش رہو کسی کی نظر نہ لگے''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے سامنے بٹھا کر محبت سے بولیں۔

''ہنستی مسکراتی رہو بیٹا تم بہت بدل سی گئی ہو پہلے جیسی بن جاؤ ہنستی مسکراتی''۔ وہ نرمی سے گویا ہوئیں۔

''جب وقت حالات بدل جائیں تو انسان کو بدلتے دیر تھوڑی لگتی ہے''۔ پھپھو اس کے سنجیدگی سے کہے الفاظ پر چونکی۔

''پھپھو ایک بات پوچھوں؟ زکریا کو کیا ہوا ہے وہ پہلے تو کبھی ایسے نہ تھے میرا مطلب ہے کیا وہ اس شادی سے خوش نہیں تھے؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے اپنا خدشہ بیان کیا۔

''کیوں کیا ہوا کچھ کہا ہے کیا تم سے زکریا نے؟'' پھپھو کو نئی تشویش لاحق ہوگئی۔

''دیکھو تم زکریا کی باتوں کو دل پر نہ لیا کرو وہ تو ہے ہی ایسا''۔ ان کی بات ابھی جاری تھی کہ دروازہ کھلا دروازے پر کھڑے زکریا کے تاثرات گویا ان کی باتیں سن لی ہوں وہ اپنی جگہ چور سی بن گئی ان دونوں پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے وہ سیڑھیاں چڑھتے اوپر چلا گیا۔

''زکریا بظاہر جتنا سخت دکھتا ہے پر اصل میں وہ ایسا ہے نہیں وہ جن فیز سے گزرا ہے ان سب کے بعد کسی پر بھروسہ کرنا اس کے لئے ذرا مشکل ہے وہ ساری عمر فیملی سے دور رہا ہے اسے ایڈجسٹ ہونے میں تھوڑا وقت لگے گا' اگر کبھی وہ ناسمجھی کا مظاہرہ کر بھی لے تو تم عقل مندی کا ثبوت دے کر اس کی باتوں کو اگنور کردینا اور ان سب باتوں کا تعلق اس شادی سے قطعی نہیں ہے اس لئے اب تم وہم پالنا بند کرو''۔ وہ ہولے سے اس کا گال تھپتھپا کر کہنے لگیں۔ پھپھو کی باتیں اس کے لئے وقتی دلاسا ہی ثابت ہوئیں وہ جب کمرے میں داخل ہوئی تو صوفے پر بیٹھا وہ اسی کا منتظر تھا ہاتھ میں دبی سگریٹ آدھی سے زیادہ جل کر راکھ ہوچکی تھی' پر وہ اپنی ہی سوچوں میں گم بوٹ کی نوک سے فرش رگڑتا اس کی گہری خاموشی سے اسے خوف سا محسوس ہونے لگا سنگل صوفے پر دھرا اس کا کوٹ اٹھا کر وہ ہینگ کرنے لگی۔

''مجھے نہیں پتا تم نے مام سے کیا کہا' میری مام بہت سیدھی اور بھولی ہیں اس لئے اپنے دماغ کا فتور اور خناس اپنے تک محدود رکھو میری فیملی کو ان سب سے دور رکھو سمجھیں''۔

''آپ کی فیملی اور میں' میں کون ہوں کیا حیثیت ہے میری؟'' وہ شدت سے پوچھنا چاہتی تھی پر الفاظ جیسے زبان تک آنے سے پہلے ہی دم توڑ گئے کتنی آسانی سے اسے اس کی اوقات یاد دلادی گئی تھی کچھ دیر قبل وہ جو ہواؤں میں اڑ رہی تھی ایک دم اسے زمین پر پٹخ دیا گیا تھا کہ یہی تمہاری حیثیت ہے اور یہی تمہاری اوقات' وہ

فقط لب کچلتے آنسو پی کر رہ گئی۔

☆☆☆☆

آفس سے واپسی پر رات وہ دوستوں کی طرف نکل گیا گھر آتے آتے ڈیڑھ بج گئے مروہ دو دن سے میکے گئی ہوئی تھی مما بھی تقریباً دس بجے تک سو جاتی تھیں اس کے پاس گھر کی ایکسٹرا چابی ہر وقت موجود رہتی تھی اس لئے بیل دینے کے بجائے وہ ڈور کھول کر اندر آیا نیم اندھیرے لاؤنج میں کاؤچ پر بلاشبہ مما ہی تھیں۔

’’مام آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟‘‘ وہ سیدھا انہی کی طرف آیا۔

’’سب ٹھیک تو ہے مام؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی‘‘۔ وہ ان کے پاس بیٹھتے فکرمندی سے گویا ہوا۔

’’تم حمزہ آزر سے ملے تھے؟‘‘ مما کے منہ سے نکلے الفاظ زکریا کو ان سے اس سوال کی توقع نہ تھی‘ جواباً وہ اقرار کر سکا نہ انکار‘ بس خاموشی سے انہیں دیکھتا رہ گیا۔

’’کیا تم ملے تھے ان سے؟‘‘ اب کی بار زور دے کر کہا گیا۔

’’آپ کو یہ سب کس نے بتایا؟‘‘ شکستگی سے اعتراف کیا گیا حالانکہ وہ مما کو تکلیف دینے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا جانے ان جانے میں وہ ان کی تکلیف کا سبب بن گیا۔

’’تم حمزہ سے ملتے رہے ہو ذکی‘ یہاں تک کہ تم اس کے علاج میں بھی مددگار رہے ہو اور یہ سب تم نے مجھ سے چھپا کر رکھا جس شخص کے سائے سے بھی میں نے تمہیں چھپا کے رکھا‘ جس شخص نے مجھ سے میری پرچھائی تک چھین ڈالی اب وہ مجھ سے میری اولاد میری کل کائنات‘‘۔

’’ایسا نہیں ہے مام‘ آپ غلط سوچ رہی ہیں‘ ایسا کچھ نہیں ہے‘‘۔ وہ ان کی بات درمیان میں کاٹ کر تیزی سے بولا۔

’’تو پھر سچ کیا ہے ذکی؟‘‘ ان کی سماعت نجانے کیا سننے کی منتظر تھی۔

’’ہاں مام یہ سچ ہے میں چھ ماہ پہلے ان سے ملا وہ شخص جیسا بھی ہو مگر اب انہیں میری ضرورت ہے وہ ہاسپٹلائز ہیں اور دونوں ٹانگوں سے پیرالائز‘ آپ خود سوچیں کیا اب بھی میں وہاں نہ جاتا؟‘‘ وہ سوالیہ انہیں دیکھنے لگا جبکہ روحہ بیگم کا چہرہ تاریک پڑ گیا تھا۔

☆☆☆☆

’’اتنا سب کچھ ہو چکا اور تم مجھے اب بتا رہی ہو؟‘‘ مروہ کے منہ سے ساری روداد سننے کے بعد ہانیہ جیسے شاکڈ رہ گئی اسے مروہ سے قطعی اتنی سمجھداری کی توقع نہ تھی۔

’’کیا تم نے آنٹی سے کچھ کہا ان سب کے متعلق‘ آئی مین تمہیں انہیں تو بتانا چاہئے تھا وہ تمہاری مام ہیں انہیں یہ سب پتا ہونا چاہئے‘‘۔ اس کے مشورے پر وہ اپنا سر پکڑ کر رہ گئی۔

’’اگر مجھے مام سے کہنا ہوتا تو میں تمہیں آ کر کیوں بتاتی اور ویسے بھی میں انہیں کیا کہتی کہ اس شخص نے میری لائف برباد کر دی جس سے شادی سراسر میری اپنی چوائس تھی یو نو اس رشتے کے لئے پاپا اور زیب بھائی کے علاوہ اور کوئی خاص انٹرسٹڈ نہ تھا اور مام تو میرے اس فیصلے پر بہت گم صم سی رہنے لگی تھیں آئی ڈونٹ نو وائے پر اب میں انہیں یہ سب بتا کر مزید دکھی نہیں کرنا چاہتی انہیں زکریا سے بہت توقعات ہیں میں ان کا بھرم نہیں توڑنا چاہتی‘ مروہ کی باتیں‘‘۔

’’آر یو میڈ تمہیں کیا لگتا ہے سارے مسئلے تم یوں سلجھا لو گی یا پھر کہیں تم خود‘‘۔ فقط ایک لمحہ لگا تھا اسے بات کی تہہ تک پہنچنے کے لئے۔



’’آئی ڈونٹ نو ہنی پر میں اتنا جانتی ہوں کہ اب میں ذکی کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تم اسے میری خود غرضی سمجھ لو یا کچھ بھی‘ میں یہ بھی نہیں جانتی کہ زکریا کبھی بدلتے ہیں یا نہیں مگر میں اتنا ضرور جانتی ہوں اس کی محبت میں ایک نہ ایک دن میں ضرور بدل جاؤں گی‘ پلیز ہنی تم پرامس کرو تم کسی سے یہ سب شیئر نہیں کرو گی‘‘۔

مروہ کی جنونیت سے اسے خوف سا محسوس ہونے لگا مروہ سے وہ پرامس تو کر چکی پر اس کا اضطراب جیسے بڑھنے لگا اتنے میں جازی کا فون آ گیا۔

’’کیا ہوا ہے مروہ تم اتنی اپ سیٹ اتنی گم صم ہو کیا تم دونوں کا جھگڑا ہوا ہے یا پھر کہیں تم نے اس سے کچھ الٹا سیدھا تو نہیں کہہ دیا‘‘۔ اس کی بات پر وہ حیران رہ گئی یعنی بے قصور ہوتے ہوئے وہ قصوروار بن گئی۔

’’ہاں ایکچوئلی ذرا سی مس انڈراسٹینڈنگ ہو گئی بٹ ڈونٹ یو وری میں ہینڈل کر لوں گی‘‘۔ اس نے فوراً بات سنبھال لی۔

’’you should پتا نہیں کیوں وہ بہت حساس ہو گئی ہے‘ بہت بدل گئی ہے اس نے کچھ کہا تو نہیں پر مجھے اندازہ ہو گیا کسی بات کو لے کر وہ بہت اپ سیٹ ہے دکھی ہے۔

’’لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں مسٹر جاذب واجد عثمان اس پنچھی کی مانند جسے اپنے آشیانے کو تنکا تنکا جوڑنے میں جتنا وقت لگتا ہے ویسے ہی اپنے آشیانے سے انسیت بھی اتنی ہی ہوتی ہے مروہ دکھی نہیں ہے بس ذرا اداس ہے‘‘۔

’’اپنوں سے دور پہلے بھلا وہ کب رہی ہے شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو پر میں کیا کروں مجھ سے اس کی اداسی برداشت نہیں ہوتی سمجھ نہیں آتا کروں تو کیا‘‘۔ عمیر سے لے کر زیب‘ جازی تک سب کو اس کی کتنی فکر تھی۔ کتنے واہمات تھے جو اگر انہیں مروہ کی حالات کی ذرا سی بھنک بھی پڑ جاتی تو یقیناً قیامت ہی آ جاتی‘ شاید یہی وجہ تھی جو مروہ کو لب سینے پر مجبور کئے تھی اور اس نے گھر والوں کو ان سب کی بھنک تک پڑنے نہ دی بہرحال جو بھی تھا اسے اس بار افسوس ہو رہا تھا سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ مروہ کے لئے کچھ نہ کر سکی تھی۔

☆☆☆☆

’’کیا ان کا قصور اتنا بڑا تھا کہ انہیں معافی نہیں مل سکتی حالانکہ آپ نے ماموں کو بھی معاف کر دیا نا‘‘۔ زکریا کے الفاظ ان کے دماغ پر ہتھوڑا بن کر برسنے لگے۔

’’ان سب میں تمہارے ماموں کہاں سے آ گئے‘‘۔

’’یہ تو آپ ہی بہتر جانتی ہیں آپ جتنا بھی نظر انداز کرنے کی کوشش کریں پر سچ یہی ہے آپ کی لائف برباد کرنے میں جتنا ہاتھ ڈیڈ کا ہے اتنا ہی قصور ماموں کا بھی ہے آپ یہ بات ہر بار کیوں بھول......‘‘

’’بس ذکی بس‘‘۔ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روکا۔

’’کیا یہ سچ نہیں ہے مام جو گھر آپ کے نام تھا وہ واجد ماموں کے نام آپ نے کر دیا اور خود اس گھر میں ترستی زندگی گزارتی رہیں حالانکہ بزنس میں بھی آپ برابر کی شریک تھیں انفیکٹ اپنے مفاد اور مطلب کے لئے انہوں نے مروہ تک کو ہم پر مسلط کر دیا کیا یہ سچ نہیں‘‘۔ زکریا کے الفاظ یہ کم از کم ان کے زکریا کے الفاظ نہیں ہو سکتے تھے وہ ناآشنائی سے اسے دیکھے گئیں۔

’’مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم بھی اس شخص کی زبان بولنے لگو گے‘‘۔ ان کا لہجہ شکستہ مگر آواز پست تھی‘ زکریا کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا اسے مما سے اس ٹاپک پر اس وقت بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔

’’کیا پیسہ ہی سب کچھ ہوتا ہے کیا پیسوں کی اہمیت تمہارے لئے رشتوں سے بڑھ کر ہے‘ ہاں میں مانتی

ہوں واجد نے وہ گھر بیچ دیا' اور یہ سب میری مرضی سے ہوا نا کہ زبردستی یا مجبوراً اور رہی بات مروہ کی تو انہوں نے مروہ کو ہم پر مسلط نہیں کیا بلکہ میں نے خود اس کا ہاتھ مانگا تھا شاید تم سے میں نے کچھ زیادہ ہی توقعات وابستہ کرلیں تھیں اور آج تو تم نے میرا رہا سہا بھرم بھی توڑ دیا بالآخر تم بھی اسی شخص کے بیٹے ہو جس کی رگوں میں لالچ لہو کی طرح دوڑتی ہے افشین وہ تو کبھی قطعی اس رشتے پر آمادہ نہ تھی بلکہ اس نے مروہ کی شادی زیب سے''۔ ان کی بات پر ذکی ٹھٹک کر انہیں دیکھنے لگا تو انہیں اندازہ ہوا کہ وہ کیا بول چکی ہیں ان کے چہرے سے جیسے کسی نے لہو نچوڑ دیا ہو ان کا چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑ گیا کم و بیش زکریا کی حالت بھی ایسی تھی اسے اپنی سماعت پر اس پل یقین نہ آیا جیسے اسے لگا مما سے کوئی غلطی ہوئی ہو پر ان کے چہرے کے تاثرات تو کوئی اور ہی کہانی سنا رہے تھے۔

''کیا ہوا مام آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں''۔ فطری تجسس عود کر آیا۔ روحہ بیگم کا چہرہ گویا تاریک پڑ گیا مگر اب سچ کہنے کے سوا کوئی چارہ جو نہ تھا۔

''ہاں ذکی زیب سے' زیب مروہ کا سگا بھائی نہیں ہے''۔ الفاظ کی ادائیگی کرتے انہیں دشواری ہوئی ان کے انکشاف پر زکریا تو جیسے ششدر رہ گیا''۔ زیب اور مروہ یہ کیسی حقیقت تھی یہ کیا انکشاف تھا تو کیا مروہ جانتی تھی کہ زیب اس کا سگا بھائی نہیں' محض اسے ہی دھوکے میں رکھا گیا بدگمانیاں جڑ پکڑنے لگیں اس کے اندر جیسے لاوا سا دہکنے لگا روحہ بیگم اسے کسی مشکل سے دوچار ہیں کرنا چاہتی تھیں پر اب وہ اس حقیقت کو کب تک چھپاتیں وہ اب اسے مزید اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتی تھیں شاید اسی طرح اس کی بدگمانیوں کا کچھ مداوا ہو جاتا یہ محض ان کا خیال تھا اس بات سے بے خبر انہوں نے اپنے ایک رشتے کو بچانے کے لئے دوسرے رشتے کو داؤ پر لگا دیا تھا۔

''آئی ایم سوری مام میرے سر میں درد ہو رہا ہے میں ریسٹ کرنا چاہتا ہوں''۔ سپاٹ سے کہتے وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا اوپر چلا گیا جبکہ روحہ بیگم اپنی جگہ بت بنی بیٹھی رہ گئیں۔

☆☆☆☆

آج صبح سے اس کی طبیعت بوجھل بوجھل سی تھی اوپر سے کام والی ملازمہ آج چھٹی پر تھی اسد تایا اور تائی عمرے کی سعادت حاصل کرنے جا رہی تھیں تو پھپھو دو دن قبل سے وہیں تھیں زکریا بھی نو بجے ہی آفس کے لئے نکل گیا تھا' تھوڑی دیر بیڈ پر سستانے کے لئے لیٹ کر وہ کچن کی جانب چلی آئی سارا کچن بکھرا پڑا تھا برتن الگ منہ چڑا رہے تھے اتنے دنوں سے کچن ملازمہ کے رحم و کرم پر تھا یہ حشر تو ہونا ہی تھا ضبط سے کام لیتے اسے کمر کس کر میدان میں آنا ہی پڑا' صفائی اور ڈسٹنگ کے بعد وہ لنچ کے لئے بریانی دم پر لگانے لگی رائتہ بنا کر فریج میں رکھتے ایک دم اس کا سر زور سے چکرایا ساری دنیا جیسے اس کی نظروں کے سامنے گھوم کر رہ گئی اسٹول کا سہارا لینے کے باوجود وہ توازن برقرار نہ رکھ سکی بے سدھ ہوتے وجود کو دو مضبوط بازوؤں نے سہارا دیا نیم بند ہوتیں آنکھوں سے شناسا چہرہ دیکھتے اس کے لب بمشکل ہل سکے زیب۔

☆☆☆☆

آفس سے واپسی پر اس کا رخ مروہ کے گھر کی طرف تھا راستے سے اس نے پھل وغیرہ بھی لئے یہ بھی آئلہ کا ہی مشورہ تھا ورنہ اسے ایسی باتوں کی خاص پرواہ نہ تھی گھر کا مین ڈور کھلا تھا پورے گھر پر جیسے سناٹوں کا راج تھا ایک پل کو وہ پچھتایا اسے اطلاع دے کر آنا چاہئے تھا پر کچن سے کھٹ پٹ کی آواز سے اس کے قدم خود بخود اس جانب اٹھ گئے پر سامنے کا منظر اس کا ہوش اڑانے کے لئے کافی تھا' غش کھا کر گرتی مروہ کو آگے بڑھ کر تھامتے گرنے سے بچایا۔ بخار سے اس کا جسم تپ رہا تھا بازوؤں کے سہارے اٹھا کر باہر نکلا سامنے سے گھر میں داخل



ہوتا زکریا ٹھٹک سا گیا۔

''زکریا جلدی سے ڈاکٹر کو فون کرو مروہ از ناٹ اوکے''۔ صوفے پر اسے لٹا کر اس کی ہتھیلیوں کو رگڑتے وہ پریشانی سے بولا اس کے تاثرات سے یکسر انجان اپنی پریشانی میں اس کے بدلتے تاثرات کی جانب اس کا دھیان ہی نہ گیا جن سے ناگواری عیاں تھی۔

''رہنے دو زیب میں آ گیا ہوں''۔ مگر زیب نے جیسے سنا ہی نہ ہو وہ آگے بڑھ کر جگ سے گلاس بھر کر لانے لگا تو زکریا کی برداشت کی حد جیسے جواب دے گئی۔

''میں نے کہا نا میں آ گیا ہوں اب تم جا سکتے ہو''۔ اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے زکریا کا لب و لہجہ ہر قسم کی بناوٹ سے عاری تھا زیب اس کے رویئے پر چونک سا گیا جیسے اس وقت بھی مروہ کی کنڈیشن سے زیادہ اپنے ایٹی ٹیوڈ کی فکر تھی اس وقت وہ الجھ کر کوئی نئی پرابلم نہیں کریئیٹ کرنا چاہتا تھا سختی سے مٹھی جکڑ کر ایک سرسری نگاہ بے ہوش پڑی مروہ پر ڈالتے وہ لمبے لمبے ڈاگ بھرتا وہاں سے نکل آیا اور زکریا کو تو جیسے اس کے جانے سے کوئی فرق ہی نہ پڑا ہو تنے عضلات کے ساتھ ایک نظر اس کے بے سدھ وجود پر ڈالتے وہ کوئی نمبر ڈائل کرنے لگا اگلے آدھے گھنٹے میں روحہ بیگم اور افشین زمر وہاں موجود تھیں ڈاکٹر اس کا چیک اپ کرنے لگا۔

''پریشانی کی کوئی بات نہیں' موسمی بخار' کمزوری ہے اور بی پی لو ہو گیا ہے میں نے دوا دے دی ہے تھوڑی دیر ریسٹ کریں گی تو بخار اترے گا تو ہوش بھی آ جائے گا''۔ زکریا ڈاکٹر کو دروازے تک پہنچانے گیا پھپھو اس کے سرہانے بیٹھی تسبیح پڑھتے اس پر دم کرنے لگیں دوسری جانب افشین بیگم گم صم سی بیٹھی تھیں' زمر ٹرے میں چائے لئے چلی آئی۔

''یہ لیں چائے پھپھو اور تھوڑی دیر آرام کریں' ڈاکٹر نے کہا نا پریشانی کی کوئی بات نہیں''۔ چائے کا کپ انہیں تھماتے وہ کہنے لگی اتنے میں زکریا اندر داخل ہوا۔

''خیریت بیٹا یہ سب اچانک کیسے ہو گیا''۔ افشین بیگم اب زکریا سے مخاطب تھیں۔

''یہ تو مجھے نہیں پتا آنٹی ہاں زیب کو ضرور پتا ہوگا انفیکٹ جب میں آیا تھا تو زیب پہلے سے ہی مروہ کے پاس موجود تھا۔ کیا اس نے آپ لوگوں کو نہیں بتایا حیرت ہے''۔ زکریا کے الفاظ اور اس کا انداز افشین بیگم نے کسی خوف کے تحت چونک کر روحہ بیگم کو دیکھا کسی بھید کے آشکار ہونے کا خوف ایک ایسا راز جس پر پردہ اٹھ جانے کا مطلب قیامت ایک ایسی قیامت کا خوف' روحہ بیگم نظر چرا کر رہ گئیں جبکہ افشین بیگم کی رہی سہی ہمت جیسے جواب دے گئی۔

☆☆☆☆

''کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی جب سے مروہ کے گھر سے آئے ہیں کافی ڈسٹرب لگ رہے ہیں''۔ ہاتھوں میں نائٹ کریم مساج کرتی کب سے زیب کی خاموشی اسے کھٹک رہی تھی بالآخر پوچھ بیٹھی۔

''ہوں کچھ خاص نہیں''۔ مصنوعی کھنکار بھر کر کہا گیا۔ اس نے زیادہ پوچھنا ضروری نہیں سمجھا آئلہ مزاج میں زمر بھابھی کے برعکس تھیں کافی ریزرو رہنے والی جبھی تو شادی کو دو سال گزرنے کے باوجود اپنی اکلوتی نند اور سسرال سے مثالی تعلقات قائم نہ کر سکیں سب سے اس کا تعلق لئے دیئے ہوتا گھر کے معاملوں میں اس کی عدم دلچسپی کی عادت سے وہ واقف تھا پر اب آج معاملہ اس کی اپنی ذات تک پہنچ گیا اس لئے خاموش رہنا ناگزیر ہو گیا۔

''کیا ہم نے مروہ کی زکریا سے شادی کر کے کوئی بہت بڑی غلطی تو نہیں کر لی''۔ زیب کی گہری چپ کے پیچھے کی وجہ جان کر وہ سرد سانس کھینچ کر رہ گئی۔

''کیا ہو گیا ہے زیب' آپ بھی ایسا سوچ سکتے ہیں''۔ حیرت ہوئی جان کر۔

''یہ بات جانتے ہوئے کہ یہ سب تقدیر میں لکھا تھا اور قسمت کے لکھے کو کوئی بدل سکا ہے''۔ وہ پوچھنے لگی۔ زیب لاجواب سا ہو گیا۔

''دیکھیں مسئلے پرابلمز کس کی لائف میں نہیں ہوتے اور پھر مروہ کے ساتھ تو ایسا کوئی سین ہی نہیں انفیکٹ وہ بہت لکی ہے وہ اس کی پھپھو کا گھر ہے وہ اپنوں میں بیاہی ہے میری طرح غیروں میں نہیں''۔ وہ بات بے بات جتانا نہ بھولتی' زیب اور اس کی لو میرج تھی اور اسی بات کا اسے قلق تھا وہ زمر کی طرح سسرال میں اپنا وہ مقام نہ بنا سکی جس کی وہ حقدار تھی زیب کا دماغ اب بھی وہیں اٹکا ہوا تھا شاید تمہاری بات درست ہو پر زکریا کا رویہ وہ یہ سب کر کے کیا پروف کرنا چاہتا ہے کہ ہم نے زبردستی مروہ کو جیسے اس پر مسلط کر دیا یا پھر وہ کہیں اور انوالو تو نہیں اس کے دماغ میں ایک دم دھما کا سا ہوا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے''۔ وہ جیسا بھی ہو پر وہ کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے جس پر اپنی مرضی یا زبردستی مسلط کی جائے اور پھپھو نے یہ پرپوزل اس کے رضامندی کے بعد ہی دیا ہو گا ورنہ یہ سب کچھ پاسیبل نہ تھا ساری عمر وہ بیرون ملک پلا بڑھا ہے ان ڈپینڈ زندگی گزاری ہے بھلا کہاں وہ ایسی زبردستی کا عادی ہو گا آئی ایم شیور یہ سب صرف تمہارا واہم ہے اور کچھ نہیں جہاں محبتیں ہوتی ہیں وہاں ایسی معمولی باتیں کوئی معنی نہیں رکھتیں کیونکہ یہ بات آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی کہ زکریا ہماری مروہ سے کتنی محبت کرتا ہے ایک دن کے لئے بھی یہاں آئے تو اس کے فونز پر فون آتے رہتے ہیں جازی کی انگیجمنٹ پر بھی آپ نے دیکھا نا وہ کیسے مروہ کے آگے پیچھے تھا مثالی جوڑی ہے دونوں کی' اس قسم کے واہمات پالنا بند کریں کیونکہ ایسے واہمات اور اندیشے محض کڑواہٹ کا سبب بنتے ہیں' اس وقت تم ٹینشن میں ہو پر جب تسلی سے سوچو گے تو میری باتیں درست لگیں گی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے رسان سے کہنے لگی اس کی باتیں لاکھ درست سہی مگر ان سب کے باوجود وہ زکریا کی باتوں اور رویئے کو اگنور نہ کر پایا تھا۔

☆☆☆☆

مروہ کو ہوش آ گیا تھا پھپھو کے بے جان ہوتے وجود میں جیسے جان سی پڑ گئی مما بھی قدرے ریلیکس سی ہو گئیں مروہ کو پہلے سے قدرے بہتر دیکھ کر خاصی ریلیکس سی ہو گئیں عمیر بزنس میٹنگ کے سلسلے میں شہر سے باہر تھا جبکہ جازی احد اور سعدی اس سے آ کر مل لئے تھے ممی اور زمر بھابھی کھانے کے فوراً بعد چلی گئیں پھپھو بھی دوا لے کر دس بجے ہی سو جاتیں تھیں بخار تو جا چکا تھا بس نقاہت سی تھی پھپھو نے اسے چلنے پھرنے اور کام کرنے سے سختی سے منع کر رکھا تھا وہ بیڈ پر بیٹھی چینل سرچ کرنے لگی اور کوئی کام جو کرنے کو تھا ہی نہیں' زکریا سامنے سنگل صوفے پر بیٹھا اسموکنگ کر رہا تھا مروہ کے لئے ذکی جیسے انسان کو سمجھنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا کہ کب اسے کونسی بات بری لگ جائے اب بھی پھپھو کی سخت تاکید پر وہ بیٹھی رہی ورنہ زکریا کے سامنے اس کی موجودگی میں فارغ بیٹھنا محال تھا ہاتھ میں دبی سگریٹ آدھے سے زیادہ راکھ ہو چکی تھی پر اس کی پوزیشن میں ذرا برابر فرق نہ آیا وہ گاہے بگاہے چینل پر سرچ پھر اس پر ایک سرسری نگاہ ڈال لیتی اس کی خاموشی نجانے کیوں اسے بے چین کئے دے رہی تھی۔



''زیب آیا تھا' کیا کہہ رہا تھا؟'' سگریٹ کی راکھ کو بوٹ کی نوک سے مسلتے اس کا انداز برملا تھا۔

''زیب بھائی آئے تھے مجھے تو کچھ یاد نہیں کیوں کچھ کہا انہوں نے آپ سے''۔ اس نے پوچھا۔

''ہونہہ' اسے تم سے فرصت ملتی تو کچھ کہتا''۔ استہزاء سے کہا گیا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ بھائی ہے وہ میرا مجھے اس حالت میں دیکھ کر وہ پریشان نہ ہوتا تو کیا کرتا''۔ اسے زکریا کی خفگی کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔

''بھائی مائی فٹ ساری دنیا کو بے وقوف بنا سکتے ہو تم لوگ پر مجھے نہیں تم اپنے سارے داؤ پیچ لگا دو پر اب میں تمہارے کسی چکر میں پھنسنے والا نہیں کتنا زہر اس آدمی کے اندر بھرا تھا مروہ کو اس پل اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا مگر اب خاموش رہنا ناممکن تھا۔

''پاگل ہو گئے ہیں کیا دماغ تو خراب نہیں یہ کس قسم کی فضول باتیں کر رہے ہیں کونسا چکر چلایا ہے میں نے کتنی خراب سوچ ہے آپ کی''۔ غصے سے اس کا برا حال تھا' زکریا کے الزام پر وہ تڑپ سی گئی۔

''فضول پاگل آدمی خراب سوچ میں جیسا بھی ہوں پر کم از کم تمہاری طرح ڈبل پرسن اور کریکٹر لیس تو نہیں''۔ زکریا کے الفاظ نے جیسے اس کے کانوں میں پگھلا سیسہ انڈیل دیا ہو۔

''کریکٹر لیس جانتے کیا ہیں آپ میرے کریکٹر کے بارے میں جو اتنی جلدی رائے تک قائم کر لی میرا کردار جیسا بھی ہو اس کے لئے کم از کم میں آپ جیسے شخص کو صفائی دینا ہرگز پسند نہیں کروں گی کیونکہ اب اس کی ضرورت ہی نہیں رہی' جب ہمارے درمیان اس رشتے کی ہی کوئی اہمیت نہیں تو پھر میں آپ کو صفائی دینا بھی ضروری نہیں سمجھتی''۔ اس نے غصے سے منہ تک پھیر لیا۔

''ترس آتا ہے مجھے آپ جیسے انسان پر جو نارمل ہو کر بھی ابنارمل زندگی گزار رہے ہیں' افسوس ہوتا ہے اپنے آپ پر کہیں میں آپ جیسے شخص کی بیوی ہوں گھن آتی ہے مجھے اپنے آپ سے جو میں نے دل میں آپ جیسے انسان کو جگہ دی آپ جیسے شخص سے محبت کی' میں ہمیشہ یہ سوچتی رہی کہ ایک نہ ایک دن میری محبت آپ کا دل ضرور جیت لے گی میری قربانی رائیگاں نہیں جائے گی ایک نہ ایک دن اس پتھر میں بھی شگاف پڑے گا پر میں غلط تھی جو آپ جیسے شخص سے اتنی توقعات وابستہ کر لیں ایک پتھر سے سر پھوڑتی رہی جو تمام احساسات اور جذبات سے عاری ہے' کھوکھلا اور ایک طرح سے اچھا ہی ہوا میں شاید یہی ڈیزرو کرتی تھی میرے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہئے تھا اور آپ بھی یہی ڈیزرو کرتے ہیں آپ سے نفرت کی جائے کیونکہ آپ کسی کی محبت اور خلوص کے لائق ہی نہیں''۔ بولتے بولتے جیسے رو پڑی اور تیزی سے اٹھ کر واش روم میں بند ہو گئی زکریا وہ تو جیسے اپنی جگہ سن سا رہ گیا نجانے کیوں اسی اپنے کہے پر ندامت سی ہونے لگی اور افسوس بھی اس کا پہلی بار بولنا ذکی کو برا نہ لگا اس کے اظہار نے تو ذکی کو ورطہ حیرت میں مبتلا کر دیا یعنی جسے وہ اب تک اس کی مجبوری و بے بسی سمجھتا رہا در اصل وہ اس کی خاموش محبت تھی جو اس کے پیروں کی زنجیر بنے روکے ہوئے تھی ورنہ نجانے کب سے اس رشتے کا اینڈ ہو جاتا' پہلی بار مروہ کا برا کہنا اسے برا نہ لگا تھا پہلی بار اس کے آنسوؤں سے اسے تکلیف پہنچی تھی اور اس تکلیف کو وہ کوئی نام نہ دے پایا خاموشی سے بنا کچھ کہے کار لے کر وہ باہر سڑکوں پر پھرتا رہا نجانے کیوں اب چاہ کر بھی اس کا سامنا کرنے کی ہمت جوٹا نہ پایا پہلی بار وہ اپنی ہی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

☆☆☆☆

رات کو جو گھر سے نکلا صبح ہی اس کی واپسی ہوئی حسب معمول مروہ ملازمہ کے ہمراہ لنچ کی تیاری میں لگی

ہوئی تھی پھپھو کے لاکھ منع کرنے کے باوجود زکریا نے رات سے کچھ نہ کھایا تھا سو اس وقت پیٹ میں بھوک سے چوہے دوڑ رہے تھے مما کو ناشتے کا کہہ کر وہ اخبار کی شہ سرخیاں دیکھنے لگا خلاف توقع ناشتہ لے کر وہ خود چلی آئی ٹرے رکھ کر وہ چائے بنانے لگی گرما گرم پراٹھے چیز آملیٹ اتنی عجلت میں بھی وہ اہتمام کرنا نہ بھولی ذکی کا نٹے کی مدد سے چھوٹے چھوٹے بائیٹ لینے لگا چائے کا کپ اس کے سامنے پٹخ کر گویا اپنی خفگی کا اظہار کیا گیا، حالانکہ اس سب میں گرما گرم چائے چھلک کر پرچ کو داغ دار کر گئی گرما گرم چھینٹے اس کے ہاتھوں پر گر پڑے، ناراضی کا اظہار کرنے کا اچھا طریقہ ہے اس حرکت پر وہ ہولے سے مسکرایا 'پانی' اسے دوبارہ بلانے کا وقت اور بہانہ مناسب لگا گلاس لئے وہ دوبارہ چلی آئی نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سارے کام اسے ہی کرنے پڑتے پانی کا گلاس تھماتے وہ پلٹنے لگی تو زکریا نے اس کی کلائی تھام لی وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی پر نا کام اس کی مضبوط تھی قدرے فاصلے پر ان کے جانب بیٹھ گیا' مما بیٹھی تسبیح پڑھنے میں مشغول تھیں، اس لئے مروہ کچھ کہہ نہ سکی کے کہیں وہ متوجہ نہ ہو، اس سے قبل وہ کچھ کہتی زکریا نے اس کی کلائی جو دو تین جگہ سے چائے گرنے کے سبب ریڈ ہو رہی تھی اس پر اپنے لب رکھ دیئے اس کی حرکت پر وہ شرم سے پانی پانی ہوگئی اپنا ہاتھ چھڑا کر تیزی سے وہ اندر گم ہوگئی جبکہ اس کے گریز پر ایک مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی۔

☆☆☆☆

زیب بھائی کے بیٹے صارم کی پہلی سالگرہ تھی اس کا جانے کا قطعی موڈ نہ تھا، لیکن پھپھو کے بے حد اصرار پر اسے حامی بھرنی پڑی اسے لینے جاذب آیا تھا آف وائٹ کلر کے لباس میں نفاست سے کرلڈ کئے گئے بال میک اپ آئینے میں وہ اپنا تنقیدی جائزہ لینے لگی جاذی جیسے ہارن پر ہاتھ رکھ کر بھول گیا۔ تیزی سے گفٹ پیک اٹھاتے پھپھو سے ملتے وہ نکلی اسی وقت زکریا کی کار پورچ میں آن رکی پھپھو نے گھٹنوں کے درد کے سبب جانے سے منع کر دیا تھا، زکریا ان کے برابر صوفے پر بیٹھا، اس کا انداز اور خاموشی مما کو لگا اسے شاید مروہ کا یوں جانا ناگوار گزرا ہے اس لئے آگے بڑھ کر اس کے ماتھے پر سے بال ہٹاتے نرمی سے گویا ہوئیں۔

''کیا ہوا ذکی!'' مروہ کو میں نے ہی پرمیشن دی تھی وہ مجھ سے پوچھ کر گئی ہے اور کیا ہوگیا ہے تمہیں تم پہلے بھی ایسے نہ تھے یوں چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنا اوور ری ایکٹ کیوں کرنے لگے ہو، ان کی بات پر وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا۔

''مام آپ ہمیشہ دوسروں کی پرواہ کرتی رہیں اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ آپ بھی مجھے سمجھ ہی نہ سکیں ''۔ اس کا انداز شگفتہ تھا۔

''آپ آج بھی وہی کر رہی ہیں جو برسوں قبل کیا تھا پرایوں کو اپنوں پر فوقیت دے کر برسوں پہلے بھی آپ نے ایسا کیا تھا ماموں کو ڈیڈ پر فوقیت دے کر''۔ روحہ بیگم نے اس کی بات پر چونک کر دیکھا۔

''میں ماں ہوں تمھاری مجھ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے بھلا اور رہی بات تمہارے ڈیڈ کی تو اس شخص کا انتخاب ہی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی جس کی سزا مجھے اب تک مل رہی ہے''۔ زکریا کے الفاظ سے جیسے ٹھیس پہنچی تھی۔

''ضروری تو نہیں مام جیسا آپ سمجھ رہی ہوں سچ وہی ہو آئی مین آپ کو ماموں کی اصلیت کیوں نظر نہیں آ رہی، ان کی بے حسی، خود غرضی، ضروری تو نہیں ڈیڈا کیلیے ہی قصوروار ہوں کیا پتا ماموں بھی اس سب میں برابر کے شریک ہوں''۔ اس کی بات پر روحہ بیگم نے تاسف سے اسے دیکھا۔



''آخر تم بھی اس شخص کی زبان بولنے لگ گئے میری اتنے سالوں کی محنت کو اس شخص نے ایک ہی بار میں مٹی میں ملا دیا بہت شاطر کھلاڑی نکلا وہ میری زندگی کی بساط الٹ کر بھی اسے سکون نہ ملا اب میری بچی کچھی زندگی میں بھی زہر گھولنے سے بعض نہ آیا چلو اس کی تو فطرت ہی یہی تھی پر تم سے مجھے قطعی یہ امید نہ تھی زکریا وہ بازی ہار کر بھی جیت گیا اور میرے حصے میں صرف مات ہی آئی''۔ وہ افسردگی سے بولیں۔

''پلیز مام''۔ آپ تصویر کا دوسرا رخ کیوں نہیں دیکھ رہیں آخر ساری عمر ماموں نے آپ کو دیا ہی کیا ہے سوائے دکھ تکلیف کے کیا اب بھی کوئی کسر باقی رہ گئی ہے زکریا حد درجہ اپنے ننھیال سے نہ خوش لگ رہا تھا۔

''یہ تم کس لہجے میں بات کر رہے ہو ماموں ہیں وہ تمہارے''۔ روحہ بیگم نے سرزنش کرتے کہا۔

''ہاں مگر سوتیلے رعونت سے کہا''۔ روحہ بیگم تاسف سے اسے دیکھنے لگیں۔

''اور سگا کون ہے وہ باپ جس نے تمہاری ماں کو بے بس لاچار سمجھ کر آدھی رات کو گھر سے نکال کر در بدر کر دیا صرف چند ٹکوں کی خاطر''۔ زر پرستی کی لالچ کی خاطر رشتوں کو بے مول کر دینے والے سگوں سے وہ سوتیلے بہتر ہیں جنہوں نے ساری عمر مجھ سے یہ تک چھپائے رکھا کے آذر نے گلبرگ والا گھر بیچ دیا وہ تمہاری تعلیم کا خرچہ اٹھاتے رہے اور مجھے لگا کے یہ سب اس بنگلے کے عوض آنے والی رقم تھی حالانکہ میں غلط تھی وہ تو مجھے عمیر سے باتوں باتوں میں پتا چلا ورنہ میں ساری عمر اس کھوکھلے زعم میں مبتلا رہتی''۔

''ذکی چونک کر انہیں دیکھنے لگا''۔

''مگر وہ گھر تو ماموں نے بیچا تھا نا''۔ وہ بے یقین سا تھا۔

''وہ گھر ابا نے میرے نام کر دیا تھا کسی کی مجال تھی جو میری مرضی کے خلاف ایسا کرنے کا سوچ بھی سکے تمہاری اسٹڈیز کے لیے مجھے خاطر رقم کی ضرورت تھی زیور بیچنے سے واجد نے منع کر دیا وہ تو بخوشی تمہارے اخراجات برداشت کرنے کو تیار تھے مگر میں مزید کسی کا احسان نہیں لینا چاہتی تھی اس سے بے خبر کے ساری عمر ان کے احسانات کے بوجھ تلے دب کر رہنا ہوگا واجد نے مجھ سے وہ گھر خرید لیا مگر یہ اصلیت بعد میں کھلی کے واجد نے یہ گھر صرف اس لیے خریدا تھا کے وہ یہ گھر حمزہ کو دے سکے، حمزہ نے مطالبہ کر دیا تھا تمہیں لینے کا واجد، اسد یہ بات بخوبی جانتے تھے میں تمہارے بغیر نہیں رہ پاؤں گی یہ سب انہوں نے صرف اس لیے کیا میرے علم میں لائے بغیر ان سوتیلے بھائیوں نے سگوں سے بڑھ کر اپنا حق ادا کر دیا۔

''حمزہ اسے تو صرف پیسوں سے غرض تھی اسے قطعی تم میں کوئی دلچسپی نہ تھی کروڑوں کی پراپرٹی کے لیے صرف اس نے یہ داؤ کھیلا بھلا اس سے وہ کیسے دستبردار ہوتا''۔

''کیا اب بھی تمہیں ان کے خلوص پر شک ہے جن کا احسان میں مرتے دم تک نہیں اتار پاؤں گی''۔

''یہ کیسا سچ تھا؟'' کتنا کرب ناک سچ تھا وہ تو ساری عمر اپنے باپ کو بے قصور سمجھتا رہا اس شخص کو جس نے اس کی ماں کو سوائے ذلت و تکلیف اور اذیت کے کچھ نہ دیا تھا اور جن ماموؤں کے خلوص پر وہ شک کرتا رہا اب وہ ان سے آنکھ ملانے کے بھی قابل نہ رہا تھا آگہی کا عذاب حقائق سے شناسائی اسے نظر چرانے پر مجبور کر گئے

مروہ سے بھی ساری عمر اس کی فیملی کی وجہ سے نفرت کرتا رہا حالانکہ وہ اس کی شریک حیات تھی' اپنے دل میں اس کی محبت کا پودا بننے سے قبل ہی اس نے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اس کی ناپسندیدگی کب نفرت میں بدلی اسے پتہ ہی نہ چلا وہ شروع سے انہیں قصوروار سمجھتا رہا اپنی مام کی اجڑی زندگی کا مگر اصل قصوروار اپنے باپ سے چاہ کر بھی وہ

نفرت نہ کر پایا وہ عجب کشمکش میں گھرا تھا اس کے فیصلے کرنے کی قوت گویا ختم ہوگئی وہ مما سے ایک لفظ تک نہ کہہ پایا اب کچھ بھی کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی بس خاموشی سے اٹھ کر کمرے میں بند ہوگیا اس وقت وہ صرف اکیلا رہنا چاہتا تھا۔

''کس دروازے پر وہ آن کھڑا ہوا تھا نہ آگے کوئی راہ تھی نہ پیچھے کوئی راستہ دل نہ مما کی بات کو جھٹلا پایا اور نہ ڈیڈ کو الزام دینے پر آمادہ تھا خود کو وہ کسی آہنی شکنجے میں قید تصور کرنے لگا جس میں ہوا کا کوئی درزن نہ تھا وہ دونوں ہاتھوں میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆

اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا سب کچھ جیسے گڈمڈ ہو رہا تھا وہ چھ ماہ سے اس آذر نامی شخص سے ملتا رہا جو اس کا باپ تھا وہ باپ جس نے اولاد کی پروا نہ کرتے ہوئے صرف چند ٹکوں کی خاطر اس کی ماں کو چھوڑ دیا تھا وہ باپ جس نے اپنے اندر کا ذہر پل پل اس کے اندر اتارا تھا اسے اپنوں سے متنفر کرتا رہا اپنا زہر اس کی نسوں میں بھرنے لگا اور وہ پھر بھی باز نہ آیا اس کے ماضی کے ساتھ ساتھ وہ اس کے حال کو بھی نگل لینا چاہتا تھا سب کچھ جانتے ہوئے بھی زکریا ان کے دل میں نفرت پیدا نہ کرسکا البتہ ماموؤں کے لیے اپنی سوچ پر اسے کافی شرمندگی تھی اور اب وہ اس سوچ کو بدل رہا تھا مما کے لیے، اپنے لیے، سب کے لیے وہ خود کو بدل دینا چاہتا تھا شاید یہی آخری راستہ تھا سوچتے سوچتے کب اس کی آنکھ لگی آہٹ کی آواز پر اس کی آنکھ کھلی ٹیبلٹ لینے کیونکہ درد کافی ہلکا ہوگیا تھا مگر بوجھل پن اور درد کی ٹیس ابھی بھی اٹھ رہی تھی صوفے پر بیٹھی مروہ سینڈل کے اسٹریپ کھولنے لگی لئیرز میں کٹے سلکی بال کندھے اور شانوں پر بکھرے تھے جبکہ اس کے چہرے پر تھکن تھی ذکی کی جانب اب بھی اس کا دھیان نہ تھا سینڈل ریگ پر سجا کر بالوں کی اچی پونی باندھے چہرے پر چھپاکے مار کر واش روم سے نکلی نیوی بلیو سوٹ پہنے اب وہ بالکل تازہ دم لگ رہی تھی اسے واش روم سے نکلتا دیکھ کر اس نے جھٹ سے آنکھیں بند کرلیں مبادا کہیں وہ دیکھ نہ لے وہ دھیرے سے چلتی اس کی جانب چلی آئی چادر برابر کرکے اس کے ماتھے کا ٹمپریچر چیک کیا جو کافی حد تک گرم تھا۔

''وہ پریشان سی ہوگی''۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھے ٹیبلٹس دیکھ کر اسے پہلے ہی اندازہ ہوگیا تھا اب یقین بھی ہوگیا اپنی لاعلمی پر غصہ آنے لگا اگر تھوڑی دیر قبل آجاتی تو قیامت نہ آجاتی وہ خود کو دل ہی دل میں ڈانٹنے لگی دوپٹہ نماز کے اسٹائل میں باندھے کچھ دیر اس کے سرہانے بیٹھی وہ اس پر پڑھ کر دم کرتی رہی کچھ دیر بعد وہ اپنی جگہ پر آگئی اس کے اس انوکھے انداز نے زکریا کے دل پر اتھل پتھل مچادی جیسے وہ ہر پل ٹارچر کرتا رہا وہ اس کی ذرا سی تکلیف پر کیسے پریشان ہو اٹھی اس کے وجود کا احساس نرم ہاتھوں کا لمس اس کا انداز انوکھا مگر بہت پیارا لگا تھا وہ خوش گوار حیرت میں گھیرا سوچے جا رہا تھا بلاشبہ اس کی خاموش محبت نے اسے چاروں شانے چت کردیا تھا اعتراف کرنے میں اب عار نہ تھا۔

☆☆☆☆

ایک خوش گوار صبح کا آغاز لان میں چائے پیتے کیا گیا آج ویک اینڈ تھا تو خلاف معمول وہ گھر پر ہی تھا۔

''کیسی ہے اب طبیعت تمہاری''۔ روحہ بیگم تھرماس سے چائے نکال کر اسے دیتی گویا ہوئیں۔

''فائن مام پہلے سے بہتر ہے''۔ ٹیکسٹ کرتے اس نے سر اٹھائے بغیر سرسری سا جواب دیا۔

''چائے زبردست بنی ہے ویسے''۔ مما اسے آتا دیکھ کر محبت سے بولیں۔ وہ ہولے سے مسکرائی۔



''کبھی ہماری کافی بھی اچھی بنالو یا ساری تعریفیں صرف مما سے بٹورنی ہیں''۔ وہ اس کے انداز پر چونک سی گئی اسے حیرت سی ہونے لگی۔

''میری مروہ کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے بس تم ہی ذرا تعریف میں کنجوسی برتتے ہو''۔ آج مما بھی کافی دنوں بعد کافی خوش لگ رہی تھیں ۔ زکریا اب فون رکھے مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ تھا۔ اس کی نظروں سے کنفیوژ ہوتی وہ پہلو بدل کر رہ گئی اتنے میں چاچو اور عمیر بھائی کی کار پورچ میں آن رکی سب کو باہر لان میں دیکھ کر وہ بھی وہیں چلے آئے صبح بخیر پھپھو عمیر آگے بڑھ کر انہیں سلام کرنے لگا۔

''اینڈ السلاموعلیکم ایوری ون''۔

''وعلیکم السلام جیتے رہو''۔ پھپھو انہیں دیکھ نہال سی ہوگئیں وہ چیئر گھسیٹ کے پھپھو کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''خیرت اتنی صبح صبح کوئی خاص کام تھا کیا''۔

''مروہ ان کے لیے چائے بنانے اندر چل دی''۔ تو پھپھو نے استفسار کیا۔

''جی کام تو بہت امپورٹنٹ ہے کیوں نہ چائے پیتے ڈسکس کی جائے''۔ مروہ کو ٹرے لاتے دیکھ کر کہا تبھی چاچو گلا کھنکھار کے متوجہ ہوئے۔

''دراصل یہ پیپرز ہیں ان پر زکریا کے دستخط چاہیئے تاکہ آگے کا پروسس مکمل ہو''۔ ان کی بات پر ذکی چونک سا گیا البتہ مروہ خاصی ریلیکس تھی۔

''یہ کس چیز کے کاغذات ہیں ماموں؟'' ٹیبل پر دھرے کاغذات کی جانب اشارہ کرتے سوال کیا گیا۔

''عثمان گروپ اینڈ کمپنی میں تمہارے شیئرز کے پیپرز ہیں جو روحہ نے تمہارے نام کردیئے اب تم چاہو تو آفس جوائن کرکے پارٹنر شپ کرسکتے ہو چاہو تو شیئرز الگ کرلو اب یہ سراسر تمہاری مرضی مگر آج سے تم اپنے شیئرز کو خود سنبھالو گے''۔ اسد عثمان چائے کا سپ لیتے ہوئے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھنے لگے جہاں الجھن کا ایک جال سا بچھ گیا تھا ۔ وہ لوگ چائے کے فوراً بعد چلے گئے چائے کے دوران بھی ہلکی پھلکی گفتگو ہوتی رہی مگر ذکی کا ذہن کاغذات والی بات پر اٹکا ہوا تھا اضطراب تھا کہ کم ہونے کا نام نہ لے رہا تھا اس کا صرف ایک ہی حل تھا بالآخر بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا گیا مما نے بھی ساری ذمے داری اس پر سونپ دی تھی۔

''میں نے فیصلہ کرلیا مام میں اپنے حصے کے شیئرز مروہ کے نام کرتا ہوں' اب سے ان کی وہی مالک ہے''۔ مما نے خوشگوار حیرت سے دیکھا۔ ان کا بیٹا بدل رہا تھا حالات بدل رہے تھے یہ سب تو ہونا ہی تھا اب وہ خاصی مطمئن ہوگئیں تھیں زکریا کی یہ تبدیلی ان کے لئے خوش آئند تھی۔

☆☆☆☆

تیز ہوائیں گرج چمک کا سلسلہ کیا چل پڑا ساری رات ساون برسا' صبح ہر چیز نکھری نکھری سی تھی' آج زمر کے ہمرہ اسے مارکیٹ جانا تھا کچھ ضروری خریداری کے لئے موسم کی مناسبت سے اس نے وائٹ کرتے پر بلیک شال اوڑھی پرس لئے وہ سیدھی پھپھو کے جانب چلی آئی۔

''میں ذرا مارکیٹ جارہی ہوں زمر کے ساتھ آپکو کچھ چاہئے تو نہیں واپسی پر شاید دیر ہوجائے سوچا آپ کو بتاتی چلوں''۔ وہ صوفے پر ان کے مقابل آبیٹھی جو تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں۔

''کچھ خاص نہیں بس تم وقت پر آجانا موسم کا کچھ بھروسہ نہیں''۔ وہ انہیں تاکید کرنا نہ بھولیں' مارکیٹ سے نکلتے انہیں دیر ہوگئی ہلکی ہلکی بوندا باندی جاری تھی اچانک زمر کو بوتیک پر ضروری کام پڑ گیا اسے بوتیک ڈراپ کر

کے وہ ٹیکسی لے کر گھر کے لئے روانہ ہوئی موسم کے تیور بگڑے سے لگ رہے تھے اسے پھپھو کی تاکید یاد آئی تو ان کے فکر مند انداز کو سوچ کر اس کے لب مسکرا دیئے مردہ ڈرائیونگ جانتی تھی پر ایک معمولی سے ایکسیڈنٹ کے بعد پاپا نے اسے ڈرائیو کرنے سے سختی سے منع کر دیا کالج تک بھی وہ جازی یا ڈرائیور کے ہمراہ جاتی آج تو ڈرائیور بھی چھٹی پر تھا ٹیکسی گھر کے سامنے رکی پیمنٹ کر کے پرس سنبھالتی اسٹریپ بند کرتی تیزی سے وہ اندر چلی آئی اس دوران بھی وہ خاصی بھیگ چکی تھی کمرے سے بولنے کی آواز آ رہی تھی یقیناً زکریا بھی آفس سے غالباً پہلے ہی آ گیا تھا۔

پرس ٹیبل پر رکھے پھپھو کے روم کی سمت چلی آئی ارادہ تھا ان کو اپنے آنے کے متعلق مطلع ہی کر دے جب سے اس کی شادی ہوئی تھی اس کا یہی معمول تھا کہیں آنے جانے کے لیے وہ پھپھو سے ہی پرمیشن لیتی تھی زکریا سے تو خیر بات کرنا ہی فضول تھا اس کے نزدیک اس کا ہونا نا ہونا ایک برابر تھا نجانے کیوں اس کا ایثار محبت قربانی نک اس پتھر کے دل میں جگہ بنانے میں ناکام ٹھہری مایوسی سے سوچتے وہ دروازہ ناک کرنے ہی لگی تھی کے اپنا م سن کر لاشعوری طور پر اس کے ہاتھ پیچھے ہٹ گئے وہ یہ کیا کر رہی تھی اسے پتہ ہی نہ چلا نہ چاہتے ہوئے بھی پنی عادت کے خلاف وہ چھپ کر ان کی باتیں سننے سے خود کو روک نہ پائی۔

''مردہ میری بیٹی ہے میری بہو ہے یہی سچ ہے اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتی اس لیے پلیز ذکی تم بھی مجھے ڈرس مت کرو''۔ روحہ بیگم محتاط سی ہو کر سنبھل سنبھل کر بولیں۔

''نہیں مام یہ سچ نہیں ہے بلکہ اور بھی بہت کچھ ہے جو آپ جانتی ہیں مجھے سچ جاننا ہے پلیز ٹیل می مام کونسا ہے وہ ایسا کونسا راز ہے جو برسوں سے مدفون ہے بہت الجھن ہے سب سلجھانا چاہتا ہوں میں نے اس دن آپ کی اور آنٹی کی باتیں سن لیں تھیں ایسا کونسا راز ہے جو آپ برسوں سے آج تک چھپائے ہوئے ہیں مام پلیز آپ کو میرے سر کی قسم''۔ ان کا ہاتھ لے کر اپنے سر پر رکھتے زکریا نے گویا انہیں ایک نئے امتحان میں ڈال دیا تھا۔

☆☆☆☆

وہ دسمبر کی ایک رات تھی جب افشین نے دو جڑواں بچوں کو جنم دیا تھا جن میں سے ایک مردہ تھی ہاں ذکی جازی کے ساتھ پیدا ہونے والی بچی موقع پر ہی دم توڑ گئی تھی واجد کا مارے غم کے برا حال تھا ان کی برسوں کی تمنا خواہش پوری ہوئی تھی مگر وہ بھی کیسے اپنی مردہ بیٹی کو ہاتھ میں لیے وہ کتنی دیر روتے رہے اس رات بھی ٹوٹ کر بارش برسی تھی شاید اپنے ساتھ سب کچھ بہا لے جانے آئی تھی اس دن اس پرائیویٹ کلینک میں صرف ایک موت واقع نہیں ہوئی تھی بلکہ صبوحی نامی اس عورت نے بھی دم توڑ دیا جو اس کلینک میں بطور ہیلپر کام کرتی رہی تھی ہاسپٹل والے اس کے شوہر یا فیملی کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے صبوحی کلینک کے پاس ہی چھوٹے سے گھر میں کرائے پر رہتی تھی اس کا شوہر اسے چھوڑ کر جا چکا تھا تبھی حالات سے مجبور وہ یہیں کام کرتی رہی تین دن وہ ہاسپٹل میں پڑی رہی اور ایک لاغر، کمزور سی بچی کو جنم دے کر موقع پر ہی دم توڑ گئی جس کا اب آگے پیچھے کوئی نہ تھا بہت سوچ سمجھ کر اس ننھی فرشتے جیسی لڑکی کو یتیم خانے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا گیا کیونکہ اب اس کا کوئی وارث نہ تھا کوئی اس کی ذمے داری قبول کرنے کو تیار نہ تھا نجانے یہ اڑتی خبر کیسے واجد کے کانوں تک بھی پہنچ گئی شاید قسمت کو بھی یہی منظور تھا واجد نے ڈاکٹر حمنیٰ سے بات کر کے اس لڑکی کی ذمے داری قبول کر لی وہ نیلی آنکھوں والی معصوم سی لڑکی حالات کی ستم ظریفی اس کے دنیا میں آنے سے قبل ہی اس کا سب کچھ چھن گیا تھا واجد نے لڑکی کی ذمے داری قبول کرتے وقت ایک بات ڈاکٹر سے اور عملے کے ذہن نشین کرا دی کہ اب وہ ان کی ہی بیٹی ہے وا قسمت کے لکھے کو تو بدل نہیں سکتے پر وہ اس لڑکی کی حق تلفی نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے اس بچی کو اڈاپ کرنے



کے بجائے اپنا نام دیا اور یہ بات اپنے خاندان والوں تک سے چھپائے رکھی کے مردہ ان کی بیٹی نہیں ہے ان کا خون نہیں ہے گھر میں یہ بات صرف واجد، اسد، افشین اور میں جانتے تھے عمیر اور زیب کے کانوں میں بھی سنی سنائی بات پڑ گئی مگر ان کے نزدیک یہ اہم نہ تھا کے مردہ کون ہے بلکہ انہوں نے ہمیشہ مردہ کو سگوں سے بڑھ کر چاہا ڈاکٹر حمنیٰ نے بھی اس عورت کے کیس میں یہ لکھ دیا کے حالت زچگی میں ہی ماں بچی دم توڑ گئے اس طرح دنیا والوں کی نظر میں بھی اب وہی سچ ہے جو ہم نے بتایا اس کالی رات کے پردے نے سارے سچ چھپا دیئے اب حقیقت یہی ہے کے مردہ واجد کی بیٹی ہے اور ہمارا خون''۔ مردہ کو لگا کسی نے اس کے سارے جسم کا خون نچوڑ دیا ہو وہ اپنی جگہ پتھر کا بت بنی کھڑی رہی یہ کیسا سچ تھا کتنا بھیانک سچ کہا سچ بھی اتنا بھیانک ہوتا ہے اسے تو کبھی احساس تک نہ ہونے دیا کے وہ پرائی ہے اور وہ کتنی بیوقوف تھی وہ جنہیں تمام عمر اپنا سمجھتی رہی ان سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ تھا کوئی رشتہ ہی نہ تھا اور اس کا اپنا کون تھا کوئی نہیں اس دنیا کی بھیڑ میں تنہا ہو کر رہ گئی تھی آنکھیں پتھرانے لگیں اس کا وجود کانپنے لگا' وہ باہر نکلی اسے نہ راستوں کا پتا تھا نہ منزل کی خبر بس وہ چلنے لگی اپنے سائے تک سے چھپ جانا چاہتی تھی خود سے منسلک لوگوں سے جن سے اب اس کا کوئی تعلق نہ تھا وہ راستے منزل کا تعین کیئے بغیر چلنے لگی تھکنے لگی مگر رکنے کا اب سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا وہ بہت دور چلے جانا چاہتی تھی ان کھوکھلے مطلبی رشتوں سے کوئی تعلق استوار نہیں رکھنا چاہتی تھی سب کچھ جانتے بوجھتے اسے دھوکے میں رکھا گیا کیوں ؟' پھپھو، پاپا، مما، عمیر بھائی، زیب بھائی سب کچھ جانتے بوجھتے اسے اندھیرے میں رکھا گیا کیوں''۔ سڑک کے کنارے بیٹھ کر وہ اپنی بے بسی پر رونے لگی اپنی قسمت پر بارش اب بھی برس رہی تھی مگر طوفان صرف اس کے اندر برپا تھا۔

☆☆☆☆

سچ جان لینے کے بعد اس کی حالت بھی کم و بیش مردہ جیسی تھی وہ معصوم لڑکی جسے وہ ہر پل اذیت دیتا رہا ٹارچر کرتا رہا اس کی نفرت بھی صرف ان لوگوں کی وجہ سے سہنا پڑی جن سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ تھا ڈیڈ کی مام کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا موازنہ کیا تو ڈوب مرجانے کے قریب ہوتا اور مردہ جسے وہ ناحق سزا دیتا رہا اور وہ چپ چاپ سہتی رہی مگر کیوں؟''

''کیا وہ اس کی معافی کے لائق تھا؟''

''کیا اب بھی وہ اس کی محبت کے لائق تھا؟'' اس کے اندر سناٹے گھیرا کرنے لگے واجد جیسے انسان کی عظمت کو سوچ کر اپنے آپ سے ہی نفرت سی محسوس ہونے لگی جو ایک فرشتہ صفت انسان سے نفرت کرتا رہا مردہ کے متعلق سوچ کر اس کے دل کی حالت عجیب ہونے لگی وہ اپنی ہی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

''مردہ آئی تھی مگر کب؟'' باہر نکلتے مردہ کے پرس پر نگاہ پڑتے ہی روحہ بیگم بڑبڑائیں زکریا بھی تیزی سے باہر نکل آیا ایک لمحے دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اگلے لمحے ہی دونوں کی سمجھ میں پوری کہانی آ گئی زکریا نے فوراً زمر کا نمبر ڈائل کیا۔

''کیا مردہ ابھی تک نہیں آئی ؟' پر وہ تو کب سے ٹیکسی لے کر نکلی تھی''۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے''۔ زمر کو بھی نئی پریشانی لاحق ہوگئی۔

''ہاں ایکچوئلی آ گئی ہوگی یقیناً ٹیرس پر ہوگی میں دراصل ابھی ابھی گھر پہنچا تھا اس لیئے مجھے آئیڈیا نہیں تھا کے وہ گھر پر ہوگی اس لئے فوراً پریشانی میں تمہیں ڈسٹرب کر دیا''۔

''اٹس او کے انفیکٹ مجھے اچھا لگا' آپ کو اس کی اتنی فکر ہے''۔ زمر کی جیسے جان میں جان آ گئی تھی مگر فون بند کر کے بھی ذکی کا اضطراب کم نہ ہوا پریشانی میں سر تھامے بیٹھ گیا۔

'' اب کیا ہوگا مروہ نے سب کچھ سن لیا اب میں افشین کو کیا جواب دوں گی کہ ایک راز تک نہیں رکھ پائی اور واجد وہ بھی مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا اور مروہ اس بچی کا میں کیسے سامنا کروں گی؟'' روحہ بیگم کو لاتعداد خدشے لاحق ہونے لگے۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا مام ٹرسٹ می' میں اسے واپس لاؤں گا پھر سب ٹھیک ہو جائے گا آئی پرامس''۔ ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے اسے اپنی ہی تسلی کھوکھلی لگی۔

''اب کچھ نہیں ہو سکتا''۔ انہوں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا گھر کئی مرتبہ چھان ڈالا مگر نتیجہ صفر ان کے دل نے شدت سے یہ دعا کی تھی کے کاش مروہ نے ان کی باتیں نہ سنی ہوں کاش سب کچھ پہلے جیسا ٹھیک ہو جائے۔

☆☆☆☆

گاڑی انجان سڑکوں پر دوڑتی رہی ان راستوں پر جہاں سے وہ کبھی گزرا تک نہ تھا کار سڑک پر دوڑاتے اسے اپنی تمام محنت رائیگاں محسوس ہونے لگی بارش کے سبب سڑکوں پر رش نہ ہونے کے برابر تھا اکادکا لوگ ہی چہل قدمی کرتے نظر آتے کہیں سڑکیں تو سنسان پڑیں تھیں تھک ہار کر اس نے اسٹرینگ پر مکا دے مارا۔

''ڈیم اٹ''۔ مغرب کی اذانیں ہونے لگیں اس کی تمام توانائی جیسے جواب دے گئی اس وقت وہ خود کو دنیا کا بے بس ترین انسان تصور کرنے لگا' مروہ کے متعلق اس کے گھر والوں کو بھی کچھ پتا نہ تھا تو وہ کہاں جا سکتی تھی سوچنے سمجھنے کی صلاحتیں جیسے ختم ہو کر رہ گئیں کہ جامع مسجد کے سامنے روکتے وہ اندر بڑھ گیا نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ بلند کئے تو اس کا دل کیا دھاڑیں مار مار کر روئے اتنا بے بس تو وہ کبھی نہ ہوا تھا اتنی تکلیف آج سے پہلے تو کبھی نہ ہوئی تھی مگر کیوں مروہ کی تکلیف اس کا درد ان سب کا قصور وار وہی تھا اور اب وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا نماز کی ادائیگی کے بعد وہ مسجد سے نکلا بارش کی رفتار پہلے سے کافی کم تھی کار کی سمت بڑھنے کی بجائے وہ سڑک پر پیدل چلنے لگا اس کے رواں رواں سے مایوسی چھلک رہی تھی شکستہ قدموں کے ساتھ وہ انجانے راستوں پر چلنے لگا ایک بار بس ایک بار اس کے ملنے کی دعا دل نے شدت سے کی تھی اور دعائیں یوں بھی قبول ہوتی ہیں اسے اندازہ نہ تھا سڑک کے پرلے کنارے گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی وہ بلاشبہ مروہ ہی تھی اپنے دھندلائی آنکھوں کو رگڑ کر باقاعدہ یقین کرنا چاہا اور تیزی سے روڈ کراس کر کے اس کی سر پر پہنچا ہچکیوں کے سبب اس کا وجود ہولے ہولے سے لرز رہا تھا بارش میں نا جانے کتنی دیر سے بھیگتی رہی تھی اپنے اردگرد سے بیگانہ اس کا دل ندامت کی گہرائیوں میں ڈوبنے لگا اس کے فضول ضد کے سبب اس پر سارا راز افشاں ہوا تھا وہ اس کے برابر بیٹھ گیا تبھی اس نے روتا چہرا اوپر کیا زکریا کو سامنے پا کر وہ جیسے اپنا ضبط کھو بیٹھی اور اس کے کندھے سے لگ کر زاروقطار رونے لگی۔

''میں ہی کیوں ذکی، میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا، کسی اور کے ساتھ کیوں نہیں، تمہارے ساتھ کیوں نہیں''۔ اس کے شرٹ کے گریبان کو مٹھی میں جکڑتے وہ روتے ہوئے بولی۔

''کون ہے اب میرا سب ختم ہو گیا میں اکیلی رہ گئی کوئی نہیں ہے میرا کچھ نہیں بچا سب ختم ہو گیا سب ختم کر دیا میں خالی ہاتھ رہ گئی جن کو اپنا سمجھتی رہی وہ تو میرے کچھ بھی نہیں کوئی رشتہ نہیں میرا ان سے جنہوں نے ساری عمر مجھ سے چھپائے رکھا''۔ وہ سسک رہی تھی آنسو شرٹ کو بھگونے لگے' ذکی اس کی پشت کو سہلانے لگا۔



''نفرت کرتی ہوں میں تم سب سے، کوئی نہیں ہے میرا میں لاوارث ہو اس لیے اب مجھ پر کوئی احسان کرنے کی ضرورت نہیں''۔ وہ جھٹکے سے اسے پرے کرتے دھاڑی' زکریا کے لیے سچویشن ناقابل یقین تھی۔

''انیف مروہ جسے تم ہمدردی اور احسان کا نام دے رہی ہو در اصل وہ ہماری محبت ہے سمجھیں کسی نے کوئی احسان نہیں کیا تم پر سب کو تمہاری پروا ہے سب تم سے بے تحاشہ پیار کرتے ہیں ہم سب تمہارے ہی تو ہیں تم اکیلی تھوڑی نہ ہو''۔ وہ نرمی سے اس کے بال سنوارتے کہنے لگا۔

''بس بہت ہو گیا ڈرامہ اب میں تمہاری باتوں میں نہیں آنے والی اگر آج مجھے سچ پتا نہ چلتا تو شاید ساری عمر میں اپنوں پرائیوں کا فرق نہ سمجھ پاتی ہاں ٹھیک ہے وقت انسان کو بہت کچھ سیکھا دیتا ہے میری زندگی کا بھی سب سے بھیانک باب میری آنکھوں کے سامنے آ گیا میں ساری عمر تمہاری نفرت سہتی رہی صرف اس لئے کے ایک دن تم بھی بدل جاؤ گے پر میں غلط تھی تم کیونکہ میری پرواہ کرو گے تم بھی آخر اسی عورت کی اولاد ہو جس سے میرا کوئی تعلق ہی نہیں تم سب جھوٹے، دھوکے باز اور خود غرض ہو، مطلبی ہو''۔

''شٹ اپ، تم اتنی سلفیش کیسے ہو سکتی ہو''۔ اس کی بدگمانی بڑھتے دیکھ کر زکریا کو طیش آ گیا جبکہ وہ ہونق سی اس کا منہ تکنے لگی۔

''ہاں خود غرضی دکھائی ماموں نے ایک معصوم بے سہارا لڑکی کو بیٹی کا مقام دے کر اس سے بے تحاشا محبت کی معاشرے میں مقام دیا بولو کیا سزا دو گی انہیں ان کی خود غرضی کی قدرت نے ان سے ان کی بیٹی چھین لی تو یہ ان کا قصور تو نہ تھا انہوں نے تمہیں سگی بیٹی سے بڑھ کر چاہا، افشین آنٹی، عمیر، زینب سب تم سے بے تحاشا پیار کرتے ہیں بے غرض بے لوث محبت رشتے صرف خون کے نہیں احساس کے بھی ہوتے ہیں یہی احساس انسانیت ہر شے سے بڑھ کر ہے اور اگر احساس خون کے رشتوں میں بھی نہ ہو تو ہر رشتہ بے معنی ہو جاتا ہے ان کی بے لوث محبت کو اپنی بے اعتباری کی نذر کر کے بے مول نہ کرو کیونکہ ہر رشتہ اعتبار سے بنتا اور جڑتا ہے اعتبار نہ ہو تو ہر رشتہ بے معنی ہو جاتا ہے''۔ وہ چونکی کتنا کرب تھا کتنی شگفتگی تھی اس کے چہرے پر۔

''مگر انہوں نے سچ کیوں چھپایا؟'' سوال کو اپنی زبان تک آنے سے نہ روک پائی۔

''ایک بار اپنی بیٹی کھونے کے بعد دوسری مرتبہ شاید وہ اپنی بیٹی نہیں کھونا چاہتے تھے''۔ وہ شاید جانتے تھے کہ سچ جان کر تم ایسا ہی ری ایکٹ کرتیں بولو کیا پھر انہیں تمہارے انداز سے تکلیف نہ ہوتی انہوں نے ہر ملاوٹ سے ماورا تمہیں اپنایا اگر یہ ان کی خود غرضی تھی تو ان کی یہی سزا ہے ایک بیٹی تو تقدیر نے ان سے چھین لی اب تم دوسری مرتبہ بھی چھین لو اگر تمہیں اب بھی ہم سب کی محبتوں پر شک ہے تو چاہو کہیں بھی چلی جاؤ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مگر سوچو کیا رہ پاؤ گی سب کے بغیر پاپا کے بغیر ان کی محبتوں کے بنا مما، عمیر سب کے بغیر میرے بغیر''۔ اس کی بات پر اس نے چونک کر دیکھا۔ وہ آنکھوں میں محبتوں کا جہاں سمیٹے اسے دیکھ رہا تھا وہ نظریں پھیر کر رہ گئی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں بھیگے کپڑوں سمیت اسے ٹھنڈ سی لگنے لگی۔ مما بالکل ٹھیک کہتی تھیں وہ واقعی بہت جلد جذباتی ہو جاتی ہے۔ وہ بھلا کیسے ان سب کے بنا رہ پاتی اس نہج پر تو اس نے سوچا ہی نہ تھا مما، پاپا، پھپھو، جن کی محبتوں کی وہ مقروض تھی ان کے بغیر کیسے رہ پاتی ان کے بغیر تو وہ بالکل ادھوری تھی بھلے ان سب سے اس کا کوئی خون کا رشتہ نہ تھا مگر محبت تو تھی اور جہاں محبتیں ہوں رشتے اپنے آپ بن جاتے ہیں اور زکریا اس کے چہرے کو دیکھتے وہ سوچنے لگی کیا وہ زکریا کے بنا رہ پاتی اس انداز سے سوچ کر اس کا دل ایک دم زور سے دھڑکا۔

''مانا کے بہت ہینڈسم ہوں بیگم پر یہ پبلک پلیس ہے گھر جا کر اچھی طرح نظر اتار لینا''۔ وہ اس کی جانب

نہیں دیکھ رہا تھا پر اس کی نظروں کی چوری اس سے مخفی نہ رہ سکی اس نے فوراً نظروں کا رخ بدل دیا۔
''مجھے تو اچھا خاصا لیکچر سنا چکے اپنے بارے میں کیا خیال ہے''۔نظریں سڑک پر گرتے چمکتے ننھے بوندوں پر مرکوز کئے پوچھا گیا۔
''تمہارے برعکس مروہ میں ساری عمر اپنوں میں ہوتے ہوئے محبتوں کو ترسا ہوں پاپا نے تو پلٹ کر میری خبر بھی نہ لی کہ ان کا بیٹا بھی ہے ان کے نزدیک میری کوئی ویلیو ہی نہ تھی ساری عمر دیار غیر کی خاک چھانتا رہا ،اپنائیت ،محبت جیسے لفظوں سے کبھی پالا ہی نہ پڑا ہو جیسے انسان کی صورت میں پتھر بن کر رہ گیا تھا میں اور اس پتھر میں تمہاری محبت نے جان ڈال دی تمہاری محبت ،وفا ،تمہارا صبر ،مجھے بے دام غلام بنا گیا تمہارے ساتھ کی ہوئی زیادتیوں کو سوچوں تو خود سے نفرت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں میں نے تمہارا بہت امتحان لیا تمہارے صبر برداشت کا اور تم چپ چاپ میری زیادتیاں اور نفرت سہتی گئیں مجھے لگا تم جا کر ایک نہ ایک دن سب اپنے گھر والوں سے کہہ دو گی اور پھر اس دن اس رشتے کا اینڈ ہو جائے گا مگر تمہاری محبت نے مجھے سرتاپا بدل دیا مجھے اپنا اسیر بنا لیا اس لئے آج اظہار کرنے میں کوئی عار نہیں' مروہ آئی ریئلی وانٹ یو محبت کا اظہار کرنا نہیں آتا ہاں فقط اتنا ضرور کہوں گا میری زندگی ہے' کیا تم پچھلی باتوں کو بھلا نہیں سکتیں کیا تم زندگی کے ہر قدم پر میرا ساتھ دو گی'' اس کی بات ابھی نامکمل تھی کہ ذکی کا فون بجنے لگا اسکرین پر مما کالنگ کے الفاظ جگمگانے لگے۔
''جی مام مروہ میرے ساتھ ہی ہے''۔کہہ کر اس نے فون مروہ کی سمت بڑھایا جو اس نے جھجکتے سے ہوئے تھام لیا۔
''ہاں پھپھو ٹھیک ہوں''۔دوسری جانب سے بے چینی سے کچھ پوچھا گیا۔
''ہاں ممی ایکچوئلی میں اپنا پرس اور فون گھر پر ہی بھول گئی تھی اور پھر راستے میں میری ایک فرینڈ مل گئی تو اس طرف آ گئی سوری لیٹ ہو گیا آئندہ ایسا نہیں ہوگا''۔روحہ بیگم یہ جان کر کے مروہ نے ان کی باتیں نہیں سنی ان کے دل کو ایک دم سکون سا مل گیا فوراً سجدہ شکر بجا لانے لگیں۔
''تم نے مما سے جھوٹ کیوں بولا''۔زکریا اس کے جھوٹ پر ابھی بھی حیران سا تھا۔
''جب تک شیشہ شفاف ہو ہر چیز بھلی سی لگتی ہے اور جب اس پر داغ لگ جائے ہر چیز بدنما سی دکھائی دینے لگتی ہے میں نہیں چاہتی ہمارا رشتہ بدنما لگے اسے ہر داغ برائی سے اب مجھے بچائے رکھنا ہے اب رشتوں کو لے کر چلنے کی میری باری ہے انہیں سچ بتا کر میں ان کا مان بھرم نہیں توڑنا چاہتی''۔مروہ سے اس قدر ذہانت کی اسے قطعی توقع نہ تھی وہ کسی کا قول ہے۔
''رشتوں کو اسپیس دو محبتوں کے لئے جگہ اپنے آپ بن جائے گی''۔اس نے اسی انداز میں اس کی بات اسے لوٹا دی۔
''اہم میرے ساتھ رہ کر تھوڑی بہت عقلمند تم بھی ہو گئی ہو ویسے تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا'' زندگی کے سفر میں تم میری ہمسفر بنو گی اپنی محبت کا کشکول تھامے تمہارے سامنے کھڑا ہوں تمہارے ساتھ زیادتیاں کیں اس کے بدلے تمہیں اختیار ہے چاہو تو اسے قبول کر لو چاہو تو دھتکار دو پر ہاں ایک بات یاد رکھنا دل بہت مشکل سے کسی پر اعتبار کرنے کے قابل ہوا ہے کہیں تمہارے انکار سے دوبارہ کبھی جڑ نہ سکے''۔اپنا ہاتھ آگے کر کے کہتا گیا جس پر اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ رکھ دیا اب مزید کسی اقرار کی ضرورت ہی باقی نہ رہی دونوں ہولے ہولے سے چلتے واپسی کے سفر پر گامزن تھے واپسی کا سفر کٹھن ضرور تھا مگر جہاں محبتیں ہوں وہاں کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا۔

☆......☆......☆

آسیہ مظہر چوہدری

# وصالِ عشق

ناولٹ

''بابا جانی! چاچو اس مرتبہ بھی نہیں آئے۔''
سات سالہ آیان منہ بنتے ہوئے بولا۔
''بیٹا! چاچو جلدی آئیں گے۔ وہ نہایت اہم
کام انجام دے رہے ہیں۔ ملک وقوم کی خدم
سرانجام دے رہے ہیں۔ اس لیے وہ نہیں آسکے
میری جان چاچو سے ناراض نہیں ہوتے۔ و

بہت کام کے بندے ہیں۔'' ایاز نے اسے
بہلاتے ہوئے کہا تھا اور وہ بہل بھی گیا تھا۔ بچے تو
ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ انگلی تھام کر چل پڑے۔
''بابا جانی! قوم کیا ہوتا ہے؟'' آیان نے اب
کے اپنی گول گول آنکھوں کو پٹپٹاتے پوچھا تھا۔
''بیٹا! قوم بہت سے لوگوں کو کہتے ہیں جیسے
ہمارا یہ شہر۔ اس سے ساتھ والا شہر ہمارے یہاں
جتنے بھی لوگ موجود ہیں وہ ایک قوم کی مانند

ہیں۔'' ایاز کی گفتگو کو وہ بہت غور سے سن رہا تھا۔
''اوہ! جیسے لاہور سٹی اور کراچی سٹی میں لوگ
ہیں۔'' اس نے اپنی طرف سے سمجھداری دکھائی۔
''نہیں جان ہر الگ الگ علاقے میں رہنے
والے لوگ ایک قوم کی مانند ہیں اور آپ کے چاچو
اس قوم کی حفاظت کرنے کے لیے انہیں برے
لوگوں سے بچانے کے لیے دور گئے ہوئے ہیں۔''
''اوہ مائی چاچو ویری بریو مین۔'' آیان نے

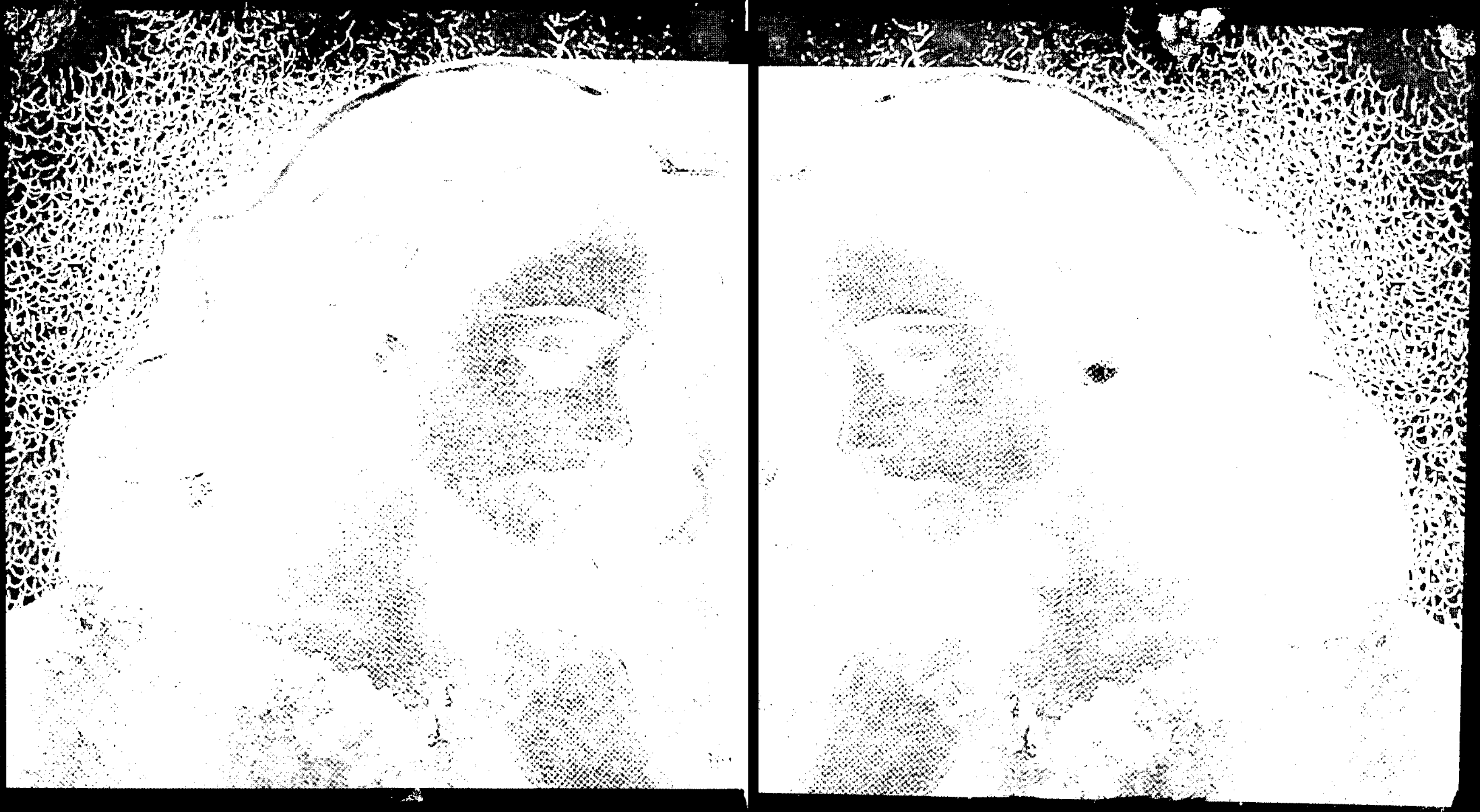

اب کے مسکراتے ہوئے تالی بجائی تھی اور پھر مسکراتا ہوا باہر کھیلنے کے لیے نکل گیا تھا۔ ایاز نے سکھ کا سانس بھرا تھا۔ اور کتنی دیر سے آنکھوں میں رکا ہوا نمکین پانی اب بے تاب مچل رہا تھا زندگی میں ہمیں کبھی ایسا موڑ بھی دیکھنا پڑتا ہے جب ہر بات ڈر ڈر کے بتائی جاتی ہے۔ سچ جھوٹ کا مغلوبہ بنایا جاتا ہے۔ فقط بتایا جاتا ہے۔ فقط اپنوں کی تسلی کے لیے۔

''کیوں اتنی دور چلے گئے ہیں چھوڑ کر، یہاں تک کہ واپسی کے تمام راستے بھی بند کر لیے۔'' ایاز اب کے پھوٹ پھوٹ کے رو رہا تھا۔

☆......☆

''علیشہ! نہیں جا رہی امی۔'' مزنہ لاؤنج میں آتے ہوئے بیگم اشتیاق سے بولی تھی۔

''کیوں نہیں جا رہی؟'' بیگم اشتیاق یہ سن کر بوجھل دل کے ساتھ گویا ہوئیں۔

''وجہ نہیں بتائی اس نے بس کہہ رہی ہے موڈ نہیں۔'' مزنہ کا لہجہ اب کے کوفت زدہ تھا۔

''کیا بنے گا اس لڑکی کا یہ تو اپنے آپ کو پاگل کر لے گی۔'' بیگم اشتیاق تاسف سے کہتیں واپس صوفے پر جا بیٹھی تھیں۔

''امی! جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ کسی نے جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا ناں آپی کو جاری شدہ حالات کے ساتھ کمپرومائز کر لینا چاہیے۔'' مزنہ نے بھی جیسے تھک کر کہا تھا گھر کے سب افراد علیشہ کی وجہ سے بے چین و پریشان تھے۔

''تم جانتی ہو ناں وہ اس سے کتنا پیار کرتی تھی اور وہ بھی اسے ٹوٹ کر چاہتا تھا ابھی اس کی شادی کو ایک ماہ ہی تو ہوا تھا۔ جب یہ سب ہو گیا۔'' بیگم اشتیاق دکھی لہجے میں جیسے دوبارہ اس تلخ حقیقت اس واقعے کو دہرانے لگی تھیں۔

''امی! اب قسمت کے آگے کس کی چلی ہے آپی کو چاہیے سنبھل جائیں اور اپنی نئی زندگی کا تعین کریں زندگی کی مسافت ابھی بڑی لمبی باقی ہے۔'' مزنہ نے کہا تو بیگم اشتیاق اس بات پر ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی تھیں۔

☆......☆

''تمہارے بال ہمیشہ میرے پیار میں سوکن کا روپ دھارن کرتے ہیں۔'' وہ اس کے لمبے سیاہ گھنے ریشمی بالوں کو دیکھ کر جل کر گویا ہوا تھا۔

''اب میں آپ کے پیار کی خاطر اپنے بالوں کو کٹوا تو نہیں سکتی۔'' وہ اسے تپانے لگی تھی۔

''اچھا جناب یعنی کے ہمارے پیار سے زیادہ اہم یہ بال ہیں۔'' وہ ناراضی سے گویا ہوا تو علیشہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''قسم سے انس کبھی کبھی بالکل بچے بن جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہی نہیں ہے کہ پچیس سالہ کیپٹن انس بلال سامنے کھڑا ہے جو ایک عدد بیوی کا مالک ہے۔''

''یہ آج کل بڑی تیز تیز ہوئی ہو جب سے میکے سے آئی ہو، خیر تو ہے۔'' وہ اسے اپنے حصار میں قید کرتے ہوئے بولا تو وہ اس کی قربت سے گھبرا کر کسمسا کر دور جانے کی کوشش کرنے لگی۔

''انس پلیز کوئی آ جائے گا۔''

''آنے دو شرعی بیوی ہو میری حق رکھتا ہوں تم پر۔'' وہ اپنا چہرہ اس کے کانوں کے قریب لا کر بولا تو اس کی سٹی ہی گم ہو گئی۔ اس کی ایسی شرارتوں پر اس کی جان جاتی تھی۔

''آنٹی آئیے۔'' اچانک اس کے کہنے پر انس اچھل کر دور ہٹا تھا اور وہ اسے انگوٹھا دکھاتی باہر بھاگ گئی تھی۔

اچانک کوئی چیز بڑے زور سے اس کے پاؤں پر گری تو وہ حواسوں کی دنیا میں لوٹ آئی۔ آئینے کے سامنے بال بناتے ہوئے وہ نہ جانے ماضی کے



کس سفر پر جا نکلی تھی۔ ماضی آہ کیا اس کا پیار اس کا ماضی بن گیا۔ وہ حسین پل جو ابھی مکمل طور پر کشید بھی نہ کیے تھے ماضی کا حصہ بن گئے۔ ایک نمکین پانیوں کا گولہ اس کے گلے میں آ اٹکا تھا وہ بالوں کو سلجھائے بغیر وہاں سے اٹھ گئی تھی۔

''جب اتنی دور چلے ہی گئے ہو تو پھر بار بار کیوں خیالوں میں آ جاتے ہو۔ کیوں تمہاری یادیں میرا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔'' وہ بے بسی سے آنسو بہاتی نیچے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

وقت نے کیسے پلٹا کھایا تھا کہ محبت بڑی آزمائش بن کر آئی تھی۔

☆......☆

''امی پلیز! مت ایسے رات بھر بیٹھی رہا کریں۔ آپ کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں رہتی۔ ایسے تو آپ اور بیمار پڑ جائیں گی۔'' ایاز رات کے پچھلے پہر پانی لینے کے لیے کچن میں آیا تو لاؤنج میں بیٹھی نغمانہ بیگم کو دیکھ کر ان کی جانب چلا آیا۔

''بیٹا نیند ہی تب آتی ہے جب سکون ہو اور میرا تو سکون ہی لٹ گیا ہے۔'' وہ بھرائی آواز میں بولتے بولتے یکدم پھوٹ کر رو دی تھیں۔

''امی حوصلہ کریں، بس ایسے ہی اللہ کی مرضی تھی۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ انس اللہ کی راہ میں دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوا ہے۔'' ایاز نے انہیں بانہوں میں بھرتے ہوئے دلاسے بھرے لہجے میں سمجھایا تھا۔

''بیٹا! خوش ہوں اور اللہ کی رضا میں راضی بھی ہوں۔ پر ماں ہوں ناں اور ماں کا دل پھر ضد کرنے لگتا ہے۔'' وہ جیسے بے بسی کی انتہا پر تھیں۔

''امی جان آرام کر لیں صبح کاذب ہونے میں اب کچھ وقت باقی ہے۔'' وہ انہیں اٹھاتے ہوئے بولا تو وہ اس کو دیکھ کر رہ گئیں۔

''تم جاؤ بیٹا! میں اب فجر کی نماز پڑھ کر ہی سوؤں گی۔''

☆......☆

بادلوں نے آج صبح ہی سے آسمان پر اپنا تسلط جمایا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں، سرسراتی گنگناتی ہوئی دھرتی کے باسیوں کو ایک فرحت انگیز احساس بخش رہی تھیں۔ دن دوپہر کا تھا پر سماں شام کا سا لگ رہا تھا۔ بیگم اشتیاق کے بھائی اور بھابی آئے ہوئے تھے اور مزنہ اور وہ کچن میں کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔

''مزنہ! اب ٹرائفل فریج میں رکھ دو اور بریانی کو میں نے دم لگا دیا ہے۔ میں شاور لے آؤں اتنی دیر میں تم کھانے کے برتن لگا دو۔'' وہ اسے ہدایات دینے لگی اور ساتھ ہی کچن میں بکھرا سامان سمیٹنے لگی تھی۔

''علیشہ! تم جاؤ میں کر لوں گی۔'' مزنہ نے کہا تو وہ کچن سے نکل کر سیدھی اپنے روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔ خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا تھا۔

کھانے کے بعد مزنہ نے سب کے لیے گرین ٹی بنائی اور چند اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ دونوں اپنے مشترکہ روم میں چلی گئی تھیں۔ کیونکہ بیگم اشتیاق نے انہیں وہاں سے اٹھنے کو کہا تھا۔

''جی بھابی! اب بتائیں؟'' جس وجہ سے وقار اور بیگم وقار ان کے گھر آئے تھے۔ وہ موضوع ڈسکس ہونے لگا تھا۔

''آپا! ہم آج آپ کی طرف ایک اہم کام سے آئے ہیں۔'' بیگم وقار بولیں تو بیگم اشتیاق اچنبھے سے انہیں دیکھنے لگیں۔

''کہو صبا کیا بات ہے؟''

''وہ آپا! ہم علیشہ بیٹی کے لیے ایک رشتہ لائے تھے۔'' ان کی اس بات پر بیگم اشتیاق نے انہیں حیرانی سے دیکھا۔

"پر علیشہ تو ابھی پڑھ رہی ہے صبا۔" بیگم اشتیاق جواباً گویا ہوئیں۔

"بھائی رشتہ بہت اچھا ہے اس لیے مجھے انہیں دوٹوک انکار کا جواز نہیں ملا۔ نغمانہ بیگم میری بہن کی بہت اچھی دوست ہے۔ نغمانہ نے شازیہ (بہن) سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا بہت اچھی سلجھی اور شریف فیملی ہے۔ ہماری علیشہ بہت خوش رہے گی۔" صبا ان کی تعریفوں میں رطب اللسان تھیں۔

"بات تو ٹھیک ہے تمہاری پر......!" بیگم اشتیاق لحظہ بھر رک سی گئیں۔

"آپا! میں بذات خود بھی ان کی فیملی سے ملا ہوں بہت اچھے لوگ ہیں۔ میری تو کوئی بیٹی ہے نہیں ورنہ میں رشتہ جوڑنے کو پل بھر نہ لگاتا۔" آخر میں وقار یہ کہتے ہوئے آبدیدہ سے ہو گئے تھے۔ صبا اور وقار اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ اس لیے مزنہ اور علیشہ کو اپنی خاص توجہ واہمیت دیتے تھے۔

"پلیز وقار ایسے مت کہو مزنہ اور علیشہ تم لوگوں کی تو ہیں۔"

"تو پھر آپ انکار مت کیجیے۔" صبا بولی۔

"لڑکا کیا کرتا ہے؟"

"آرمی میں ہے۔"

"تم لوگ جانتے ہو اشتیاق کے جانے کے بعد میں نے کیسے حالات کو فیس کیا ہے، تم لوگوں کا اگر ساتھ نہ ہوتا تو میں تن تنہا کہاں تک دو بیٹیوں کو لے کر دنیا کا مقابلہ کرتی۔" گزرتی زندگی کی تلخ یادیں ان کے چہرے پر پرچھائیں بن کر امڈ آئی تھیں۔

"آپا! ایسے مت کہیں آپ ہمارے لیے بہت اہم ہیں۔" صبا ان کے قریب آ کر اپنے بازوؤں سے ان کے گرد حصار قائم کرتے ہوئے بولی تو وہ اس کی محبت پر مسکرا دیں۔

"جیتی رہو۔" انہوں نے دل سے دعا دی تھی۔

☆......☆

"واہ علیشہ تمہارے تو وارے نیارے ہی ہو گئے۔" جب سے بیگم اشتیاق نے علیشہ سے بات کی تھی مزنہ نے اسے چھیڑ چھیڑ کے اس کا ناک میں دم کر دیا تھا۔

"مزنہ! اب پٹو گی مجھ سے۔" وہ غصے سے اسے گھورنے لگی۔

"یعنی کے ہمارے جیجا جی کا تعلق آرمی سے ہے۔ واہ ان بلیوا ببیل اب میں دیکھنا اپنی دوستوں کو کیسے جلاؤں گی۔"

"اوہ...... شیخ چلی کی چیلی خواب دیکھنا بند کرو اور امی کے سامنے زبان بند ہی رکھنا۔" علیشہ نے اسے ڈپٹا تھا۔

"ویسے آپی! کیا جواب دو گی امی کو۔" مزنہ ایسے ہی من موجی ٹائپ لڑکی تھی۔ موڈ ہوتا تو اپنے سے دو سال بڑی علیشہ کو کبھی آپی اور کبھی نام سے بلا لیتی تھی۔

"مجھے کیا پتا امی جو بہتر سمجھیں۔" یہ کہتے ہوئے ایک فطری سی شرم اس کے چہرے کا احاطہ کرنے لگی۔

"ہائے ہماری بنو شرما رہی ہے۔" مزنہ پرشور ہوئی۔

"رکو مزنہ کی بچی۔" وہ اسے مارنے کو لپکی لیکن وہ اسے طرح دیتی کمرے سے بھاگ گئی تھی۔

☆......☆

"مجھے لگتا ہے یہ کانچ کی نازک چوڑیاں صرف تمہاری ہی نازک کلائیوں کے لیے بنی ہیں۔" سرخ سبز رنگ کی چوڑیاں اس کی کلائی میں ایک ایک کر کے پہناتا جا رہا تھا۔

"انس میں خود پہن لوں گی۔" وہ اس کی سگنل دیتی نگاہوں کے اشارے سمجھ گئی تھی۔



"یار شوہر اتنے پیار سے پہنا رہا ہے پہن لو کیا قباحت ہے۔" وہ معصوم سا گویا ہوا۔

"اور یہ جو شوہر کی رگ ظرافت ہے ناں وہ پھر پھڑکنے کو تیار ہے۔" وہ اس کی لودیتی نگاہوں سے چہرہ موڑ گئی تھی۔

"کبھی تو یار رومانس میں ساتھ دے لیا کرو، ہمیشہ دادی اماں کا رول اپنائے ہوئے ہوتی ہو۔" وہ بدمزہ سا ہو گیا تھا۔

"ہاں ہاں اور بھی القابات نوازیں جیسے میں بوڑھی روح ہوں۔ پیار کی زبان بلکہ آنکھیں نہیں سمجھتی اور اور......" وہ یاد کرنے لگی۔

"ارے بس جان! تم آج اتنی پیاری لگ رہی ہو، دل چاہ رہا ہے شادی پر لے جانے کی بجائے کہیں اور بھگا کر لے جاؤں۔" وہ اس کے گرد حصار باندھنے لگا تھا۔

"اب اگر آپ کا رومانس ختم ہو گیا ہو تو چلیں، نیچے سب ویٹ کر رہے ہیں۔" وہ اس کے حصار کی قید کاٹتے گویا ہوئی۔

"بہت ظالم ہو قسم سے۔" وہ اپنے صبیح چہرے پر معصومیت طاری کرتے ہوئے بولا تو علیشہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

وہ دونوں ایک ساتھ سیڑھیوں سے نیچے اترے تھے اور نیچے کھڑے افراد خانہ نے اس جوڑی کو نظر نہ لگنے کی دعائیں دی تھیں۔ بلیک جیکٹ نما شیروانی پہنے دراز قد میں نمایاں کوئی اطالوی شہزادہ لگ رہا تھا۔ جب کہ علیشہ نے سلور اور بلیک کلر کا راجستھانی فراک پہنا ہوا تھا۔ جس کی جالی دار آستینوں پر ننھے منے ڈھیر سارے موتی جگمگا رہے تھے۔ دونوں شاندار لگ رہے تھے۔ پورے ہال میں لوگوں کی نظریں ان دونوں کا احاطہ ہی کرتی رہی تھیں۔

☆......☆

"امی! جو آپ کو صحیح لگے۔ آپ ہم سے بہتر فیصلہ کر سکتی ہیں۔" اس نے فرمانبردار اولاد کی طرح اپنی خوشیوں کی ڈور اپنے والدین کو سونپ دی تھی۔ یہی عقل کا تقاضا تھا۔ کیونکہ یہ بات سو فیصد سچ ہے۔ جو بچے والدین کے فیصلے کو مقدم جانتے ہیں وہ زندگی میں ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔ علیشہ نے بھی اپنی رضامندی بیگم اشتیاق کو سونپ دی تھی اور بیگم اشتیاق اس کی جانب سے اتنا مان پا کر خوش ہو گئی تھیں اور بے ساختہ ان کے دل سے اس کی دائمی خوشیوں کے لیے کئی دعائیں نکلی تھیں۔

☆......☆

اس مرتبہ وہ پورے ایک ماہ بعد گھر آیا تھا۔ ملک کے حالات کافی حساس نہج پر تھے جس کے باعث آرمی کو کبھی بھی کہیں بھی کسی بھی وقت بلا لیا جاتا تھا اور کیپٹن انس کی تو تعیناتی بھی کافی حساس جگہوں پر ہوتی تھی۔ انس کی بہادری کی بدولت اسے ہر مشن میں بطور خاص شامل ہونے کی اطلاع دی جاتی جس کی بدولت وہ کسی بھی وقت ڈیوٹی پر اپنا فرض سرانجام دینے کے لیے نکل جاتا تھا۔ اس دفعہ بھی وہ اپنے اوپر عائد کئی ذمہ داریاں پوری کر کے آیا تھا اور اس مرتبہ جب گھر آیا تو آگے موجود خبر نے یکدم اسے ساکت کر دیا تھا۔

"شادی!" تین لفظ بھی جیسے اٹک اٹک کر نکلے تھے۔

"ہاں انس! میں نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔" نغمانہ بیگم تو سب جیسے پہلے ہی طے کر کے بیٹھی ہوئی تھیں۔

"امی مجھ سے پوچھے بغیر۔"

"کیوں اب مجھے تم سے رضامندی لینے کی ضرورت پیش آئے گی۔" انہوں نے اسے گھورا۔

"نہیں میں نے ایسا تو نہیں کہا لیکن......"

"اب کوئی لیکن ویکن نہیں سنوں گی میں، انس

اب میں تھک چکی ہوں۔ مجھ اکیلی سے اب اس گھر کی ذمہ داریاں نہیں سنبھالی جاتیں۔ ایاز کی دلہن لے کر آئی تو وہ بھی فقط دو سال بعد ایان کو ہماری گود میں ڈال کر چل بسیں۔ اس وقت ہڈیوں میں دم خم تھا تو اتنا سب کچھ سہہ برداشت کرلیا لیکن اب تو مجھے لگتا ہے جیسے میں بس اپنی زندگی کی بازی ہار رہی ہوں۔'' ان کے آخری جملے پر انس تڑپ کر ان کے سینے سے جالگا تھا۔

''مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے۔ پر پلیز آئندہ کے بعد ایسی بات منہ سے نہ نکالیے گا۔'' وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا اور ان کا ہاتھ کسی قیمتی متاع کی طرح تھام کر چومنے لگا۔ نغمانہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی پر محبت بھرا بوسہ دیا۔

☆......☆

اور پھر یوں جٹ منگنی پٹ بیاہ والا حساب ہوا۔ انس کے آتے ہی ایک ہفتے کے اندر، علیشہ اشتیاق کے جملہ حقوق انس بلال کے نام کر دیئے گئے اور یوں علیشہ بابل کا انگنا چھوڑے پیا انگنے اپنے ساجن کے ہمراہ ایک نئی منزل کی ہمراہی میں چلی آئی۔ شادی کی پہلی رات ہی ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا اور پہلی نظر کا دیکھنا ہی دونوں کو محبت کی اڑان بھرنے پر مجبور کر گیا تھا۔

''مجھے اگر پہلے معلوم ہوتا کہ میری بیوی اتنی خوب صورت ہوگی تو میں فٹ ہی شادی کے لیے ہاں کر دیتا۔'' وہ اس کے کانوں میں شوخ رعنائیوں بھرے میٹھے بول انڈیلتا جا رہا تھا اور وہ اس کی شوخیوں بھری گستاخیوں سے گلال ہوتی جا رہی تھی۔

''مم...... میں چینج کرلوں۔'' وہ یکدم اس کے حصار سے گھبرا کر نکلی تھی اور وہ یوں اس کے بھاگنے پر قہقہہ لگا کر رہ گیا تھا۔

''کہاں تک بچو گی علیشہ انس بلال اب تو تمہاری ہر منزل کا راستہ مجھ تک ہی آتا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔

☆......☆

اور پھر آنے والے دنوں نے ان دونوں کو محبت کی بھول بھلیوں میں اور گم کر دیا۔ ڈیڑھ ہفتہ یوں ایک دوسرے کی سنگت میں گزرا کہ دنوں لمحوں کا وہ حساب بھول بیٹھے تھے اور پھر آخر انس کے جانے کا وقت آ گیا اور جانے کا سن کر علیشہ کا دل تھم سا گیا تھا۔

''تم رو رہی ہو۔'' وہ کمرے میں آیا تو وہ آگے صوفے پر بیٹھی ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

''انس پلیز مجھے چھوڑ کر مت جائیں۔'' وہ اس کے کشادہ سینے سے لگی التجا کرنے لگی تھی۔ انس ضبط جذبات سے ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

''ادھر میری طرف دیکھو۔'' وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے ہوئے بولا۔

''تم اتنی بزدل ہوگی یہ میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔'' وہ سر جھکا گئی تھی۔

''تم کیپٹن انس بلال کی محبت ہو اور میری محبت اتنی کمزور اور بزدل نہیں ہوسکتی۔''

''میں کمزور نہیں ہوں۔'' وہ سوں سوں کرتے ہوئے بولی۔

''اچھا تو پھر یہ سیلاب کس خوشی میں امڈ رہا ہے۔'' وہ اس کے آنسوؤں کو اپنی پوروں سے سمیٹتے ہوئے بولا تو وہ جھکا سر مزید جھکا گئی۔

''دیکھو علیشہ آج میں تم سے چند باتیں کرنے جا رہا ہوں جو میرے خیال سے بہت ضروری ہیں۔'' وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

''ہر وطن کے رکھوالے کی پہلی محبت اس کی دھرتی اس کے وطن سے ہوتی ہے۔ یہ گھریلو محبتیں تو دوسرے نمبر پر آتی ہیں۔ ہم رشتوں کو تو چھوڑ سکتے



ہیں پر وطن کی محبت کو اپنے سے الگ نہیں کر سکتے۔ یہ محبت ہمارے خون کی ایک ایک بوند میں رچی بسی ہوتی ہے ہمارے خوابوں میں بس اسی کا بسیرا ہوتا ہے اور ہم ان محبتوں کی خاطر اس قرضِ محبت کو قطعی فراموش نہیں کر سکتے۔'' وہ جو کچھ اسے سمجھانا چاہ رہا تھا کہنا چاہ رہا تھا وہ شاید سمجھ رہی تھی۔ یا نہیں پر انس چاہتا تھا وہ جانے سے پہلے محبتوں سے گندھی اس کانچی لڑکی کو ہنستا چھوڑ کر جائے۔ وہ خود مطمئن احساس کر پاتے یہاں سے اپنے فرض کی تکمیل کے لیے روانہ ہو۔

''ایم سوری انس۔'' وہ شرمندہ سی بولی تو انس نے خوشی و سرشاری سے بھرا سانس لیا۔

''تھینکس علیشہ، مجھے یقین تھا تم میری ذمہ داریوں کو سمجھو گی۔'' وہ اسے اپنے ساتھ لگاتے بولا تھا۔ وہ بظاہر مسکرا دی۔ اندر کا درد چھپائے اندر ہی بھل بھل بہتے آنسوؤں کو بہاتے وہ مسکرا رہی تھی۔

''بس ہر نماز کے بعد دعا کرنا کہ تمہارا انس اپنے فرض کو تکمیل تک پہنچا سکے اور یا غازی بن کے لوٹے یا شہید۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تو علیشہ چہرہ موڑ گئی۔

''میں ہر پل اپنی دعاؤں میں آپ کو یاد رکھوں گی انس۔'' وہ مسکرائی تھی اور دل کو مضبوط کیے انس کو الوداع کہہ آئی تھی۔

☆......☆

''چاچی میں آجاؤں؟'' ایان دروازے پر کھڑا اجازت لیتے بولا تھا۔

''آجاؤ ایان۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے پاس آئی۔

''چاچی مجھے آپ سے ایک کام تھا۔''

''جی چاچی کی جان بولیں۔'' اس نے اس کے دونوں بھرے ہوئے گالوں پر بوسہ دیتے پوچھا۔

''چاچی ہمارے اسکول میں نیکسٹ ویک 14 اگست ہے مجھے تقریر کرنی ہے آپ میری ہیلپ کر دیں۔''

''اوہ ضرور میں شام کو آپ کے روم میں آکر تیاری کرواتی ہوں۔ ابھی آپ جا کر کھیلو۔'' دوسری جانب اس کے نمبر پر انس کی کال آرہی تھی۔

''اوکے چاچی۔'' وہ چھلانگیں لگاتا دروازہ پار کر گیا۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام کہاں مصروف تھیں؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''جی وہ ایان کے ساتھ تھی۔''

''ہوں ہمارے بغیر آخر دل لگا ہی لیا جناب نے۔'' وہ شوخی سے گویا ہوا تو اس کے آنسو پلکوں کی باڑ توڑنے پر مجبور ہو گئے اور پھر یکدم اسے انس کی رات کو بھیجی نظم دوبارہ یاد آنے لگی۔

''کہاں گم ہو گئیں۔'' وہ اسے خاموش پا کر گویا ہوا۔

''انس آپ کا مشن کیسا جا رہا ہے؟'' اس نے بات کا رخ ہی موڑ دیا تھا۔

''بس دعا کرنا یار ہمیں صرف دعاؤں کی ضرورت ہے۔''

''اللہ پاک آپ کو کامیاب کرے۔''

''آمین۔'' وہ بولا اور علیشہ اس بات سے قطعی انجان تھی کہ یہ بات چیت ان دونوں کی آخری ملاقات تھی۔

☆......☆

''انس کس آس کی ڈوری میں باندھ گئے ہو تمہاری یادیں مجھے پاگل کر دیں گی۔'' بارش کی بوندیں اسے بھگوتی جا رہی تھیں۔ پر وہ ٹیرس پر کھڑی ہر احساس سے ماورا اس انس کو سوچے

جارہی تھی جو اس کے دِل کی دھڑکن تھا۔ اس کی زندگی تھا۔

''علیشہ چلو یہاں سے۔'' مزنہ تقریباً اسے کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آئی تھی۔

''مرنے کا بہت شوق ہے کیا۔'' وہ اسے زور سے جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔

''ہوش میں آؤ علیشہ کب تک حقیقت سے نگاہیں چراتی رہوگی۔ انس بھائی اب ہم میں نہیں ہیں۔'' مزنہ کا خود یہ سب باتیں کہتے دل کٹ رہا تھا۔ پر کیا کرتی بہن کو ایسے بھی نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

''مزنہ صرف خبر ہی آئی۔ شاید خبر جھوٹی ہو۔''

''آرمی والے جھوٹ نہیں بولتے۔ انس بھائی جس مشن پر گئے وہاں سے واپس نہیں لوٹے جس کا مطلب یہی ہے کہ......'' مزنہ رک گئی۔ کیونکہ دروازے کی دہلیز پر بیگم اشتیاق کھڑی تھیں۔

''علیشہ تم کیوں یہ سب قبول نہیں کرتیں۔''

''امی!'' وہ ان کے گلے لگے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

''دیکھو بیٹا! تمہارا اور انس کا ساتھ یہیں تک تھا۔'' بھول جاؤ سب اور زندگی کو نئے سرے سے شروع کرو ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔'' بیگم اشتیاق کی باتوں نے لحظہ بھر علیشہ کو چونکایا تھا۔

''آج تمہارے ماموں ممانی آرہے ہیں جلدی سے تیار ہوجاؤ۔'' وہ اسے تسلی دلاسے دیتیں کمرے سے نکل گئی تھیں جب کہ وہ فقط یہی سوچ کر رہ گئی تھی کہ کیا پہلی محبت کو بھولانا اتنا آسان ہے؟

☆......☆

رات کہر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ سیاچن کے برف پوش پہاڑ ہزاروں داستانیں اپنے اندر سموئے کھڑے تھے۔ فضا میں دھند اس نوعیت کی تھی کہ اپنا ہی ہاتھ دیکھنے پر دکھائی نہ دیتا۔ ایسے منظر میں اچانک دو نفوس کی کراہنے کی آوازیں فضا میں ایک اودھم پیدا کرنے لگی تھیں۔ برفیلی زمین میں کمر تک یہ دو نوجوان دھنسے اپنی پوری جدوجہد کے ساتھ باہر نکل رہے تھے مگر ان کی کوششیں لاحاصل ٹھہر رہی تھیں۔ سیاہ آسمان پر چمکتا چاند اپنی پراسرار روشنی ہر سو پھیلائے ہوئے تھا۔

''ہادی۔'' پہلے نفوس نے لڑکھڑاتے لہجے میں اپنے دوسرے ساتھی کو آواز دی۔

''سس......سنو میں یہاں ہوں۔'' ہادی چند قدم کے فاصلے پر کراہتے ہوئے بولا۔

''تت......تم ٹھیک ہو؟'' پہلے نفوس نے اپنی حالت کو بھلائے دوسرے ساتھی کو پریشانی میں دیکھ کر پوچھا تھا۔

''سر میں اپنی ٹانگیں نہیں نکال پا رہا۔'' وہ اپنی پوری زور آزمائی لگاتے ہوئے بول رہا تھا۔

''ہمت رکھو، بس ایسی کوئی چیز مل جائے جس سے میں تم تک پہنچ سکوں۔'' وہ اپنی پوری طاقت لگاتے اپنی ٹانگیں باہر نکالنے کی جدوجہد میں تھا لیکن سیاچن کی بے رحم برف اپنی پوری طاقت سے انہیں اپنے اندر کھینچ رہی تھی۔

''بس ہادی ہمت مت ہارنا اور کوشش کرو۔''

''سر! میں اب لگتا ہے اس دلدل کے نیچے کھنچا جا رہا ہوں۔'' ہادی کی آواز کپکپا رہی تھی۔

''نہیں تم اپنے دماغ کو بحال رکھو۔'' وہ اسے نیچے کی جانب سرکتا دیکھ کر چیخ کر بولا۔

''ہادی میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔''

''سر! مجھے معاف کر دیجیے گا بس آپ کا اور ساتھ نہیں دے سکتا۔'' ہادی کی آواز پست ہو رہی تھی۔

''یہ لو رسی ہادی اسے پکڑو جلدی۔'' اچانک پہلے نفوس نے دماغ کے کام کرنے پر اپنے گرد باندھی رسی ہادی کی جانب پھینکی تھی۔

''ہادی! پکڑو اسے۔'' وہ نیچے ہوتے بول رہا تھا۔

''جی میرے ہاتھ میں رسی آگئی ہے۔'' ہادی نے رسی کو تھام لیا تھا۔

''میں کھینچتا ہوں تم بس ہمت رکھو۔'' وہ اپنی پوری طاقت لگاتے اسے کھینچ رہا تھا اور بالآخر ہادی باہر نکل آیا۔

''سر! آپ نہ ہوتے تو شاید......'' ہادی نے اسے بازو سے پکڑ کر باہر نکالا تو وہ بے دم سا وہیں برفیلی زمین پر اوندھا پڑ گیا۔

''ہمیں اپنی آخری بچی کچی سانس تک لڑنا ہے سمجھے۔'' وہ پھولتے ہوئے سانس کے ساتھ بولا تھا۔

''ہمارے مشن کی کامیابی ہی ہمارا اصلی مقصد تھا جو ہم نے پورا کر دیا اب آگے بھی ہم پست نہیں ہوں گے۔''

''سر! ہم ابھی بھی دشمن کی سرحد میں ہیں۔ ہمیں بہت ہوشیاری سے یہاں سے باہر نکلنے کا رستہ ڈھونڈنا ہوگا۔'' ہادی نے کیپٹن انس کو دوبارہ بیٹھتے ہوئے دیکھ کر کہا تھا۔

☆......☆

تقریروں کی حد تک تو ہم پاکستان کی سربلندی کے لیے ایسے ایسے قلابے ملاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے مگر جہاں عملی کام کرنے کی بات آتی ہے تو ہم بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے؟ چودہ اگست کا دن تو اب ہمارے لیے ایک تفریحی شو بن گیا ہے۔ بس اس دن گھر کو جھنڈیوں سے سجا لینا۔ بائیکوں پر آوارہ لڑکوں کا ون ویلنگ کرنا، الٹے سیدھے کرتب دکھانا کیا یہ پاکستان کے لیے ہماری محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے؟ یہ جو ہمارا ملک ہے جو ہمارے بزرگوں نے اتنی قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے کیا صرف اس لیے حاصل کیا تھا کہ ہم یہ سب کچھ کرتے پھریں ہم یہ بات ہمیشہ کیوں بھول بیٹھتے ہیں۔ آج جو ہم اتنی آرام دہ شاہانہ زندگی گزار رہے ہیں اس پاکستان کی بدولت ہے جسے ہم تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کیا بابائے قوم نے ہمیں اسی لیے یہ ملک دیا تھا کہ ہم اسے برباد کرتے پھریں؟ نہیں اس ملک کو حاصل کرنے کے لیے لہو بہانے والوں کا لہو اتنا سستا نہیں کہ وہ رائیگاں جائے۔ پاکستان ہمیشہ رہتی دنیا تک اسی طرح شان و شوکت سے قائم و دائم رہے گا لیکن جو ہم سب یہ الٹا سیدھا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اس سے پاکستان کا تو نہیں ہمارا ہی نقصان ہو رہا ہے۔ ابھی بھی وقت ہے سنبھلنے کا۔

بات کا اصل مقصد یہی ہے کہ پاکستان کو ہمارے خالی خولی دعوؤں تسلیوں کی ضرورت نہیں ہے، عملی کاموں کی ضرورت ہے اور عملی کام ہی ہمیں تخت و تاج کا رستہ دکھا سکتے ہیں۔''

اسکول پرنسپل کی تقریر کے اختتام پر پورا پنڈال زوردار تالیوں کی گونج سے تھرک اٹھا تھا۔ ایان بھی زور زور سے تالیاں پیٹ رہا تھا۔ جب کہ اس کے ساتھ بیٹھی علیشہ سوچ رہی تھی کہ جب ہر پاکستانی کی سوچ ایسی ہوجائے تو کوئی بڑی طاقت ہمارے راستے میں رکاوٹ نہ ڈال سکے۔

☆......☆

''آپ علیشہ کو کہیں جاب کرنے دیں شاید ایسے وہ اس واقعے سے نکل آئے۔'' صبا نے اپنی طرف سے ایک مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔

''اب تم ہی قائل کرو اسے، ہم تو اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکے۔'' بیگم اشتیاق کی آواز میں صدیوں کی سی تھکن تھی۔

''آپا بات ہی اتنی بڑی ہے، علیشہ کا بھی طرز عمل کچھ غلط نہیں۔'' صبا خود بھی ازحد رنجیدہ تھی۔

''مگر نہیں سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے، ایسے اگر ایک

شخص مرجائے تو پھر ساری دنیا ہی نہ اس کے پیچھے مرجائے زندگی صرف ایک شخص پر آکر ختم نہیں ہوتی۔'' بیگم اشتیاق بولی تھیں۔

''آپا! ابھی زخم تازہ ہے۔ سنبھل جائے گی۔''

''سنبھلنا پڑتا ہے صبا ورنہ پہاڑ جیسی زندگی ایسے تو نہیں گزرتی۔''

''میں سمجھاؤں گی اسے اور جاب کے لیے قائل بھی کروں گی۔'' صبا نے جیسے انہیں تسلی دینی چاہی۔

''تم بھی کوشش کرلو۔''

☆......☆

وہ دن بھی عام دنوں جیسا تھا۔ جب اس حادثے نے علیشہ کی پوری زندگی کو اتھل پتھل کردیا تھا۔ صبح سے ہی گرمی کی شدت میں کافی اضافہ ہورہا تھا۔ علیشہ نے گھر کی ملازمہ کے ساتھ گھر کے کام کیے اور فارغ ہو کر ٹی وی کے آگے آبیٹھی۔ نغمانہ بیگم اور آپا کسی عزیز کے ہاں گئے ہوئے تھے جب کہ ایاز انس کے کام کے سلسلے میں پچھلے دو دن سے لاہور گئے ہوئے تھے۔ ٹی وی پر کوئی مارننگ شو چل رہا تھا۔ ابھی اسے ٹی وی دیکھتے آدھا منٹ بھی نہ گزرا تھا کہ اچانک لینڈ لائن کی گھنٹی زوروشور سے چنگھاڑ اٹھی۔

''ہیلو۔'' اس نے لپک کر فون اٹھایا۔

''آپ کیپٹن انس کے گھر سے بول رہی ہیں؟'' دوسری جانب سے کافی تیزی سے پوچھا گیا۔

''جی میں ان کی مسز بات کررہی ہوں۔'' وہ بولی۔

''ہمیں انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ کیپٹن انس ایک مشن کی تکمیل کے دوران شہید ہوچکے ہیں۔'' یہ کوئی بم تھا جو علیشہ کے سر پر گرا تھا۔ فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جاگرا تھا جب کہ وہ لہرا کر پاس ہی رکھے صوفے پر گر گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھاتا جارہا تھا اور چند لمحوں بعد ہی وہ ہوش وخرد سے بیگانہ ہو کر وہیں ایک جانب لڑھک گئی تھی۔

☆......☆

یہ خبر کسی قیامت کی طرح دونوں گھرانوں پر ٹوٹ کر گری تھی اور سب سے زیادہ دکھ والی بات یہ تھی کہ میت کا آخری دیدار بھی ان کے نصیب میں نہ تھا۔ کیونکہ یہ مشن اس نہج کا تھا کہ میت تو ساتھ لانا دور کی بات یہ پتا کرنا بھی مشکل تھا کہ میت کہاں اور کس جگہ ہے اور سیاچن کے ظالم برف پوش پہاڑوں پر کسی کو ڈھونڈنا کجا محسوس کرنا مشکل تھا۔ نغمانہ بیگم کی حالت سیریس ہوگئی تھی جس کے باعث انہیں ہفتہ بھر اسپتال میں ایڈمٹ کرنا پڑا۔ علیشہ پورے پانچ دن بعد سکتے سے لوٹی تھی اور پھر بہت عجیب سی ہوگئی تھی۔ ہر وقت اکیلی الگ تھلگ رہتی یا روتی رہتی اور یوں ایک ماہ میں انس کی یادیں ایک انمٹ نقوش کی طرح سب کے دلوں پر نقش کر گئی تھیں۔

☆......☆

وہ قل کے بعد بیگم اشتیاق کے ساتھ اپنے گھر چلی آئی تھی۔ اس کے آنے پر کوئی کچھ نہ بولا تھا کیونکہ اس کی ذہنی حالت کافی بکھر چکی تھی۔ نغمانہ بیگم نے نم آنکھوں کے ساتھ اسے اس گھر سے وداع کیا تھا۔ کتنے ارمانوں سے وہ اسے اپنے گھر میں لے کر آئی تھیں۔ پر آہ قسمت بھلا قسمت کے آگے کسی کی کہاں چلی ہے۔ ہنستا بستا گھر یکدم ویران ہوگیا تھا۔

جو محبت ابھی پروان چڑھی ہی تھی زوال کی نذر ہوگئی۔ شاید محبت کے باسیوں کی یہ کہانی بھی ادھوری کہانیوں کی طرح ادھوری رہ گئی تھی۔

☆......☆



رات بیت گئی اور دن چڑھ آیا لیکن یہاں دن ہوتے ہوئے بھی شام کا سا سماں تھا۔ ہر جانب تاحد نگاہ ویرانی ہی ویرانی تھی۔ چاروں جانب برف کے بڑے بڑے تودے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ دونوں پچھلی رات سے اب تک مسلسل سفر میں تھے۔ بغیر راستے کا تعین کیے بس چلتے جارہے تھے۔ پچھلی آدھی رات اور اب آدھا دن بھی گزر چکا تھا لیکن انہیں ایسا کوئی راستہ نظر نہ آیا جس سے وہ یہاں سے باہر نکل سکیں۔

''سر مجھے لگتا ہے ہم راستہ بھٹک چکے ہیں۔'' ہادی ہانپ کر وہیں برفیلی زمین بیٹھ گیا۔

''ہادی! ہم ہار نہیں مان سکتے۔ جب تک جسم میں جان ہے لڑتے رہیں چلو اٹھو شاباش۔'' انس نے اسے کندھے سے پکڑتے ہوئے اٹھایا تھا۔

''سر! کبھی کبھی مجھے اپنے آپ سے بڑی شرمندگی ہوتی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تو انس نے اس کی جانب دیکھا۔

''کیوں!''

''میں آپ جیسا بہادر کیوں نہیں بن پاتا۔''

''تم بہادر ہو تو آج یہاں میرے ساتھ ہو، سمجھے۔'' اچانک ہی انہیں اپنے سے چند میل کے فاصلے پر کسی کی آوازیں سنائی دینے لگی۔

''چھپ جاؤ۔'' انس نے فوراً سرگوشی میں کہا اور وہ دونوں قریب ہی بنے ایک برف سے ڈھکے پتھر کی آڑ میں ہوگئے۔

انڈین آرمی کے چند لوگ وہاں سے گزر رہے تھے جو شاید یہاں کا جائزہ لینے آئے تھے۔

''میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی ہے۔'' انس نے یکدم کچھ سوچتے ہوئے ہادی سے کہا۔

''جی سر۔'' اور پھر وہ اسے سب بتانے لگا۔

''سر! پر ہمیں یہ کام چوکنا ہو کر انجام دینا ہوگا۔''

''ظاہر ہے ایک ذرا سی لغزش بھی ہمیں اوپر پہنچا سکتی ہے۔'' انس نے اب کے مزاحیہ انداز میں کہا تو ہادی ہنس دیا۔

''چلو اب ہم اپنا یہ خود ساختہ مشن سرانجام دینے کے لیے نکلیں۔'' دونوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اپنے مشن کی پایہ تکمیل کے لیے نکل گئے۔

☆......☆

ہفتہ پہلے وہ جس اسکول میں جاب کی ویکنسی جمع کرا کے آئی تھی وہاں سے جواب مثبت آیا تھا کیونکہ یہ آرمی والوں کا اسکول تھا۔ اس لیے انس کی وجہ سے اسے بغیر میرٹ کے جاب دے دی گئی تھی حالانکہ اس کی اپنی تعلیمی اسناد ایم اے انگلش تھی پر پھر بھی وہ اس بات پر زیادہ خوش تھی کہ یہ جاب اسے انس کے نام کی وجہ سے ملی۔

''میرا نام ہمیشہ تمہارے ساتھ ہی جڑا رہے گا۔'' وہ زیرلب مسکرائی تھی۔

دن رات اپنی ڈگر پر رواں دواں تھے۔ انس کو ان سے بچھڑے چھ ماہ اور سات دن ہوگئے تھے۔ بظاہر دیکھا جائے تو سب ایک مرتبہ پھر زندگی کی جدوجہد میں آگے بڑھنے لگے تھے۔ یہی دنیا کی ریت تھی یہی دستور۔ رہی دل کی بات تو اس کے گھاؤ بھی آہستہ آہستہ بھر ہی جاتے۔ بھرنا ہی تھا کیونکہ زندگی جمود کا شکار کبھی نہیں ہوتی۔ زندگی ہلچل کا نام ہے زندہ دلی کا نام ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں زندگی کے ان اصولوں کو ماننا پڑتا ہے۔ برتنا پڑتا ہے۔ کسی ایک کے چلے جانے سے زندگی رکتی نہیں ہے رکنا اس کی سرشت میں شامل ہی نہیں ہے یہ تو وقت کے ساتھ آگے ہی آگے بڑھتی چلی جاتی ہے۔

☆......☆

وہ دونوں انتہائی احتیاط سے ان کے پیچھے ہو لیے تھے۔ کیونکہ یہی ایک رستہ تھا جو انہیں یہاں

سے نکال سکتا تھا۔ یہ ان کے لیے ایک بہت بڑا خطرناک رسک تھا لیکن انہیں اللہ پر کامل بھروسہ تھا اور جو اللہ کے بھروسے چلتے ہیں وہ کبھی مات نہیں کھاتے۔ دو جگہ انڈین آرمی کے لوگ کے تھے اور یہیں سے انس اور ہادی نے موقع کا فائدہ اٹھایا تھا جہاں دو انڈین آرمی کے بندے رکے اس جگہ برفیلے پتھر ہی پتھر تھے۔ اونچے نیچے پتھر۔ انس نے اللہ کا نام لے کر ایک پتھر سے انڈین فوجی کے سر پر وار کیا اور پھر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے ہمیشہ کے لیے جہنم واصل کر دیا اور وہیں پتھروں کے پیچھے اس کی لاش کو پھینک دیا تھا اور اس انڈین فوجی کا لباس خود پہن لیا۔ بلیک گلاسز اور ماسک کی وجہ سے انہیں پہچاننے کا کوئی خدشہ نہ تھا۔ ہادی بھی دوسرے انڈین کے لباس میں تھا دونوں نے ایک دوسرے کو وکٹری کا نشان دکھایا اور ان سب کی ہمراہی میں چلنے لگے۔ ان لوگوں کی منزل شاید مخالف سمت بنے اپنے کیمپ کی جانب تھی اور یہیں سے انس کے دماغ میں ایک اور منصوبہ بنا تھا اور اس منصوبے پر وہ ہلکے سے مسکرا دیا تھا۔

☆......☆

مزنہ کو دیکھنے کچھ لوگوں نے آنا تھا تو بیگم اشتیاق نے نغمانہ بیگم اور ایاز کو بھی دعوت پر بلا لیا۔ صبا اور وقار بھی مدعو تھے۔ رشتے والے لوگ مزنہ کو پسند کر گئے تھے اور دو ماہ بعد شادی کا کہہ گئے تھے۔ اس وقت وہ سب لاؤنج میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے جب کہ علیشہ، نغمانہ بیگم کی گود میں سر رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔

''علیشہ! دو دن کے لیے ہماری طرف آجاتی۔ آیان اتنا یاد کرتا ہے تمہیں۔'' نغمانہ بیگم نے اس کے گھنے لمبے سیاہ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ آنٹی جاب۔'' وہ ابھی بولی ہی تھی کہ بیگم اشتیاق نے ٹوک دیا۔

''علیشہ نغمانہ بہن صحیح کہہ رہی ہیں تم آج چلی جاؤ، ان کے ساتھ ویسے بھی تمہاری ابھی ہفتے کی چھٹیاں باقی ہیں۔'' بیگم اشتیاق نے اس کے بہانے پر پانی پھیر دیا تھا۔ وہ کیسے بتاتی کہ وہاں اسے انس کی یادیں کسی آکٹوپس کی طرح جکڑ لیتی ہیں اور وہ جس بے چینی سے نکلنا چاہتی ہے وہ دوبارہ اس کے من میں عود آتی ہے۔

''جی اچھا۔'' وہ انکار بھی نہ کر پائی تھی۔

''کب تک وہ ایسی زندگی جیتی رہے گی۔'' اس نے سوچا تھا۔

☆......☆

شام اپنے سلونے پن کے ساتھ نیلگوں آسمان پر پوری آب و تاب کے ساتھ عود آئی تھی۔ اڑتے پنچھی دن بھر کی خواریوں کے بعد اپنے ٹھکانوں پر لوٹ رہے تھے۔ وہ کمرے سے ملحقہ کھڑکی کے سامنے کھڑی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ یہاں آتے ہی پھر اس کی یادوں نے اس کے گرد پہرہ باندھ دیا تھا۔

''ویسے وہ کیا منظر ہوگا جب میں ڈیڈی اور تم ممی بنو گی۔'' وہ نہا کر باہر نکلی تو آگے کمرے میں بیڈ پر آڑھا ترچھا لیٹے انس نے پھلجڑی چھوڑی تھی۔ وہ اس کی بات پر یکدم گلال ہوئی اور تیزی سے صوفے پر پڑا دوپٹہ اپنے گرد پھیلایا۔ گھنے بالوں سے پانی کی بوندیں ہولے ہولے ٹپک رہی تھیں۔

''انس پلیز! کبھی تو سیریس ہو جایا کریں۔'' وہ بولی تھی۔

''چلو سیریس ہو کر پوچھ رہا ہوں۔'' اب کے وہ بیڈ سے چھلانگ لگا کر اس کے قریب جا کھڑا ہوا تھا۔

''راستہ دیں، مجھے کچن میں جانا ہے۔''

''پہلے میرے سوال کا جواب تو دو۔'' اس نے



اس کے گرد حصار تنگ کر لیا۔ وہ مچل کر رہ گئی تھی۔

''انس پلیز چھوڑیں۔'' وہ کسمسائی تھی۔

''پہلے بتاؤ۔'' وہ اڑ گیا۔

''نہایت ہی بدھو لگیں گے۔'' وہ زور سے اسے دھکا دیتی کمرے سے باہر بھاگ گئی جب کہ وہ اس کے بالوں کی خوشبو میں محصور ہو کر آہ بھر کر رہ گیا تھا۔

''ظالم لڑکی۔'' وہ ہلکے سے بڑبڑا کر رہ گیا۔

یکدم کمرے میں کسی کے دستک دینے پر وہ حواسوں میں لوٹی تھی۔

''علیشہ میں اندر آجاؤں۔'' دروازے پر ایاز کھڑے تھے۔

''جی ممانی آیئے۔'' وہ ہڑبڑا کر دوپٹہ درست کرنے لگی۔

''کیسی ہو؟'' انہوں نے شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پر رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''جی ٹھیک ہوں۔'' وہ جھکے سر کے ساتھ بولی تھی۔

''اور کیسی جا رہی ہے جاب؟'' انہوں نے کچھ وقفے کے بعد پوچھا۔

''جی اچھی جا رہی ہے۔'' وہ بولی۔ ایاز جواباً خاموش ہو گئے۔ الفاظ جیسے ختم ہو گئے تھے کہنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔

''علیشہ ایک بات کہوں اگر برا نہ مانو تو۔'' انہوں نے کہا تو وہ چونکی۔

''جی بھائی میں برا کیوں مناؤں گی۔''

''ایک بڑے بھائی کا مشورہ ہے، مجھے برا مت سمجھنا، کوئی غلط خیال دل میں لانا، بس میں چاہتا ہوں میری یہ چھوٹی بہن پھر سے زندگی کی جانب لوٹ جائے، ابھی تمہاری عمر اتنی نہیں ہوئی کہ کوئی اور تمہارا ہاتھ نہ تھام سکے۔ پلیز اپنی زندگی کو نیا رخ دے دو۔'' وہ کہہ کر خاموش ہو گئے جب کہ علیشہ انہیں ساکت آنکھوں کے ساتھ دیکھتی رہی۔

''علیشہ مجھے برا مت سمجھنا۔'' ایاز نے اسے دوبارہ پکارا تو وہ چونکی۔

''بھائی میں آپ کے فیصلے کی قدر کرتی ہوں لیکن جو پہلا شخص میری زندگی میں آیا تھا وہ اب میری پوری زندگی میں شامل ہو چکا ہے اور اگر میں اسے زندگی سے نکالوں گی تو اس کا مطلب اپنی زندگی ہی ہار دوں گی۔'' اس کا لہجہ نم آلودہ اٹل تھا۔ ایاز نے اسے دکھ کے ساتھ دیکھا۔ کیونکہ جو کچھ وہ کہہ چکی تھی اس کے بعد کچھ اور کہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے باہر نکل گئے۔ جب کہ وہ اپنی زندگی پر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

''انس میں تمہاری طرح بہادر نہیں ہوں، وعدہ تو میں نے کر لیا تھا لیکن میں کمزور پڑ گئی، ہاں میں کمزور پڑ گئی، مجھے معاف کر دینا انس میں وہ وعدہ نبھا نہیں پائی جو تم نے جاتے وقت مجھ سے لیا تھا۔'' وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

☆......☆

کسی کو ان پر کوئی شک نہ ہوا تھا۔ وہ ان کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ اب دور سے ان کا بارڈر نظر آ رہا تھا اور دوسری طرف سبز ہلالی پرچم پوری شان و شوکت سے لہرا رہا تھا۔ وہ ہادی کے قریب ہوا۔

''سنو ہادی! چند قدم کے فاصلے پر ایک خفیہ سرنگ ہے، جو سیدھا ہمارے بارڈر میں جا کر نکلتی ہے تم وہاں سے نکل جاؤ۔''

''سر آپ بھی چلیں گے؟'' ہادی نے سوالیہ پوچھا۔

''نہیں تم جاؤ مجھے ابھی ایک اور کام سر انجام دینا ہے۔'' وہ بولا۔

''نہیں سر! میں آپ کے بغیر نہیں جاؤں گا۔''

ہادی نے انکار کیا۔
''یہ میرا آرڈر ہے جاؤ تم۔'' اب کے انس سخت لہجے میں بولا تو ہادی نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا حکم ماننے پر تیار ہو گیا۔
''دعا کرنا یا شہید ہو جاؤں یا غازی بن کے لوٹوں۔'' اس نے کہا اور ان کی سمت آگے بڑھ گیا جب کہ ہادی جھاڑیوں کی آڑ میں کہیں گم ہو گیا تھا۔

☆......☆

ہادی نے ہیڈ کوارٹر پہنچ کر سب کو حیران کر دیا تھا اور پھر پورا واقعہ آکر بیان کر دیا۔ سب ان کی جرأت بہادری کی داد دے رہے تھے۔ اللہ اکبر کے نعرے بلند تھے۔
''انس کہاں ہے؟'' کرنل شہریار نے انس کی بابت پوچھا تو ہادی خاموش ہو گیا۔
''کیپٹن انس کہاں ہیں؟''
''سر! وہ انڈین آرمی کے بارڈر پر بنے مورچے کی جانب گئے ہیں۔''
''گڈ! اس کا مطلب میرا اندازہ ٹھیک نکلا۔'' کرنل شہریار اب کے مسکرائے تھے۔
''کیسا اندازہ؟'' کرنل افتخار نے پوچھا۔
''وہ انڈیا کے بارڈر پر ایک آندھی بن کر گرے گا۔''
''پر اب اس کے گھر والوں کو اطلاع دے دیں کہ وہ زندہ ہے۔'' کرنل افتخار بولے۔
''نہیں افتخار، یہ مشن کامیاب ہو جائے پھر اطلاع دیں گے۔ شہادت کی یا غازی لوٹنے کی۔'' اور پتا نہیں کیوں اس بات پر ہادی کے آنسو بہہ نکلے تھے۔

☆......☆

وہ ان کے خفیہ مورچے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جہاں ان کا اسلحہ وافر مقدار میں موجود تھا۔ اسے بس اب صرف رات کا انتظار کرنا تھا کیونکہ اس کے پاس صرف دو ہی دستی بم تھے جو بھی کرنا تھا ان دو سے ہی کرنا تھا۔ اس نے اللہ کا نام لیا اور ان کے مورچے میں گھس گیا۔ وہ مورچہ تھا کہ اسلحے کی دکان ہر طرف بندوقیں، مشین گنیں، دستی بم اور گولہ بارود کی تہہ لگی ہوئی تھی۔ اس نے سب کی نظروں سے بچتے بچاتے ایک بم ایک کونے میں رکھ دیا جہاں بارود کی تہہ لگی ہوئی تھی۔ ابھی وہ پلٹا ہی تھا کہ انڈین آرمی کے ایک بندے نے اسے جا لیا۔
''تم یہاں کیا کر رہے ہو، باہر نکلو یہاں زیادہ لوگوں کا داخلہ ممنوع ہے۔'' وہ گہری سانس لیتا فوراً باہر نکل آیا۔ ماسک ابھی تک اس کے چہرے پر تھا۔ وہ ان سے دور الگ تھلگ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور رات کا انتظار کرنے لگا۔ انڈین آرمی کے آدھے جوان شراب کے نشے میں دھت ہو کر ایک جانب اونگھ رہے تھے جب کہ باقی سات افراد کا ٹولہ مورچے کے اردگرد کھڑا تھا کیونکہ انڈین آرمی کو یہ یقین تھا کہ ان کے اس خفیہ مورچے کا کسی کو علم نہیں تھا اور یہ بے خبری ہی انہیں جہنم واصل کرنے والی تھی۔

☆......☆

آج چھ ماہ اور بیس دن کے بعد وہ اس کے سامنے موجود تھا۔ وہ ابھی تک ساکت نگاہوں سے اسے تک رہی تھی جیسے ابھی وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ انس واپس لوٹ آیا تھا۔ یہ خواب تھا یا حقیقت! جس شخص کے وہ قل کرا چکے تھے اس پر فاتحہ پڑھ چکے تھے اس کے لوٹنے کی امید تک کا خیال دل میں نہ لائے تھے۔ وہ یکدم ان کے سامنے آموجود تھا۔ یہ قدرت کا کیسا معجزہ تھا۔ انس نے بڑی بہادری اور دلیری کے ساتھ انڈین آرمی کو اور ان کے مورچے کو جہنم واصل کیا تھا اور جواباً بھاگتے ہوئے وہ گولیوں کا نشانہ بنتے ہوئے اپنی سرزمین پر آگرا تھا۔ گولیاں اس کے پیٹ اور



بازوؤں میں لگی تھیں جس کی وجہ سے اسے فوراً سی ایم ایچ لے جایا گیا اور یوں دو ہفتے کے بعد آج وہ ہوش میں آیا تھا تو اس کے گھر والوں کو اطلاع دے دی گئی تھی۔ یہ خبر دونوں گھرانوں پر ایک دھچکا بن کر گری تھی اور وہ سب دوڑے دوڑے اسپتال چلے آئے تھے۔ نعمانہ بیگم کے تو آنسو ہی نہیں تھم رہے تھے۔ وہ بار بار اللہ کے حضور سجدے میں گر رہی تھیں۔ بیگم اشتیاق کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ ان کی بیٹی کا سہاگ زندہ سلامت واپس لوٹ آیا تھا۔ سب رشتے دار انس کو دیکھنے دوڑے چلے آئے تھے اور اس کی بہادری، دلیری کے گن گانے لگے تھے۔ پر انس لب سیے خاموش پڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی کی پرچھائی تھی اور اس کی یہ ویرانی علیشہ نے دیکھ لی تھی اور وہ جان بھی گئی تھی کہ یہ ویرانی کیوں اس کے محبوب کی آنکھوں میں اتر آئی تھی۔
اس وقت کمرے میں صرف وہ دونوں ہی موجود تھے۔ وہ اس کے قریب آئی اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا تو انس چونک گیا۔
''میں جانتی ہوں آپ کے دل کی خواہش ادھوری رہ گئی ہے، مگر جو رتبہ اب بھی آپ کو ملا ہے وہ بھی بہت بڑا ہے۔ ''غازی'' بن کے لوٹنا کوئی معمولی بات تھوڑی ہے۔'' وہ شاید اس کے من کا ملال کم کر رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے تکتا رہا۔
''اور مجھے آج مدتوں بعد اس بات کا ادراک ہوا کہ وہ سب نایاب لوگ تھے جن کا پہلا عشق ان کی سرزمین تھی اور آج میں بھی اس بات کا اقرار کرتی ہوں کہ میرا پہلا عشق میرا پاکستان ہے۔'' وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔ مدھم سی مسکراہٹ اور اب کے انس نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر جیسے اس کے اقرار کا مان رکھ لیا تھا۔

☆......☆

''ویسے اتنے ماہ میرے بغیر رہ کر تم کافی مضبوط دل نہیں ہو گئیں؟'' وہ واش روم سے باہر نکلا تو وہ فوراً اسے تھامنے کے لیے آگے ہوئی۔ زخموں کے باعث ابھی وہ چلنے پھرنے سے قاصر تھا۔
''جی ہاں۔'' وہ سر ہلاتے زور و شور سے بولی تھی۔
''اب تو تم شکر کر رہی ہو گی مجھے ایسی حالت میں دیکھ کر کہ تمہیں تنگ کرنے والا انس اب تمہارے رحم و کرم پر آگیا۔'' اور اس کی اس بات پر علیشہ نے اسے گھور کر دیکھا۔
''ایسی فضول باتیں میرے ساتھ نہیں کریں گے، سمجھے ورنہ ابھی دھکا دے دوں گی۔'' وہ اسے ڈپٹتے ہوئے بولی تو وہ مسکرا کر رہ گیا۔
''چلو کر لو کچھ دن من مانی، اس کے بعد تو سب حساب سود سمیت واپس لوں گا۔'' وہ معنی خیز لہجے میں بولتا اسے پھر گلال کر گیا تھا۔

☆......☆

کیپٹن انس کو اس کی بہادری پر تمغہ جرأت سے نوازا گیا اور اسے میجر کی پوسٹ پر تعینات کر دیا گیا۔ یہ دن بلاشبہ علیشہ کے لیے ایک بہت خاص دن تھا۔ اس نے اپنے رب کا شکر ادا کیا۔ بے شک شکر ادا کرنا اس پر لازم تھا۔
وہ خود بھی ایک این جی او سے منسلک ہو گئی تھی۔ جہاں عورتوں اور بچوں کے حقوق دلانے کے لیے کام کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اس نے جان لیا تھا کہ پاکستان کے ہر باسی کو اپنے حصے کا کام کرنا ہے کیونکہ صرف چنے ہوئے لوگوں پر ہی پاکستان کی حفاظت کی ذمہ داری عائد نہیں ہے۔ ہر عام پاکستانی کا بھی یہ اولین فرض ہے کہ وہ اپنی آخری سانس تک اس کی حفاظت کا بیڑہ اٹھائے۔ کیونکہ یہی ہماری زندگی کا مقصد ہے اور یہی اولین فرض بھی!!

......☆......

حفصہ کنول

# بڑی عید

''مما، مما کہاں ہیں آپ؟'' درنایاب پورے گھر میں عائشہ درانی کو ڈھونڈ رہی تھی۔

''میں یہاں ہوں بیٹا!'' انہوں نے اپنے کمرے سے آواز دی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ ماں سے لپٹ گئی تھی۔

''کیا ہوا میری جان؟''

''مما! میرا رزلٹ آگیا ہے اور میں نے اپنے کالج میں ٹاپ کیا ہے۔'' خوشی سے جگمگاتے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ ایک مرتبہ پھر ماں سے لپٹ گئی تھی۔

''بہت بہت مبارک ہو بیٹا! تم نے تو سچ میں اپنی ماں کا نام روشن کر دیا ہے۔'' اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر بھیگی پلکوں کے ساتھ وہ مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔

''مما! میں اپنی فرینڈ کو ٹریٹ دوں گی۔''

''ہاں، ہاں کیوں نہیں سنڈے والے دن سب کو بلا لو گھر پر۔'' انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ بھی اتنی خوشی کے موقع پر۔ وہ خوشی سے چہکتی اپنی دوستوں کو دعوت دینے باہر کو بھاگ گئی تھی۔

☆......☆

عائشہ درانی اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھیں۔ بچپن میں ہی ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ پاپا نے اس کی تربیت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی۔ ہر فرمائش پوری کی اچھا کھلایا پلایا اور تعلیم دلوائی۔ ان دنوں وہ ایم فل کر رہی تھیں۔ جب پاپا کو اٹیک ہوا۔ رو رو کے ان کا برا حال ہو گیا۔ خود کا سہارا خود ہی بننا پڑا۔ بھلا کون تھا جو اس نازک موقع پر ان کو حوصلہ دیتا۔ پاپا کی طبیعت سنبھلی تو وہ گھر آ گئے مگر اپنے ساتھ نئی سوچیں بھی لے آئے اور انہوں نے بہت سوچتے ہوئے عائشہ درانی کے لیے ایک بہت اچھا اور مناسب رشتہ تلاش کیا۔ احمد پڑھا لکھا اور سلجھا لڑکا تھا۔ چند سال پہلے ہی اس کے والدین کا انتقال روڈ ایکسڈنٹ میں ہو گیا تھا۔ اس کے والد پاپا کے دوست تھے۔ اس لیے پاپا کو اس سے مناسب رشتہ مل ہی نہیں سکتا تھا۔ ایم فل کے امتحانوں کے فوراً بعد اسے احمد کے سنگ رخصت کر دیا۔ احمد بہت خیال رکھنے والا شوہر تھا۔ اس کی شادی کے چند مہینوں بعد ہی پاپا بھی ہر فکر سے آزاد ہو کر اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ اس دنیا میں اب صرف اس کا ایک ہی رشتہ تھا اور وہ تھا احمد۔ احمد اب پہلے سے زیادہ اس کا خیال رکھنے لگا تھا اور پھر یہ دن انہیں ماں بننے کی خوشی دے گئے تھے۔ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں احمد کی اچانک موت سے وہ تنہا رہ گئیں۔

عائشہ درانی کی اب ساری توجہ اپنی دو سالہ بیٹی درنایاب میں سمٹ کر رہ گئی۔ پاپا کا گھر کرائے پر تھا اور احمد کی دکان کا کرایہ بھی آ جاتا۔

انہیں خرچے کی طرف سے زیادہ پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ عدت ختم ہوتے ہی انہوں نے گھر بیٹھنے کے بجائے جاب کی تلاش شروع کر دی کیونکہ کرائے سے ضرورتیں تو پوری ہو جاتی تھیں مگر مہینے کے آخر میں ہاتھ دبانا پڑتا تھا اور پھر ابھی تو درنایاب چھوٹی تھی۔ کل کو وہ بڑی ہوتی تو اس کی ضرورتیں بھی بڑھ جاتیں اور ضرورتوں کے ساتھ ساتھ اس کی کتنی

ہی خواہشیں ہوتیں جنہیں وہ ادھورا نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ اس لیے کل کی فکر میں انہیں اپنے آج میں ہی کچھ کرنا تھا۔ چند دنوں کی بھاگ دوڑ میں انہیں ایک پرائیویٹ کالج میں جاب مل گئی۔ درنایاب بھی تین سال کی ہونے والی تھی۔ اس لیے انہیں جاب میں زیادہ پرابلم نہیں ہوئی۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا گیا۔ اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد انہوں نے اپنی بیٹی کی تربیت کو بنایا تھا۔ انہوں نے اسے بڑی بڑی باتیں سمجھانا شروع کر دی تھیں۔ اس کی پڑھائی پر بھرپور دیتیں۔ یہ ہی وجہ تھی کہ وہ اپنی کلاس میں سب سے ذہین طلبہ تھی۔ اس کا ہوم ورک پرفیکٹ ہوتا ہر روز وہ اپنا سبق باقاعدگی سے یاد کر کے جاتی اور جب ٹیچرز اس کی تعریف کرتیں تو عائشہ درانی کو لگتا انہیں دنیا جہاں کا خزانہ مل گیا ہو۔ اب وہ اسی کالج میں پرنسپل کے عہدے پر فائز تھیں اور احسن طریقے سے اپنے فرائض سرانجام دے رہی تھیں۔

☆......☆

آج درنایاب کی ساری فرینڈز ان کے گھر جمع تھیں۔ درنایاب نے اپنی پوزیشن کی خوشی میں سب کو دعوت دی تھی اور وہ خوشی سے پورے گھر میں کسی تتلی کی مانند گھومتی پھر رہی تھی۔ عائشہ درانی کو اپنے گھر میں رونق اسی کے دم سے محسوس ہوتی۔ سفید پیروں کو چھوتی فراک پہنے بڑا سا دوپٹہ شانوں پر پھیلائے وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔

''آنٹی! آپ کو پتہ ہے درنایاب کو دیکھ کر ہمیں بہت رشک آتا ہے۔ یہ بہت لکی ہے۔'' کھانا کھاتے ہوئے اس کی ایک فرینڈ نے کہا تو عائشہ درانی ہنس پڑی تھیں۔

''وہ کیسے بیٹا؟''

''آنٹی! یہ اتنی ذہین ہے۔ ہم بھی اتنا پڑھتے ہیں۔ ہر بار اتنی کوشش کرتے ہیں کہ پوزیشن آجائے۔ اچھے مارکس تو آجاتے ہیں لیکن پوزیشن نہیں آتی۔''

''تم لوگ رٹا لگاتے ہو۔ میری طرح سمجھ کے پڑھا کرو ناں۔'' وہ اپنے مصنوعی کالر جھاڑتے ہوئے ادا سے بولی تھی۔

''ویسے بھی آنٹی! جس کی مدر آپ جیسی سوفٹ نیچر کی کیئرنگ ہوں۔ ان کی بیٹی ایسی ہی ہو سکتی ہے۔'' اس کی دوسری فرینڈ نے کہا تھ۔

''ہاں یہ بات تو ہے۔ میری مما جیسی کسی کی مما نہیں ہو سکتیں۔'' اس نے اٹھ کے عائشہ درانی کے گلے میں بازو ڈال کر جھٹ سے کہا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے گال پر تھپکی دی تھی۔

''you know فرینڈز میری ایسی کوئی خواہش نہیں جو میری مما نے پوری نہ کی ہو۔''

''چلو بہت مسکا لگ گیا۔ اب دھیان سے کھانا کھاؤ سب۔'' انہوں نے سب کے لیے کھانا نکالتے ہوئے کہا تھا۔

''مما! ایک بات مانیں گی؟''

''ہاں بیٹا! بولو۔''

''مما! اس مرتبہ میں اپنی کامیابی کی خوشی میں اپنی پسند کا گفٹ لینا چاہتی ہوں۔''

''اچھا کیا چاہیے میری چندا کو؟''

''مما! مجھے موبائل لے دیں۔''

''موبائل؟'' انہیں حیرت ہوئی تھی۔

''دیکھیں ناں مما! میری سب فرینڈز کے پاس موبائل ہے۔ صرف میرے پاس نہیں ہے۔'' وہ منہ بنا کے بولی تھی۔

''جی آنٹی! اب کون سا یہ بچی ہے۔ ماشاء اللہ انٹر کلیئر کر لیا ہے۔ وہ بھی پوزیشن کے ساتھ اب اسے بھی موبائل لے دیں۔ ہم نے بھی جب اس سے بات کرنی ہوتی ہے تو آپ کے نمبر پر کال کرنی پڑتی ہے۔ ہمیں بھی کال کرتے وقت جھجک سی محسوس ہوتی ہے اگر اس کے پاس موبائل ہوگا تو ہم آرام سے جب چاہیں اس سے بات کر سکتے ہیں۔'' اس کی فرینڈز نے بھی اس کی حمایت میں بولنا ضروری سمجھا تھا۔ عائشہ درانی عجیب سی کشمکش میں مبتلا خاموش بیٹھی تھیں۔

''دیکھیں ناں مما! میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اپنی فرینڈز سے کہا تھا کہ آپ میری ہر بات مانتی ہیں۔ پلیز میری انسلٹ نا کروایئے گا مان جائیں ناں۔''

''ok۔'' گہرا سانس لیتے ہوئے انہیں ماننا ہی پڑا تھا۔

''یاہو......'' اس نے نعرہ لگاتے ہوئے بھرپور خوشی کا اظہار کیا تھا۔

☆......☆

اگلے دن ہی درنایاب کے ساتھ جا کر انہوں نے اس کی پسند کا موبائل اسے لے دیا۔ وہ خوشی خوشی موبائل کے فنکشن چیک کرتی رہی اور عائشہ درانی کے ساتھ اس نے اپنی ڈھیروں تصویریں بھی بنا لیں۔ درنایاب کی خوشی سے بڑھ کر بھلا ان کے لیے کیا اہم تھا۔

تھرڈ ایئر کے ایڈمشن اسٹارٹ ہوئے تو عائشہ درانی کے کہنے پر اس نے Bs آنرز میں ایڈمشن لے لیا۔ اس مرتبہ بھی کلاس میں اس کی کارکردگی پہلے کی طرح برقرار تھی۔ دونوں ماں بیٹی ایک ساتھ کالج کے لیے نکلتیں شام کو عائشہ درانی ذرا جلدی آجاتیں تو وہ درنایاب کے آنے سے پہلے اس کے لیے کھانا تیار رکھتیں۔ کھانا کھا کے وہ کچھ دیر آرام کرتی پھر ٹیوشن چلی جاتی۔ اس دوران عائشہ درانی گھر کے چھوٹے چھوٹے کام نبٹا لیتیں۔ رات کو کچھ دیر وہ عائشہ درانی سے باتیں کرتی پھر پڑھنے چلی جاتی۔ عائشہ نماز پڑھ کے جلدی سو جاتیں۔ ایک روٹین کی طرح ساکن زندگی گزر رہی تھی۔ کہیں کوئی ہلچل نہیں تھی۔ کبھی کبھی انہیں بہت شدت سے احساس ہوتا۔ کاش ان کا بھی کوئی اپنا ہوتا۔ جہاں وہ آجا سکتیں۔ کوئی ان کے گھر آتا۔ یوں اکیلے زندگی نا گزرتی مگر زندگی میں ہر خواہش تو پوری نہیں ہوتی ناں۔

☆......☆

رات کو پیاس کی شدت سے ان کی آنکھ کھلی تو وہ پانی پینے کچن میں آگئیں۔ اچانک درنایاب کے کمرے کی جلتی لائٹ پر نظر پڑی اور انہوں نے بے ساختہ وال کلاک کی طرف دیکھا تھا۔ جہاں ایک بجنے والا تھا۔ درنایاب رات کو کبھی اتنی دیر تک جاگ کر نہیں پڑھا کرتی تھی۔ حیران و پریشانی کی کیفیت میں وہ درنایاب کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ عائشہ درانی کو ایک دم اپنے کمرے میں دیکھ کر گھبراہٹ کی پرچھائیاں اس کے چہرے پر لہرانے لگی تھیں۔ ہاتھ میں پکڑے موبائل کو جلدی سے ایک طرف رکھ دیا تھا۔

''دری! تم ابھی تک سوئی نہیں؟''

''وہ......مما......اٹھی لی......مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔'' اس نے لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں بمشکل جواب دیا تھا۔

''لائٹ آف کرو اور سو جاؤ نیند آجائے گی۔''

''جی مما!'' اس نے فوراً تابعداری سے جواب دیا تھا۔ پھر اکثر ایسا ہونے لگا کہ درنایاب بہت خوش رہنے لگی۔ بے وجہ اکیلی بیٹھی رہتی۔ ٹیوشن سے آکر کھانے کے بعد جو ٹائم وہ مما کے ساتھ گزارتی تھی۔ اب پڑھائی کا بول کر فوراً اپنے کمرے میں چلی جاتی۔ عائشہ درانی نے زیادہ نوٹ نہیں کیا۔ ان کے حساب سے وہ اب بڑی کلاس کی اسٹوڈنٹ تھی۔ اس لیے پڑھائی بھی زیادہ وقت مانگتی تھی۔ لیکن جو تنہائی انہیں درنایاب کی موجودگی میں کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی اب بہت اکیلا پن محسوس کرنے لگی تھیں۔ جیسے گھر میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا موجود ہی نا ہو۔

درنایاب ابھی اکیڈمی سے نہیں آئی تھی۔ کچن کا سارا کام سمیٹ کر وہ فارغ تھیں تو درنایاب کے کمرے کی صفائی کرنے اس کے کمرے میں آ گئی۔ کمرہ سمیٹتے ہوئے ان کی نظر سائیڈ پر پڑے موبائل پر پڑی۔ اکثر فارغ وقت میں وہ اپنی اور درنایاب کی تصویریں دیکھا کرتی تھیں۔ اس مرتبہ بھی انہوں نے موبائل اٹھایا تو موبائل پر لگے سیکیورٹی کوڈ نے ان کے ماتھے پر کل ڈال کر انہیں کچھ غلط ہونے کا اشارہ دیا تھا۔

اگلے دن دریاب کالج جانے لگی تو انہوں نے اس سے موبائل مانگ لیا۔

''مما! آپ نے کیا کرنا ہے موبائل؟'' اس کے چہرے کا رنگ ایک دم سفید پڑ گیا تھا۔

''کیا کرنا ہے مطلب؟ اب میں تمہارا موبائل بھی نہیں دیکھ سکتیں؟''

''نہیں مما! ایسی بات نہیں ہے۔ میں ابھی لاتی ہوں۔'' وہ اٹھ کے کمرے میں گئی تو عائشہ درانی بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں آ گئی تھی اور درنایاب کے موبائل اٹھاتے ہی اس کے ہاتھ سے موبائل پکڑ لیا تھا۔

''اسے تو سیکیورٹی کوڈ لگا ہوا ہے۔'' انہوں نے کسی بھی قسم کی حیرانی ظاہر کیے بغیر نارمل انداز میں کہہ کر موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔ درنایاب کے دھڑکتے دل کے ساتھ کانپتے ہاتھوں سے کوڈ کھول دیا عائشہ درانی نے موبائل لے کر اپنے بیگ میں رکھ لیا۔ اور دونوں اپنے اپنے کالج کے لیے نکل پڑیں۔

شام کو جب درنایاب اکیڈمی جا چکی تھی تو عائشہ درانی نے اپنے بیگ سے موبائل نکالا اور پھر ان کے سامنے سے سب پردے ہٹتے چلے گئے۔ سب کچھ واضح ہو گیا تھا۔ اب ان کے شک کو یقین کی سند مل چکی تھی۔ رات کو کھانا کھاتے ہوئے انہوں نے بڑے نارمل انداز میں پوچھا تھا۔

''یہ علی کون ہے؟'' درنایاب کا کھانا کھاتے ہوئے ہاتھ رک گیا۔ چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔

''میں کچھ پوچھ رہی ہوں دری؟'' انہوں نے بہت آرام سے کہا تھا۔

''وہ...... مما...... علی......''

''ہاں بولو۔''

''مما! ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔'' نظریں جھکائے اس نے بتایا تھا۔ عائشہ درانی نے بے یقین نگاہوں سے سامنے بیٹھی اپنی بیٹی کو دیکھا تھا۔ دل میں بہت دکھ ہوا لیکن چہرہ ابھی بھی نارمل تھا۔

''میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں اگر ہو سکے تو ملنا چاہتی ہوں۔'' عائشہ درانی نے یوں کہا تھا۔ جیسے کوئی خاص بات نہ ہو۔ درنایاب حیرت و خوشی کی کشمکش میں بیٹھی بے یقینی سے ماں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنی جلدی ماں جائیں گی اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

☆......☆

اگلے دن پھر عائشہ درانی نے علی سے بات کرنے کو کہا تو وہ ذرا جھجکتے ہوئے بولی تھی۔

''مما! وہ ایکچولی علی تھوڑا ڈر رہا تھا آپ سے۔ اس لیے وہ آپ سے ملنے تو نہیں آ سکتا لیکن وہ کال پر بات کرے گا آپ سے۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا پھر درنایاب کے سامنے ہی علی کو کال کی تھی۔

''ہیلو بیٹا! اسلام وعلیکم! میں درنایاب کی مما بات کر رہی ہوں۔'' عائشہ درانی نے اپنا تعارف کروایا تھا۔

''ج...... جی آنٹی کیسی ہیں آپ؟'' دوسری طرف گھبراہٹ واضح تھی۔

''اللہ کا شکر ہے آپ کیسے ہو بیٹا؟'' وہ شائستگی سے بولی تھیں۔

''جی میں بھی ٹھیک ہوں۔''

''اور آپ کے گھر میں سب کیسے ہیں؟''



''سب ٹھیک ہیں۔ درنایاب نے بتایا تھا کہ آپ مجھ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔ خیریت تو ہے آنٹی؟'' وہ فوراً مدعے پر آیا تھا۔

''ہاں دراصل میں بات تم سے نہیں تمہاری امی سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن پھر سوچا جس کے ریفرنس سے بات کرنی ہے پہلے اس سے بات کر لوں۔''

''امی سے...... لیکن کیوں آنٹی؟''

''مجھے درنایاب نے بتایا تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو تو اسی سلسلے میں، میں تمہاری مما سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ بڑوں میں بات طے ہو جائے تو اچھا ہے۔''

''جی آنٹی! میں کوشش کروں گا۔'' وہ سنبھل کے بولا تھا۔

''چلو ٹھیک ہے بیٹا! جب تمہاری مما نے بات کرنی ہو تو مجھے اسی نمبر پر کال کر لینا۔''

''جی آئی ضرور۔''

''او کے بیٹا! اللہ حافظ۔'' انہوں نے فون بند کر دیا تھا۔

''مما تھینک یو تھینک یو سو مچ۔'' درنایاب خوشی سے چہکتی عایشہ درانی سے لپٹ گئی تھی۔

☆......☆

کافی دن گزر گئے نا علی نے کال بیک کی اور نا عائشہ درانی نے دوبارہ کوئی رابطہ کیا لیکن چند ہی دنوں میں درنایاب کی ہنسی کہیں کھو گئی تھی۔

ذوالحج کا چاند نظر آ گیا تھا۔ بچوں کو نئے کپڑوں سے زیادہ قربانی کے جانوروں سے لگاؤ تھا۔ ہر گلی، محلے میں بچے بکروں کی رسیاں پکڑے گھومتے رہتے۔ عائشہ درانی نے بھی ایک کولیگ کے توسط سے قربانی کے لیے بکرا لے لیا تھا۔ ہر سال درنایاب بکروں کی خوب آؤ بھگت کرتی۔ نہلاتی ٹائم پر چارہ دیتی اور عید کے دن ان کی جدائی پر موٹے موٹے آنسو بہاتی مگر اس بار اس نے بکرے کے علاوہ عید کی شاپنگ میں بھی کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی۔ اس کے عید کے کپڑے بھی عائشہ درانی خود لے آئی تھیں۔ جنہیں اس نے بے دلی سے ایک نظر کے بعد دوسری بار دیکھا تک نہیں تھا۔ لوگ عید کی خوشیاں منانے کی تیاریاں کر رہے تھے اور وہ دنیا جہاں سے کٹی الگ تھلگ پڑی رہتی۔

کل عید تھی اور درنایاب آج بھی رات کا کھانا کھائے بغیر کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ عایشہ درانی نے کل کے لیے کپڑے استری کر کے ہینگ کیے اور درنایاب کے کمرے میں آئیں تو وہ لائٹ آف کیے تکیے میں چہرہ چھپائے لیٹی ہوئی تھی۔

''ارے دری بیٹا! ایسے کیوں لیٹی ہو؟'' لائٹ آن کر کے اس کے پاس بیٹھ کے بالوں میں ہاتھ پھرتے ہوئے محبت سے بولی تھیں۔

''کچھ نہیں مما۔'' بھیگی آواز میں بولتی وہ اٹھ کے بیٹھ گئی تھی۔

''دری بیٹا! کوئی پریشانی ہے کیا؟ مما کو نہیں بتاؤ گی۔'' ان کے اتنے لاڈ و محبت سے پوچھنے کی دیر تھی وہ ماں کے گلے لگی رو پڑی تھی۔ کچھ دیر رونے کے بعد سنبھلی تو عائشہ درانی نے نرمی سے اسے الگ کیا تھا۔

''کیا بات ہے؟ بتاؤ شاباش۔''

''مما علی کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ وہ پہلے جیسا نہیں رہا۔'' وہ روتے ہوئے جیسے شکایت کرنے لگی تھی۔

''کیوں کیا ہوا؟''

''جس دن سے آپ نے اس سے بات کی ہے۔ اس دن کے بعد سے وہ مجھ سے ٹھیک سے بات ہی نہیں کرتا۔ میں پوچھتی ہوں تو ٹال دیتا ہے اور ایک دن اس کا میسج آیا کہ آج کے بعد مجھ سے رابطہ نہ کرنا اور اب اس کا نمبر مسلسل بند جا رہا ہے مما۔'' ساری

بات بتا کر وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کے پھر رو پڑی تھی۔ عائشہ درانی نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

''دری بیٹا! مجھے بہت پہلے ہی معلوم تھا کہ ایسا ہونے والا ہے۔ تمہیں پتہ ہے لڑکیاں بہت حساس ہوتی ہیں۔ بہت جلد دوسرے انسان کے ساتھ اموشنل ہو جاتی ہیں اور بہت سی امیدیں اور توقعات وابستہ کر لیتی ہیں لیکن لڑکے ایسا نہیں کرتے ان کے لیے یہ سب انجوائے منٹ ہے۔ میں سب لڑکوں کی بات نہیں کرتی مگر آج کل زیادہ تر یہ ہی ہو رہا ہے۔ تم جانتی ہو جب تم نے مجھے علی کے بارے میں بتایا تو عام ماؤں کی طرح میں نے تمہارے ساتھ سختی کیوں نہیں کی؟ بے جا پابندیاں اور روک ٹوک کیوں نہیں کی؟ کیوں کہ اگر میں ایسا کرتی تو تمہارے اندر بغاوت کے جذبات پیدا ہو جاتے اور یقیناً تم مجھے اپنا دشمن سمجھنے لگتیں اور میری لاکھ پابندیوں کے باوجود بھی تم اپنی دلی خواہشات کو روک نہیں پاتیں اور زندگی میں تمہیں جب بھی موقع ملتا تم ایسی ہی غلطیاں دوبارہ کرتیں اس لیے میں نے بہت تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے علی سے بات کی تھی۔'' وہ غور سے ماں کی باتیں سن رہی تھی۔

''تم جانتی ہو جب کوئی لڑکا کسی لڑکی سے سچی محبت کرتا ہے۔ اس کے لیے وہ لڑکی کے ساتھ محبت کے بڑے بڑے دعوے نہیں کرتا اور نہ محبت کے لیے موبائل پر رات دیر تک میسجز اور کال پر بات کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ لڑکا سیدھا اور صاف راستہ اختیار کرتے ہوئے اپنے گھر والوں کو لڑکی کے گھر بھیجتا ہے اور لڑکی کے ساتھ شرعی رشتہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ تبھی میں نے علی سے شادی کی بات کی تھی۔ کیونکہ میں جان گئی تھی کہ وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا اور میرے کہنے پر تم کبھی میری بات پر یقین نہ کرتیں اور دیکھو تم کیسے شادی کے نام پر ہی اس نے اپنا نمبر ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ کیونکہ وہ تم سے محبت کرتا ہی نہیں تھا اور نہ کبھی شادی کرنے والا تھا۔''

انہوں نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ علی کو کیسے جانتی ہے مگر وہ اسے دنیا کی حقیقت سے آگاہ کر رہی تھیں۔

''آئی ایم سوری مما! آئی ایم رئیلی سوری، ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کے وہ شرمندگی سے بولی تھی۔

''ایک شرط پر معاف کروں گی۔'' ان کا دل اب ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ اس لیے مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔

''کیسی شرط مما؟''

''دوبارہ ایسی غلطی نہیں کرو گی اور ہمیشہ کلاس میں فرسٹ آؤ گی۔''

''یہ تو دو شرطیں ہو گئیں مما۔'' وہ شرارت سے بولی تھی۔

''دو ہی سہی پر ماننی پڑیں گی۔''

''او کے باس۔'' وہ ہنستے ہوئے ان کے ساتھ لگ گئی تھی۔

''میرا بکرا کہاں ہے مما! مجھے اس کے ساتھ سوئیٹ سی سیلفی لینی ہے۔'' وہ اپنے پرانے روپ میں لوٹ آئی تھی۔

''وہ ناراض ہے تم سے۔ اس لیے وہ تو سیلفی نہیں بنوانے والا۔''

''ایویں نہیں بنوائے گا۔'' وہ بیڈ سے اترتی باہر کی طرف بھاگ گئی تھی۔

عائشہ درانی مطمئن سی مسکرانے لگی تھیں۔ انہیں یقین تھا کہ ان کی درنایاب دوبارہ ایسی غلطی نہیں دہرائے گی۔ کیوں کہ انسان اس وقت تک نہیں سمجھتا جب تک اسے ٹھوکر نہ لگے اور درنایاب محبت کے نام پر ٹھوکر کھا چکی تھی۔ اس لیے عائشہ درانی کو یقین تھا کہ اب ان کی دری ایسی کسی جھوٹی محبت پر یقین نہیں کرے گی۔ اس بڑی عید نے اسے بڑا اسبق دے دیا تھا جو اسے ساری زندگی یاد رہنے والا تھا۔

......☆......

مریم فاطمہ

# عید کا چاند

''دادی! مجھے اس عید پر اچھا سا سوٹ لے کر دیں۔'' مشعل نے ضدی لہجے میں کہا۔

''ارے کیسی باتیں کر رہی ہو مشعل دماغ پھر گیا کیا تمہارا ابھی تو پچھلے دنوں تمہیں ایک سوٹ لے کر دیا تھا۔'' نانی رقیہ نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''مجھے نہیں پتا مجھے عید پر نیا سوٹ لے کر دیں۔''

''اچھا نیا لے دوں؟ اور وہ جو ابھی تو نے لیا ہے اس کا کیا ہوگا۔'' دادی بولیں۔

''وہ کوئی عید کا تھوڑی تھا اور ویسے بھی وہ میں نے سب کے سامنے پہن لیا ہے اب عید پر نیا ہونا چاہیے۔'' مشعل بضد تھی۔

''اچھا بھئی! اچھا ٹھیک ہے۔ دلا دوں گی۔'' رقیہ بیگم نے اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا اور پھر اپنا پرس اٹھا کر پیسے گننے لگیں۔ سات سو...... آٹھ سو...... یہ ہوئے ہزار اور یہ ہوئے......!

''نانی! ایک تو آپ بھی ناں بڑی کنجوس ہیں۔ پیسے کا بڑا حساب رکھتی ہیں۔''

''ارے توبہ کرو لڑکی، اس میں کنجوسی کی کیا بات ہے اور ویسے بھی یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ پیسہ پانی کی طرح بہائے جاؤ۔''

''نانی! آپ میری مانیں تو گھر کا خرچہ میرے ہاتھ میں دے دیں۔''

''تمہارے ہاتھ میں تو کبھی نہیں دوں گی میں خرچہ تم تو ایک ہی دن میں ساری پنشن خرچ کر ڈالو گی۔'' ادی نے اسے ڈپٹے ہوئے کہا۔

مشعل بیگم رقیہ کی اکلوتی نواسی تھی۔ ماں باپ کا ں کے بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ تب سے رقیہ بیگم ہی اس کی پرورش کرتی آ رہی تھیں۔ انہوں نے اب تک اس کی ہر جائز اور ناجائز خواہش کو پورا کیا تھا۔ وہ ضدی اور نک چڑھی تھی۔ نانی کے پرس میں سے چپکے سے پیسے نکال لیتی اور خرچ بھی کر دیتی بعد میں نانی کو پتا چلتا تو اپنا سر پیٹ لیتیں۔

☆......☆

''ارے کمبخت ماری یہ کیا کر دیا، یہ تو کیبل کے پیسے تھے۔ میں نے الگ کر کے رکھے تھے۔''

وہ ڈھٹائی سے ہنس دیتی۔

لیکن رقیہ بیگم تھوڑی ہی دیر میں پھر سے اس کے لاڈ پیار کرنا شروع کر دیتیں۔ ان دونوں کا ایک دوسرے کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اس دن مشعل نے نانی کے ساتھ شہر کی بہترین مارکیٹ سے جا کر اپنے لیے سوٹ کا کپڑا خریدا اور خوشی خوشی گھر لے آئی۔ ابھی وہ شام کی چائے بنا رہی تھی کہ نانی کچن میں چلی آئیں۔

''ارے مشو یہ تیرا سوٹ کڑھائی والا ہے۔ بہت مہنگا آیا ہے۔ ایسا کر اس کو گھر میں خود ہی سی لینا۔ درزی سے سلواؤ گی تو اس کا خرچہ الگ آ جائے گا۔''

''نانی! ایک تو آپ مجھے مشو نہ کہا کریں۔ سب لوگ ہنستے ہیں اور دوسرے یہ کہ میں یہ سوٹ درزی سے ہی سلواؤں گی۔ درزی زیادہ اسٹائلش سی دے گا۔ میں بھلا کیسے سیوں گی اتنی گرمی میں۔ اوپر سے لوڈشیڈنگ اف توبہ۔'' مشعل نے ایک ہی سانس میں کہا اور نانی چپ ہو رہیں۔ جانتی تھیں کہ اپنی نواسی کے آگے بحث کرنا بے کار ہے۔ آخر میں جیت اسی کی ہونی ہے۔ وہ ضدی اور منہ پھٹ ہے۔ ان کی بات کبھی نہیں مانے گی۔ زیادہ ہی کچھ کہا تو پھر بھوک ہڑتال شروع ہو جائے

گی۔ وہ بس اثبات میں گردن ہلا کر رہ گئیں۔ پھر دونوں نے کمرے میں بیٹھ کر چائے پی۔

☆......☆

عید آنے میں ابھی مہینہ پڑا تھا۔ مشعل پورے گھر کی صفائی ستھرائی میں لگی ہوئی تھی۔ رقیہ صحن میں چڑیوں کو باجرہ ڈال رہی تھیں۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔

''اوفو! اس وقت کون آ گیا۔'' مشعل بڑبڑاتی ہوئی دروازہ کھولنے بڑھی۔ دروازہ کھولا تو سامنے ڈاکیہ کھڑا تھا۔ ڈاکیے نے ایک لفافہ اس کے ہاتھ میں تھمایا اور سلام کرتا ہوا چلا گیا۔ مشعل ہاتھ میں لفافہ لیے ہونقوں کی طرح اندر چلی آئی۔

''کس کا ہے؟'' نانی نے اس کی حیران صورت دیکھ کر پوچھا۔ جواب میں مشعل کے چہرے پر مزید بدحواسی طاری ہوگئی۔

''ارے کمبخت بتاتی کیوں نہیں کس کا ہے۔'' نانی پریشان ہو کر بولیں۔

''پتا نہیں کسی عمران کا ہے۔'' مشعل نے لفافہ ان کی طرف بڑھا دیا۔ جسے انہوں نے فوراً ہی دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ لفافہ چاک کیا اور پڑھنے لگیں اور پھر ساتھ ہی وہ اپنا دل پکڑ کر چارپائی پر بیٹھ گئیں۔

''مشعل بیٹی پانی لا۔'' وہ تھکاوٹ سے چور لہجے میں بولیں۔

''ہائے ہائے ایسا بھی کیا ہو گیا نانی ٹھہریں میں پانی لاتی ہوں۔'' مشعل دوڑی دوڑی گئی اور ایک گلاس پانی لے آئی۔ رقیہ نے جلدی سے پانی پیا پھر اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھیں۔ لفافہ ان کے ہاتھ میں ہی تھا۔ مشعل بھی ان کے پیچھے لپکی۔ نانی بستر پر بیٹھ کر لفافے کو تکنے لگیں۔

''کیا ہوا نانی کچھ بتایئے ناں۔'' پھر نانی نے لفافہ ایک طرف رکھا اور تمہید باندھ کر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی دو اولادیں تھیں۔ ایک تو مشعل کی ماں اور دوسرا ان کا بیٹا فیصل۔ فیصل بڑا ہو کر پڑھ لکھنے کے بعد لندن بیرون ملک جا بسا۔ اُدھر رقیہ اس انتظار میں رہیں کہ بیٹا باہر کمانے گیا ہے تو پیسہ بھیجے گا لیکن فیصل نے پلٹ کر کبھی ان کی خبر تک نہ لی۔ وہ بے چاری اپنی قسمت کو روتی رہ گئیں۔ فیصل کے یہاں شادی کے ڈیڑھ سال بعد ایک بیٹا ہوا۔ اس کا نام عمران تھا۔ عمران کو روبرو دیکھنا تو دور انہوں نے اسے کبھی تصویر یا خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ فیصل انہیں چھوڑ کر دوسرے دیس جا بسا تھا لیکن آج عمران کا خط آیا تھا، اس نے بتایا تھا کہ فیصل اور اس کی ماں میمونہ کا لندن میں کار ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا، وہ اکیلا ہے، ماں باپ کے سوا اس کا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ ہمارے گھر رہنے آ رہا ہے۔

مشعل پر تو جیسے بم بلاسٹ ہو گیا۔ اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ اچانک سے اس کا کزن عمران کہاں سے ٹپک پڑا۔ نانی نے بتایا کہ وہ اس سے تین سال بڑا ہے۔

''ہائے ہائے نانی میں ایک اجنبی لڑکے کے ساتھ اس گھر میں نہیں رہوں گی۔'' مشعل اپنی جگہ سے کھڑی ہوتے ہوئے بولی۔

''آپ اس سے کہیں کہ وہ اپنے رہنے کے لیے کوئی کرائے کا گھر ڈھونڈ لے۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو مشو! میں اب اتنی بری تھوڑی ہوں کہ فیصل کے کیے کی سزا اسے یوں دوں کہ اس چھت کے نیچے جگہ ہی نہ دوں۔''

''ارے چھوڑیے نانی! آپ بھی کیا بے کار بات لے کر بیٹھ گئیں۔ میں اس کو ایک سیکنڈ اس گھر میں نہیں ٹکنے دوں گی۔''

''اچھا بس بڑا ہے وہ تم سے عزت سے نام لو اس کا۔''

''ہونہہ! نہیں کرنی مجھے اس کی کوئی عزت وزت ابھی وہ اس گھر میں آیا نہیں اور آپ نے اس کے لاڈ شروع کر دیے۔ مجھے بھول گئی ہیں آپ۔'' مشعل



نے اب باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔

''ارے کیا ہو گیا ہے پگلی اس گھر میں کوئی بھی آئے تیری اہمیت تو کم نہیں ہو سکتی ناں۔ چل بس چپ کر جا۔'' نانی نے چپ کرایا تو وہ خاموش ہو گئی۔

☆......☆

نانی بہت خوش نظر آ رہی تھیں جب کہ مشعل کا ابھی بھی عمران کے یہاں آنے کا سن کر منہ بنا ہوا تھا۔

''اے مشو ذرا دیکھ تو سالن اتنا ہے کہ ہم دونوں کو ہو جائے۔'' انہوں نے پیار سے پوچھا۔

''ہاں بہت ہے دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔'' مشعل حلق پھاڑ کر بدتمیزی سے بولی۔ نانی بے چاری چپ ہو رہیں۔

☆......☆

گرمی بہت شدید تھی اور آج عمران نے آنا تھا۔ رقیہ نے صبح ہی صبح مشعل سے گھر کی صفائیاں شروع کروا دی تھیں۔ اب دوپہر کا ایک بجا تھا۔ تپتی دھوپ ایسے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ نانی نے اپنی سفید چادر سر پر درست کی اور چلتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھیں۔

''لگتا ہے عمران آ گیا۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولیں۔

''ہونہہ!'' مشعل نے منہ ٹیڑھا کرتے ہوئے کہا۔

''یہ منہ کس کو بنا کر دکھا رہی ہو اور سنو اس کے سامنے تمیز سے رہنا اور ہاں دوپٹہ لو۔ بے حیا۔'' نانی نے اسے جھڑکا۔

''اسے پوچھتی ہے میری جوتی۔'' مشعل نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔ نانی نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک اجنبی لڑکا کھڑا تھا۔

''یہ رقیہ بیگم کا گھر ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں بالکل، میں رقیہ ہوں۔'' رقیہ بیگم نے کہا۔ اس لڑکے نے ایک سیکنڈ کے لیے رقیہ بیگم کو پلک جھپکائے بغیر دیکھا پھر خوشی سے چلاتا ہوا ان کے گلے لگ گیا۔

''ارے دادی آپ، مجھے پہچانا۔'' اس نے بالکل بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''ارے کیسے پہچانتی بیٹا تمہیں کبھی دیکھا ہی نہیں۔'' رقیہ بیگم پیار سے اس کا ماتھا چوم کر بولیں۔

''ارے اندر آؤ نا بیٹا! باہر کیوں کھڑے ہو۔ گرمی لگ جائے گی۔'' انہوں نے مزید کہا اور عمران کو لے کر اندر آ گئیں۔

''کون کمبخت ہے نانی۔'' مشعل نے ان کی باتیں سن لی تھیں اور اب انجان بننے کی اداکاری کر رہی تھی۔

''اوں ہوں ایسے نہیں کہتے کیا سمجھایا تھا میں نے تمہیں۔ تم سے پورے تین سال بڑا ہے۔ تمیز سے بات کرو۔'' رقیہ بیگم نے اسے ڈپٹا۔ عمران نے پہلے چونک کر مشعل کو دیکھا اور پھر اپنا بیگ ایک طرف پھینک کر اس کی طرف گلے ملنے کے انداز میں لپکا۔

''ارے مائی بے بی سسٹر۔'' مشعل گھبرا کر پیچھے ہٹی۔

''ارے بیٹا کیا کر رہے ہو۔'' رقیہ بیگم اپنا سر پیٹ کر رہ گئیں۔

''بیٹا یہ پاکستان ہے یہاں لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے سے گلے نہیں ملتے۔''

عمران نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔ ''چلیں ہاتھ تو ملاتے ہوں گے ناں۔'' اور یہ کہنے کے ساتھ ہی عمران نے مشعل کا کومل نازک سا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے کر مسل ڈالا۔ وہ ''سی'' کر کے رہ گئی۔ دل میں غصہ تو بہت آیا مگر نانی کے سامنے اس سے بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''تمہیں تو بعد میں دیکھ لوں گی۔'' وہ دھیرے سے بڑبڑائی۔

''کچھ کہا آپ نے؟'' عمران نے پوچھا۔

''نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔'' مشعل نے منہ بسور کر کہا۔

''چلیے آپ اندر چل کر ساری غلط فہمی دور کر دیں گے۔'' عمران نے چہک کر کہا۔

''بیٹا مِشو ایسا کرو کہ عمران کے لیے شربت بنا لاؤ۔'' رقیہ بیگم نے کہا۔

''نانی! آپ کو کتنی بار کہا ہے۔ مجھے مِشو مت کہا کریں۔'' مشعل جل کر بولی۔

☆......☆

آج پانچواں روز تھا رقیہ مشعل سے کہہ کر عمران کے لیے رات کے کھانے میں کڑی بنوا رہی تھیں۔ وہ گرمی سے تنگ آ رہی تھی۔

''ارے کیا نانی آپ بھی کب تک اس بدتمیز کی دعوتیں کرتی رہیں گی۔ اب بس بھی کریں۔'' مشعل نے منہ بسور کر کہا۔

''وہ کوئی مہمان نہیں ہے جو میں اس کی دعوتیں کروں گی اس گھر کا ہی فرد ہے وہ بھی سمجھیں۔''

''ہونہہ۔'' مشعل نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔ رقیہ بیگم مزید اسے ملامت کرنا چاہتی تھیں مگر خاموشی میں ہی عافیت جانی اور کچن سے نکل کر اندر کمرے میں جا کر آرام کرنے لگیں۔ اِدھر عمران کچن میں چلا آیا۔

''سنیے۔'' اس نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

''جی سنائیے۔'' مشعل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''آپ اتنی گرمی میں کام کر رہی ہیں یہاں پنکھا چلا لیجیے ناں۔''

''کیوں بل آپ بھریں گے؟'' مشعل نے ایک بار پھر طنز کا وار کیا۔

''جی میں بھروں گا۔'' اس نے بمشکل اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ مشعل کو آگے کچھ جواب سمجھ نہ آیا تو چپ ہو رہی۔ جب شام کا وقت قریب آیا تو رقیہ نے شور مچا دیا۔

''مِشو بیٹا! جلدی کرو میرے ساتھ مل کر دسترخوان لگواؤ۔'' مشعل نے رقیہ بیگم کے ساتھ مل کر دسترخوان پر مختلف لوازمات رکھنے شروع کیے۔

''نانی آپ ان صاحب کے آنے سے پہلے تو کبھی اتنا اہتمام نہیں کرتی تھیں۔'' مشعل نے بدتمیزی سے کہا۔

''تو کیا ہوا اگر اب کرلیا تو۔'' رقیہ بیگم نے اسے ٹوکا پھر اچانک ہی کچھ خیال کر کے اپنا پرس کھولنے لگیں۔

''ارے ہاں عمران بیٹے یہ پیسے لے لو۔'' ان کے پان اور سونف مجھے لا دینا۔'' انہوں نے پرس کھولتے ہوئے کہا لیکن اندر جھانک کر ٹھٹکیں۔

''ہائیں! یہ کیا پیسے کہاں گئے۔''

''مجھے کیا معلوم آپ نے رکھے تھے۔'' مشعل نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

''کہاں چلے گئے۔'' رقیہ بیگم حیرت سے بولیں۔

''ارے میں بتاتا ہوں پیسے آج انہوں نے نکالے تھے۔'' عمران نے مشعل کی طرف اشارہ کیا۔

''اب بھول گئی ہیں بے چاری۔'' عمران نے اس کی پول کھول دی۔

''کیا پیسے تم نے نکالے تھے مگر کیوں؟'' رقیہ بیگم نے اسے گھور کر دیکھا تو اس نے اپنے سامنے رکھی پکوڑوں کی پلیٹ اٹھا کر دیوار پر دے ماری اور غصے سے وہاں سے چلی گئی۔ رقیہ بیگم حیران پریشان اسے جاتا ہوا دیکھتی رہیں۔ مشعل اس واقعے کے بعد سے عمران سے سخت چڑنے لگی تھی اور اس سے بدلہ لینے سوچے بیٹھی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ عمران کو اس گھر سے ہی نکلوا دے۔ اس رات مشعل نے عمران کو الگ کمرے میں بلایا اور پھر اچانک ہی شور مچا دیا۔

''بچاؤ بچاؤ، اف اللہ نانی جلدی آئیے۔'' عمران حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا سسٹر؟'' عمران نے پوچھا۔

''مجھے سسٹر مت کہو، بدتمیز لڑکے۔'' اتنے میں رقیہ بیگم شور شرابا سن کر وہاں پہنچیں۔

''ارے کیا ہو گیا آفت کی پرکالہ کیوں بچاؤ بچاؤ شور ڈالا ہوا ہے۔'' مشعل نے رقیہ کی آواز سن کر اپنا دوپٹہ اتار کر عمران کی طرف اچھال دیا۔

''نانی! دیکھیں یہ میرے ساتھ بدتمیزی کر رہا ہے۔'' رقیہ بیگم نے جو مشعل کو اس طرح واویلا کرتے اور عمران کے ہاتھ میں اس کا دوپٹہ دیکھا تو سمجھ گئیں کہ معاملہ بہت سنگین ہے۔ وہ یہ ہی سمجھیں کہ عمران باہر رہا ہے زندگی بھر اس لیے مغربی ماحول کا اثر ہے، بگڑ گیا ہے۔ انہوں نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

''کیا ہوا مِشو! کچھ تو بول۔''

''اب کچھ بولنے کو نہیں رہا نانی۔''

''لیکن پھر بھی کچھ تو بتا آخر بات کیا ہے؟''

''نانی! اب بہت دیر ہو گئی۔''

''نہیں یہ جھوٹ ہے میں نے کچھ نہیں کیا۔'' عمران نے پہلی بار مشعل کو غصے سے دیکھ کر کہا اور آگے بڑھ کر ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے بائیں رخسار پر رسید کیا۔

''بتاتی کیوں نہیں ہو بدتمیز لڑکی۔ سچ بتاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔'' مشعل کی تو حیرت سے آنکھیں پھٹ گئیں۔ اتنی زور کا تھپڑ تو دور کی بات آج تک کسی نے اسے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں مارا تھا۔

''عمران مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔'' رقیہ بیگم نے صدمے سے چور آواز میں کہا اور ساتھ ہی اپنا دل پکڑ لیا۔ انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ عمران اور مشعل کے اب تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ عمران اور مشعل انہیں لے کر قریبی اسپتال گئے۔ وہاں انہیں فوراً ایمرجنسی میں لے جایا گیا۔ انہیں فوری ٹریٹمنٹ دیا گیا۔ اب ان کی حالت خاصی بہتر تھی۔ ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ ایسا شاک کی وجہ سے ہوا ہے۔ انہیں کسی بات سے صدمہ پہنچا ہے۔

☆......☆

رقیہ بیگم اپنے کمرے میں بیٹھی قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ تب ہی عمران ان کے کمرے میں چلا آیا۔ اس نے آتے ہی انہیں یہ یقین دلایا کہ اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔

''میں تمہارا یقین نہیں کر سکتی۔ میری مشعل اتنا بڑا جھوٹ کبھی نہیں بولے گی۔'' مجبوراً عمران جا کر مشعل کو لے آیا اور اسے رقیہ بیگم کے سامنے لا کھڑا کیا۔ مشعل کو بھی اب اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور اتنے دنوں میں اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ عمران دل کا بہت اچھا ہے۔ اس نے دادی کی بیماری میں ان کا بہت خیال رکھا تھا اور مشعل کو بھی اس طرح جھوٹ بولنے اور الزام تراشی کرنے پر کچھ نہیں کہا تھا۔ اس نے نانی کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

''نانی! مجھے معاف کر دیں۔ میں نے جھوٹ بولا تھا۔'' اس نے ساری بات بتائی تو رقیہ بیگم خاموشی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ کئی دن گزر گئے مگر انہوں نے مشعل سے کوئی بات نہ کی وہ انہیں مناتی رہتی۔ کبھی ان کے سامنے ہاتھ جوڑتی کبھی ان کے پیر پکڑتی مگر وہ جواب میں خاموش رہتیں اور خلا کو گھورتی رہتیں۔

☆......☆

آج چاند رات تھی۔ مشعل رقیہ بیگم کے پاس کمرے میں چلی آئی۔

''نانی! عید کا چاند نظر آ گیا ہے۔ کل عید ہے۔'' اتفاق سے عمران بھی وہیں بیٹھا تھا۔

''نانی! عمران مجھے کب کا معاف کر چکے ہیں۔ آپ بھی معاف کر دیں پلیز نانی۔'' رقیہ بیگم نے اسے گھور کر دیکھا پھر مسکرا دیں اور اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ مشعل خوشی سے رونے لگی۔

''اچھا ٹھیک ہے معاف کیا مگر ایک شرط پر۔'' انہوں نے کہا۔

''تمہیں اور عمران کو شادی کرنی ہو گی۔'' عمران اور مشعل نے چونک کر رقیہ بیگم کو دیکھا۔ ''بھئی انکار مت کرنا ورنہ میں ایسے ہی روٹھی رہوں گی۔''

''مجھے منظور ہے نانی، جیسے آپ کہیں۔'' مشعل نے شرما کر عمران کی طرف دیکھا اور شرما کر کمرے سے باہر بھاگ گئی۔ عید کا چاند بھی ان کے ملن پر مسکرا رہا تھا۔

......☆......

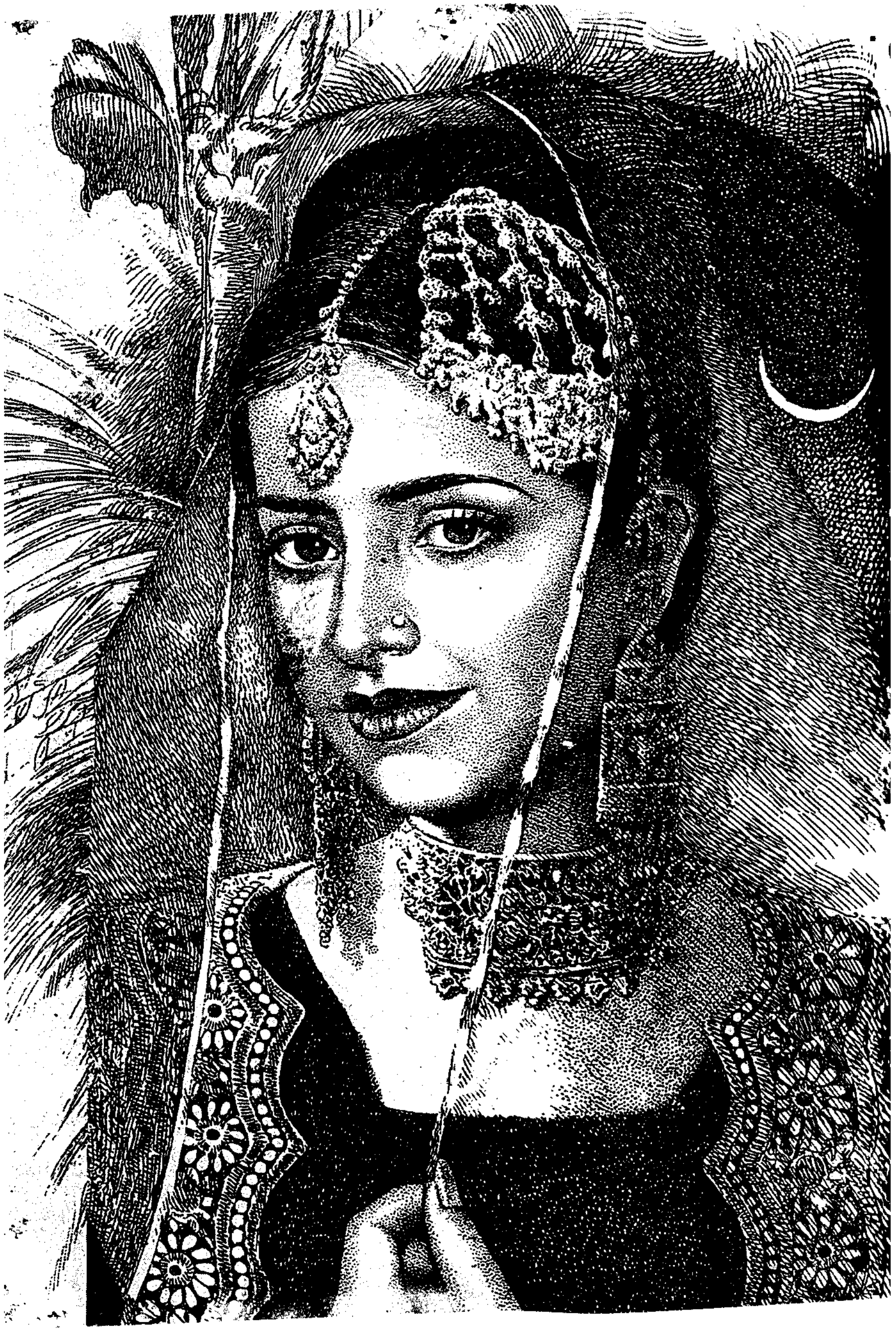

حنا شاہد

# فیصلہ

''ماشاء اللہ! ماشاء اللہ! بہت خوب صورت! قابل ستائش!''

یہ الفاظ کس قدر سحر کن، کس قدر مدہوش کر دینے والے تھے۔ پہلی بار کسی کا مجھے دیکھ کر میرے بارے میں ایسے الفاظ ادا کرنا مجھے بے حد حیرت زدہ کر رہا ہے۔

آنکھوں میں آنسوؤں کو دبائے، ہونٹوں پر تبسم سجائے وہ اپنے بستر میں دبک کے بیٹھی تھی۔ خوشی سے اس کے ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے تھے۔ گھر میں شادی کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ ماں باپ کی لاڈلی بیٹی روشانے جہاں ان کے دل کی ٹھنڈک تھی۔ وہیں اپنے بھائی اسد کی آنکھوں کا تارا بھی تھی۔

اس کی ہر خواہش کو سر آنکھوں پر رکھا جاتا اور ہر بات کو منہ سے نکلنے سے پہلے ہی پورا کر دیا جاتا۔ سب کے لاڈ پیار نے اسے بے حد حساس اور نازک مزاج بنا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عائشہ بیگم نے روشانے کی شادی کرنے میں عجلت بالکل نہیں دکھائی۔ بلکہ انہوں نے نہایت تحمل مزاجی سے اس کے لیے ایسا سسرال ڈھونڈا جہاں اسے کسی بھی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو۔

اچھا خاندان، امیر گھرانہ، دولت کی ریل پیل اور لمبا چوڑا سسرال نہ ہونا یہ تمام خوبیاں کسی بھی رشتے میں دیکھنا عائشہ بیگم نے اپنا وطیرہ بنا لیا تھا اور اس سوچ کی وجہ سے انہوں نے معلوم نہیں کتنے ہی اچھے رشتوں کو منع کر دیا۔ بالآخر طویل جدوجہد کے بعد عائشہ بیگم کو ایسا گھرانہ مل ہی گیا لیکن اس طوالت کی وجہ سے روشانے کی عمر کے کئی سال عائشہ بیگم کی سوچ کی نذر ہو گئے۔

ارمان اور اس کی ماں سے پہلی ملاقات میں ہی عائشہ بیگم اس قدر متاثر ہوئیں کہ کسی سے بھی مشورہ کیے بغیر روشانے کی بات پکی کر دی اور چٹ منگنی پٹ بیاہ والی بات کی۔

☆......☆

''ارمان عمر میں روشانے سے پانچ سال چھوٹا ہے لیکن یہ ارمان اور اس کی والدہ کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ انہیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' عائشہ بیگم نے نہایت تفاخر سے کہا تو ہال میں موجود لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ ایک خاتون جو عائشہ بیگم کے بالکل عقب میں کھڑی تھیں۔ عائشہ بیگم کی بات سن کر گویا ہوئی۔

''دیکھ لیجیے گا یہ اچھائی کہیں مہنگی نہ پڑ جائے۔ زمانہ دیکھا ہے میں نے کہے دیتی ہوں ایسے ہی کوئی اپنے کم عمر لڑکے کے ساتھ اتنی بڑی عمر کی لڑکی کو نہیں بیاہ لیتا ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔'' خاتون نے اپنی آنکھیں مٹکا کر کہا تو اس کی بات سن کر عائشہ بیگم غصے سے لال ہو گئیں انہوں نے یکدم ہی گھور کر اس کی طرف دیکھا لیکن دوسرے ہی لمحے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے بولیں۔

''ایسی باتیں کر کے بدشگونی تو نہ کیجیے۔ ابھی نکاح ہوا ہے اور آپ بجائے اس کے کہ دعا کریں روشانے اپنے گھر میں خوش رہے۔ ایسی باتیں کر رہی ہیں۔''

''ہائے! ہائے! ایسا کیا کہہ دیا میں نے؟ میں ویسے ہی ایک بات کر رہی تھی۔ تم تو میرے منہ کو آ گئیں۔'' خاتون نے ہاتھ ہلا کر غصہ سے کہا اور پاؤں

پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

''مجھے سب معلوم ہے یہ لوگ میری بیٹی اور داماد کو دیکھ کر جل رہے ہیں۔ اللہ میری بیٹی کو حاسدوں کی بدنظر سے بچائے۔'' عائشہ بیگم نے دل ہی دل میں کہا اور اسٹیج کی طرف ہولیں۔ جہاں سب لوگ نئے نویلے جوڑے کے ساتھ تصویریں کھنچوانے میں مشغول تھے۔

عروسی لباس میں ملبوس روشانے شہزادی لگ رہی تھی لیکن اس کی آنکھیں اپنے باپ اور بھائی کی منتظر تھیں وہ دونوں کچھ عرصے سے کینیڈا میں مقیم تھے اور اچانک ویزا نہ ملنے کی وجہ سے پاکستان نہ آسکے۔

اتنے اہم موقع پر اپنے باپ اور بھائی کی غیر موجودگی جہاں اس کی آنکھوں میں آنسو سجا رہی تھی۔ وہیں نئی زندگی کے نئے سفر کے شروع ہونے کی خوشی اس کی آنکھوں میں نئے دیپ جلا رہی تھی۔

بالآخر بہت سارے لوگوں کی دعاؤں کے سائے میں عائشہ بیگم نے روشانے کو رخصت کردیا۔ آہستہ آہستہ سب لوگ بھی رخصت ہوگئے۔ بیٹی کی رخصتی پر عائشہ بیگم کی آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں لیکن ان کا دل ہر لمحے بیٹی کو ڈھیروں دعائیں دے رہا تھا۔

☆......☆

''تمہیں اپنی زندگی کا ہمسفر بنا کے جتنی مسرت مجھے ہورہی ہے اتنی شاید پہلے کبھی نہیں ہوئی۔'' ارمان نے مسکرا کر کہا۔

''تمہیں جب پہلی بار دیکھا تو میرا دل زور زور سے دھڑکا تھا اور بس یہ ہی صدا بلند ہوئی تھی۔ یہ ہی ہے وہ لڑکی جس کا مجھے انتظار تھا۔'' ارمان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ روشانے بھی مسکرانے لگی اور شرم کے مارے اس کے گال مزید سرخ ہوگئے۔ روشانے کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں تھامے ارمان ساری رات ایسی ہی خوب صورت باتیں کرتا رہا۔ کبھی تو وہ شرمانے لگتی اور کبھی خود پر ناز کرتی۔ یوں ہی باتیں کرتے کرتے وقت کا پتہ ہی نہ چلا اور رات بیت گئی۔

☆......☆

''میں اکتا گیا ہوں اب۔'' ارمان نے غصہ سے کہا تو عالیہ بیگم نے چائے کا کپ فوراً میز پر رکھا اور ارمان کی طرف دیکھتے ہوئے جھٹ سے بولیں۔

''کس چیز سے اکتا گئے ہو؟'' انداز سوالیہ تھا۔ ماں نے سوال کرکے اسے مزید تپا دیا اور وہ فوراً ناشتے کی ٹیبل سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ کی بہو کی بے جا تعریفیں کرتے کرتے اور ایک فرمانبردار شوہر کا کردار ادا کرتے کرتے میں تھک گیا ہوں۔'' غصے سے اس کی آنکھوں میں لالی اتر آئی اور وہ چل کر ٹی وی لاؤنج میں چلا آیا۔ ارمان کے رویے سے عالیہ بیگم کو تشویش ہوئی تو وہ فوراً بیٹے کے پیچھے پیچھے چلی آئیں۔

''ایسا بھی کیا ہوگیا ہے؟ تھوڑا صبر سے کام لو۔'' عالیہ بیگم نے اسے سمجھایا۔

''کیا صبر کروں؟ میرے سارے دوست میرا مذاق اڑاتے ہیں۔'' ارمان نے استفسار کیا تو عالیہ بیگم نے اس کی طرف گھور کر دیکھا اور پھر غصے سے بولیں۔

''تمہارے یہ دوست تمہیں کھانے کے لیے تو کچھ نہیں دیتے۔ تمہاری ساری عیاشی کا ہمیشہ میں نے خیال رکھا ہے اور تمہیں اپنے دوستوں کی پروا ہے۔''

''مام! میرا مطلب ہے ہمیں یہ ڈرامہ اور کتنے دن کرنا ہوگا۔ یار! میں فیڈ اپ ہوگیا ہوں۔'' اس بار وہ تحمل سے بولا مگر اس کے لہجے سے اکتاہٹ واضح تھی۔

''صبر کرو بس تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے۔'' عالیہ بیگم نے ارمان کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے اسے صبر کی تلقین کی لیکن وہ ماں کی کہی ہوئی بات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بے صبری سے پھر گویا ہوا۔

''اور کتنا صبر؟'' انداز سوالیہ تھا۔

''ماما......اور کتنا صبر؟ اس عورت کے ساتھ ایک سیکنڈ بھی گزارنا مشکل ہے۔'' ارمان فوراً سے صوفے بیٹھ گیا اور اس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں دھ



لیکن دوسرے ہی لمحے وہ عالیہ بیگم کی بات سن کر خوشی سے اچھل پڑا۔

''گلبرک میں ایک کینال کی کوٹھی۔ تمہارے لیے ایک نیو کار اور پھر تمہیں کینیڈا میں سیٹل کروانا۔ بس یہ سارے مطالبات پورے ہوجائیں تو ٹھیک ہے۔ ساری زندگی روشانے اسی کوٹھی کے کسی کونے میں پڑی رہے گی اور تم اپنی پسند کی کسی لڑکی سے شادی کرکے اپنی لائف کو انجوائے کرنا اور اگر ہمارے یہ مطالبات پورے نہ ہوئے تو تم تین لفظ سنا دینا روشانے کو۔ پھر وہ اپنے گھر اور ہم اپنے گھر۔'' عالیہ بیگم کی بات سن کر ارمان نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا جس کی گونج ٹی وی لاؤنج میں سنائی دی۔

☆......☆

''زندگی کا یہ وقت کس قدر خوب صورت ہے۔ ارمان کس قدر اچھے ہیں۔ ان کی والہانہ محبت نے مجھے کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ میں بے حد خوش قسمت ہوں۔'' روشانے اپنی قسمت پر ناز کرتے ہوئے ارمان کی خوبیوں کے تانے بانے اپنی سوچوں میں بن رہی تھی کہ اچانک دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چونکا دیا۔ روشانے اٹھی، جلدی سے دروازہ کھولا تو سامنے عالیہ بیگم کھڑی تھیں۔

''السلام علیکم امی!'' روشانے نے نہایت مہذبانہ انداز میں عالیہ بیگم کو سلام کیا۔ عالیہ بیگم نے دھیرے سے سلام کا جواب دیا۔ کمرے میں داخل ہوئیں اور صوفے پر بیٹھ گئیں اور روشانے کو بھی اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ نہایت ہی بناوٹی انداز سے بات شروع کی۔

''روشانے دیکھو! اب تم بھی ہمارے گھر کی ایک فرد ہو اگر ہم تم سے کوئی بھی بات چھپائیں تو وہ ٹھیک نہیں ہے۔'' عالیہ بیگم کا لہجہ بے حد بناوٹی تھا مگر وہ تو مہارت رکھتی تھیں۔ بناوٹی انداز میں پرخلوص الفاظ ادا کرکے سامنے والے کو جھانسہ دینے کا۔

''امی جان! کیا ہوا ہے؟ کھل کر بات کریں۔'' روشانے جھٹ سے بولی۔

''روشانے جو بات میں تمہیں بتانے جارہی ہوں، اس کو سننے کے بعد یقیناً تمہیں دکھ ہوگا مگر میرا خدا جانتا ہے اس میں ہماری نیت خراب نہیں تھی اور تم سے بھی درخواست ہے کہ تم ہماری نیت پر شک نہ کرنا۔'' عالیہ بیگم نے لجاجت سے کہا تو روشانے نے اپنا ہاتھ عالیہ بیگم کے ہاتھ پر دھرا اور دھیرے سے بولی۔

''امی! کیسی باتیں کررہی ہیں۔ آپ سے اور ارمان سے میں کبھی بھی بدگمان نہیں ہوسکتی۔ آپ بے فکر ہوکر بولیے۔''

''روشانے یہ گھر ہمارا نہیں ہے بلکہ کرائے کا ہے اور مالک مکان ہمیں بہت تنگ کررہا ہے۔'' عالیہ بیگم نے نہایت معصومانہ انداز میں کہا تو روشانے ان کی بات سن کر حیرت زدہ رہ گئی۔

''لیکن امی! آپ لوگوں نے تو کہا تھا یہ گھر آپ کا ہے اب آپ......'' ابھی روشانے کی بات مکمل بھی نہ ہو پائی تھی کہ عالیہ بیگم نے ساری کی ساری بات روشانے کی ماں پر ڈال دی۔

''اب دیکھو روشانے جب میں اور ارمان تمہیں دیکھنے تمہارے گھر آئے تھے تم ہمیں بے حد پسند آئیں لیکن تمہاری والدہ کی ڈیمانڈ نے ہمیں یہ قدم اٹھانے پر مجبور کیا۔ نہیں تو وہ پھر کبھی بھی تمہاری شادی ارمان کے ساتھ نہ کرواتیں۔'' عالیہ بیگم کی یہ دلیل کام کرگئی اور روشانے کے منہ پر خاموشی کا قفل لگا گئی۔

''تم اپنی والدہ سے بات کرو کہ وہ اسی علاقے میں کوئی گھر ہمیں کرائے پر لے دیں اور اگر تمہیں یہ سب نامناسب لگتا ہے تو پھر ٹھیک ہے ہم اپنے پرانے والے گھر میں چلتے ہیں۔'' عالیہ بیگم کی یہ ساری باتیں روشانے کی حیرانگی میں مزید اضافہ کررہی تھیں لیکن اس وقت اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا تھا۔

''اب تم خود سوچو بیٹی! اس گھر میں تم عیش سے

رہتی ہو۔ وہاں اس گھٹیا سے چھوٹے سے علاقے کے چھوٹے سے گھر میں تم زندگی کیسے گزارو گی۔ میرا کیا ہے میں تو آج زندہ ہوں کل نہیں رہوں گی۔ تمہارے ہی فائدے کی بات ہے سوچنا ضرور۔" عالیہ بیگم نے نہایت ہی محتاط انداز میں اپنی پہلی چال چل دی لیکن اس چال نے روشانے کے حواس گم کر کے رکھ دیے۔ عالیہ بیگم تو اپنی بات روشانے کے گوش گزار کر کے چلی گئیں لیکن اسے سوچوں کے گہرے سمندر میں دھکا دے گئیں۔

بالآخر روشانے نے عائشہ بیگم کو فون کر کے ساری بات بتا دی۔ پہلے تو عائشہ بیگم کو بے حد غصہ آیا لیکن تحمل سے سوچا تو روشانے کا گھر بسانے کے لیے عالیہ بیگم اور ارمان کی خواہش پر ڈیفنس میں گھر خرید کر روشانے کے نام کر دیا اور روشانے کے لیے ایک خوش حال زندگی کا گمان کر کے مطمئن ہو گئیں۔

☆......☆

"ارمان! آج ذرا دفتر سے جلدی گھر آجائیے گا۔ مجھے امی کی طرف جانا ہے۔" روشانے کی بات سن کر ارمان غصہ سے لال ہو گیا اور ٹائی کی ناٹ غصہ سے باندھتے ہوئے بولا۔

"تمہاری ماں نے کون سا کار خرید کر دی ہے جو میں آئے روز تمہیں تمہاری ماں کے گھر لے کر جاؤں۔ بسوں میں دھکے کھا کر دفتر جاتا ہوں۔ تمہارے یہ چونچلے نہیں اٹھا سکتا۔"

ارمان نے غصے سے فائل اٹھائی اور وہاں سے چلا گیا لیکن روشانے کو ارمان کے اس رویے نے جہاں شدید صدمے سے دوچار کیا وہیں عالیہ بیگم کی بات سن کر وہ چونک کر رہ گئی۔

"ارمان نوکری کر کر کے تھک گیا ہے وہ اپنا کاروبار کرنا چاہتا ہے۔ تمہارے ماں باپ کے پاس اتنا پیسہ ہے اگر وہ تیس چالیس لاکھ روپے ارمان کو کاروبار کے لیے دے دیں تو کون سا ان کا خزانہ ختم ہو جائے گا۔"

"اپنی ماں کے گھر جانا ہے تو ابھی جاؤ...... شوق سے جاؤ مگر واپس اسی وقت آنا جب ارمان کے کاروبار کے لیے پیسے اور نیو کار کی چابی تمہارے ہاتھ میں ہو اگر یہ مطالبات پورے نہیں کر سکے تو ہمیں بھی تمہاری ضرورت نہیں ہے۔" عالیہ بیگم کے تیکھے لہجے نے روشانے کے سارے وجود کو چھلنی کر دیا۔ اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ پھانس کی طرح اٹک گیا۔

"معلوم نہیں یہ لالچ تھا، ہوس تھی یا پھر ضروریات......" روشانے دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوئی لیکن اس کے دل میں تو خاموشی کے قفل پڑے تھے۔ ایسا سکوت چھایا تھا کہ کسی بھی سوال کا کوئی بھی جواب نہیں مل رہا تھا۔

وہ گھر آئی اور عائشہ بیگم کے سامنے آنسوؤں سے بھیگے اس نازنین چہرے نے مطالبات کی نئی لسٹ تھما دی۔

"امی! میں ارمان سے بے حد محبت کرتی ہوں لیکن میں محبت کے نام پر کسی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے خود کو سیڑھی نہیں بنانا چاہتی۔" روشانے نے ہمت سے کام لیتے ہوئے اپنی ماں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور اپنے انسان ہونے کا ثبوت دیا۔

"ایسے نہیں کہتے اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے ہمارے پاس مجھ سے اور تمہارے ابا سے جہاں تک ہوگا دنیا کی ہر خوشی لا کر تمہارے قدموں میں رکھ دیں گے۔ تم پریشان کیوں ہوتی ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" عائشہ بیگم نے روشانے کو گلے سے لگاتے ہوئے حوصلہ دیا۔ عالیہ بیگم اور ارمان کے ان مطالبات کو بھی پورا کر دیا۔ روشانے پھر سے اپنی ساس اور شوہر کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزارنے لگی۔ یہ وقتی خوشی تھی یا زندگی بھر کا دھوکہ روشانے حقیقت جان کر بھی انجان بن رہی تھی یا پھر یہ ہم مشرقی لڑکیوں کی تربیت میں شامل ہوتا ہے گھر بسانے کے لیے اپنی عزت نفس کو روند ڈالنا۔



☆......☆

بہت جدا ہے اوروں سے میرے درد کی کیفیت
زخم کا کوئی نشاں نہیں اور تکلیف کی کوئی انتہا نہیں

پھر زندگی نے ایک اور کروٹ لی اور روشانے کی شادی کو چار سال بیت گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ارمان کا رویہ بھی بدل گیا۔ رات کو دیر سے گھر آنا اس کا معمول بن گیا اگر کبھی روشانے دیر سے گھر آنے کی وجہ پوچھ لیتی تو پھر ایک نیا فساد برپا ہو جاتا۔ دولت کی ریل پیل نے جہاں ارمان کا دماغ ساتویں آسمان تک پہنچا دیا وہیں بری صحبت نے اسے نشے جیسی بری لت میں مبتلا کر دیا۔ نشے کی حالت میں وہ آکر روشانے کے ہاتھوں اور بازوؤں پر جلتا ہوا سگریٹ لگاتا۔

قسمت نے جہاں اتنے ستم ڈھائے وہیں ایک ستم یہ بھی کر دیا کہ شادی کے چار سال بعد بھی روشانے کو اولاد کی نعمت سے محروم رکھا۔ عالیہ بیگم اٹھتے بیٹھتے طنز کے ایسے نشتر چلاتیں جس سے روشانے کا سارا وجود چھلنی ہو جاتا۔ آج تو عالیہ بیگم نے حد ہی کر دی۔

روشانے کچن میں کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ تبھی عالیہ بیگم نے اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا۔

"ہائے ہائے ہمارے تو نصیب ہی کھوٹے ہیں جو روشانے جیسی منحوس ماری سے پالا پڑ گیا۔ ہائے...... میرا تو اکلوتا بیٹا ہے اور وہ بھی کیا اب ساری زندگی اولاد کی نعمت سے محروم رہے گا۔" انہوں نے آنسو پونچھتے ہوئے روشانے کی طرف نفرت سے دیکھا۔

"امی! یہ تو اللہ کے کام ہیں۔" روشانے حسرت سے بولی۔ تو عالیہ بیگم نے گھور کر اس کی طرف دیکھا اور غصے سے گویا ہوئیں۔

"اپنے قصور کو خدا پر نہ ڈالو۔ جب عورت کی عمر زیادہ ہو جائے تو وہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کھو دیتی ہے۔" عالیہ بیگم نے حقارت سے کہا تو روشانے نے سر اٹھا کر ایک لمحے کے لیے عالیہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"امی! اگر یہ سب میرے اختیار میں ہوتا تو میں ضرور اپنے ماں باپ سے فرمائش کرتی۔ وہ میری خوشی کے لیے آپ کی یہ خواہش بھی پوری کر دیتے۔" روشانے کے صبر کا پیمانہ ٹوٹ گیا تھا۔

"اللہ نے اور راستے بھی تو بتائے ہیں۔" عالیہ بیگم کہاں باتوں میں دبنے والی تھیں۔ اپنے مطلب کی بات کو پورا کرنا اور اپنا کام نکلوانا وہ خوب جانتی تھیں۔

"کیا مطلب ہے امی جان؟" روشانے نے چونک کر حیرت سے پوچھا۔

"مطلب صاف ہے جو چیز تم نہیں دے سکتی وہ کسی اور سے حاصل کر لیتے ہیں۔"

مفاد پرست اور خود غرض لوگوں سے کچھ بھی بعید نہیں ہوتا۔ عالیہ بیگم کی خود غرضی انتہا کو چھو رہی تھی۔

"کیا یہ بھی ممکن ہے؟ میری وفا، میری قربانی، میری دولت کیا ان لوگوں کو کبھی میرا نہیں بنا سکے گی۔" وہ حیرت زدہ تھی۔

"میں ان کے لیے محض ایک ذریعہ ہوں۔ خواہشات اور مطالبات کو پورا کرنے کا۔ اگر میں ان کے مطالبات کو پورا نہ کروں تو میں بے کار ہو گئی۔" روشانے خاموش بیٹھی تھی سوالوں کی بوچھاڑ تھی مگر جواب کہیں نہیں تھا۔

"روشانے تم ارمان کو دوسری شادی کی تحریری اجازت دے دو۔" عالیہ بیگم نے حتمی طور پر اپنا فیصلہ سنایا۔ جو روشانے پر بم کی طرح گرا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی ہو۔ پھر روشانے نے اپنے خاموشی کے قفل کو توڑا اور لڑکھڑاتی زبان کے ساتھ عالیہ بیگم سے ایک سوال پوچھا۔

"کیا ارمان کا بھی یہ ہی فیصلہ ہے؟" نہ جانے کس قدر ہمت کر کے اس نے یہ سوال پوچھا تھا۔

''تو کیا اس کا فیصلہ مجھ سے الگ ہوگا۔ وہ تو تم سے شادی ہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بھلا تم خود سوچو کون کم عمر کا لڑکا اپنے سے پانچ سال بڑی عمر کی عورت سے شادی کا خواہش مند ہوگا؟ بس ہمیں تو دولت چاہیے تھی۔ اسی لیے تمہیں بیاہ لائے۔ اب تم ہمیں اولاد نہیں دے سکتی تو ساری زندگی کیوں تمہارے ساتھ بندھا رہے میرا بیٹا۔ اسے بھی جینے کا حق ہے یہ تو میں تھی جس نے اپنے بیٹے کو تم جیسی بانجھ لڑکی کے پلو سے باندھے رکھا۔'' عالیہ بیگم نے خفگی سے کہا اور ایسی خود غرضانہ باتیں کیں جنہوں نے روشانے کے سارے وجود کو چھلنی کر دیا۔

''ٹھیک ہے مجھے آپ کی اس خواہش پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میری ایک شرط ہے۔'' اس نے اپنے اندر ٹوٹتی پھوٹتی روشانے کو یکدم ہی گلا گھونٹ کے مار دیا اور انتہائی جرأت سے بولی۔ جس سے عالیہ بیگم بوکھلاہٹ کا شکار ہوگئیں۔

''ش......ش......شرط! کیا شرط ہے تمہاری؟'' انداز سوالیہ تھا۔

''ارمان سے کہہ دیجیے گا مجھے طلاق بھجوا دے۔ آپ بھی ایک ہفتہ کے اندر میرا گھر خالی کر دیجیے گا۔ میں اپنی امی کے گھر جا رہی ہوں اور گاڑی کی چابی میں کمرے سے خود ہی لے لیتی ہوں۔ اب میں اس سے زیادہ سانپوں کو دودھ نہیں پلا سکتی۔'' روشانے غصے سے چلا رہی تھی۔ آج پہلی بار اس نے عالیہ بیگم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بغیر کسی ڈر اور خوف کے اپنی بات کو بیان کیا۔ روشانے کی باتوں نے عالیہ بیگم کو حیرت زدہ کر دیا۔ ان کے اوسان خطا ہوگئے لیکن جب تک وہ اس کیفیت سے باہر نکلیں روشانے سارا ضروری سامان لے کر وہاں سے جا چکی تھی۔

☆......☆

میری رسوائی میں غیروں کا کوئی دوش نہیں
اس میں شامل ہیں میرے اپنے چاہنے والے

عائشہ بیگم نے روشانے کو اپنی چوکھٹ پر بمع سوٹ کیس دیکھا تو وہ حواس باختہ رہ گئیں لیکن روشانے جو آج ساری کشتیاں جلا کر آئی تھی۔ اس کے چہرے پر ندامت یا دکھ کے آثار نہیں تھے۔

''غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اس جہنم سے آزاد ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔'' روشانے نے نہایت جرأت سے کہا۔

''مگر اب عالیہ بیگم اور ارمان کیا چاہتے ہیں؟'' روشانے کو صوفے پر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے عائشہ بیگم نے اپنے حواس سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

''وہ چاہتے ہیں میں میکے سے انہیں اولاد بھی لا دوں۔'' وہ استہزائیہ مسکرائی۔ عائشہ بیگم کو ایک لمحے کے لیے گمان ہوا کہ شاید روشانے کے دماغ پر ان ساری باتوں کا اثر ہوگیا ہے۔

''روشانے ہوش کرو......یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' عائشہ بیگم نے روشانے کے کندھے کو تھپتھپایا اور اسے حوصلہ دیتے ہوئے بوکھلا کر پوچھا۔

''امی! ہوش میں تو میں اب آئی ہوں۔'' وہ غصے سے چلائی۔

''کیا مطلب روشانے؟ کیا ہوا ہے؟ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے بیٹی۔'' عائشہ بیگم کے ہاتھ پاؤں یخ بستہ ہوگئے۔ انہیں کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''سب قصور آپ کا ہے امی! جب کسی کے کردار کے بجائے اس کا گھر، جائیداد اور دولت کے معیار کو پرکھا جائے تو بیٹیوں کے گھر کبھی نہیں بستے بلکہ ان کے گھر پہلے دن ہی اجڑ جاتے ہیں۔ شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی وہ طلاق یافتہ جیسی زندگی گزارتی ہیں۔'' وہ غصہ سے چلا رہی تھی گویا اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی ہو اور عائشہ بیگم گم صم بیٹھی بیٹی کی ساری باتیں سن رہی تھیں۔

''یہ دیکھیں میری بازو، یہ سگریٹ کے جلے نشان، یہ نشان میرے بازوؤں پر نہیں لگے بلکہ انہوں نے تو میری روح کو گھائل کر دیا ہے۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی جب کہ عائشہ بیگم اس کی خوب صورت نازک کلائیوں کو بدنما کرتے ہوئے ان دھبوں کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔

''امی! میں تو صرف ان کی حرص اور ہوس کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ تھی۔ ایک سیڑھی کے سوا میری کوئی حیثیت نہ تھی اور اب وہ ارمان کی دوسری شادی کرنا چاہتی ہیں محض اولاد کے لیے۔'' اب کے روشانے بلک بلک کے رونے لگی۔ عائشہ بیگم نے اسے گلے سے لگا لیا اور حوصلہ دیتے ہوئے بولیں۔

''لعنت بھیجو ایسے حریص لوگوں پر......'' انداز حقارت آمیز تھا۔

''ساری غلطی میری تھی۔ میں نے تمہارے لیے امیر خاندان ڈھونڈا ان کی دولت اور رہن سہن کو پرکھتی رہی مگر کردار کو میں نے نظر انداز کر دیا۔ میں نے یہ کبھی سوچا ہی نہیں کہ یہ سب کچھ دکھلاوا بھی ہوسکتا ہے۔ سارا قصور میرا ہی ہے۔'' عائشہ بیگم نے اپنا قصور تسلیم کرتے ہوئے نہایت تاسف سے کہا مگر اب کیا ہوسکتا تھا ایک غلط سوچ روشانے کی زندگی کو برباد کر چکی تھی۔

☆......☆

ارمان جب گھر واپس آیا تو عالیہ بیگم نے اسے ساری صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ غصے سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا اور فوراً ہی روشانے کے والد کو کینیڈا فون کر کے روشانے کے کردار پر حرف گیری کی۔

پہلے تو وہ بے حد پریشان ہوئے لیکن انہیں اپنی بیٹی روشانے پر مکمل بھروسہ اور اعتماد تھا۔ لہٰذا انہوں نے روشانے سے تفصیلاً بات کی۔ روشانے نے بھی رو رو کر اپنے ابو اور بھائی کو گزشتہ چار سالہ زندگی کے نشیب و فراز کے بارے میں آگاہ کیا۔

ساری حقیقت جان لینے کے بعد انہوں نے روشانے کو بھرپور حوصلہ دیا اور روشانے کی عقلمندی اور جرأت مندانہ فیصلے پر اسے بھرپور سراہا۔ اولین فرصت میں اسد اور اس کے ابو پاکستان آ گئے۔ دوسری طرف ارمان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ اس نے اپنے دوستوں سے بات کی جو غنڈہ عناصر سے تعلق رکھتے تھے۔ رات کے وقت انہوں نے روشانے کے گھر کے باہر فائرنگ کی۔ جس کے نتیجے میں اسد شدید زخمی ہوگیا۔ اسے فوری طور پر اسپتال منتقل کیا گیا۔

روشانے کے والد کے تعلقات کمشنر صاحب سے تھے۔ انہوں نے ساری بات سننے کے بعد روشانے اور اس کے ابو کو حوصلہ دیا اور تھانے میں ایف آئی آر درج کروا دی۔ تھانے دار نے شام کے وقت دھاوا بول کر ارمان اور اس کی لالچی ماں عالیہ بیگم کو حوالات میں بند کر دیا۔ قبل اس کے کہ عالیہ بیگم اور ارمان ضمانت کروا کے جیل سے رہا ہوتے۔ روشانے کے ابو نے کوٹھی اور گاڑی کو فروخت کر دیا اور خلع کے لیے عدالت سے رجوع کیا۔ تین ماہ میں خلع ہوگئی۔

ایک غلط سوچ نے روشانے کی زندگی کو جہنم میں دھکیل دیا اگر ہم پہلے مطالبے پر ہی ''نہیں'' کا قفل لگا دیں تو زندگیاں برباد ہونے سے بچ جائیں گی۔ روشانے کے ابو کو اس بات کی خوشی تھی کہ اس نے بروقت اپنی زندگی کو بے حد عقلمندی اور جرأت و دلیری سے بچا لیا تھا۔ وہ ایک قدم جو اس کے لیے اٹھانا بے حد مشکل تھا۔ وہ قدم اس نے اٹھایا اور اپنی زندگی کو مزید برباد ہونے سے بچا لیا۔

جہیز ایک لعنت ہے۔ ایک ایسا معاشرتی ناسور ہے جو ہماری بیٹیوں کی عمروں کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔ سب مل کر فیصلہ کریں اور اپنا اپنا قدم اٹھائیں اور اس معاشرتی ناسور کو جڑ سے اکھاڑنے میں اہم کردار ادا کریں۔

......☆......

فزاء رحمٰن

افسانہ

# محبت یوں بھی ہوتی ہے

''فائزہ اٹھ جاؤ بیٹا بہت دیر ہوگئی ہے دیکھو آٹھ بج گئے ہیں۔ کالج ٹائم نکل جائے گا پھر بعد میں نہ کہنا مجھے اٹھایا نہیں۔'' تسلیم بیگم اپنی لاڈلی کو جگا رہی تھیں لیکن فائزہ بھی اپنے نام کی ایک تھی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ جانتی تھی وہ نہیں اٹھی تو بابا آئیں گے جگانے اور یہ ہی تو وہ چاہتی تھی۔ بابا کا وہ بالوں میں ہاتھ پھیرنا اسے بہت پسند تھا۔ نرم و ملائم لہجے میں جگانا اسے بہت پسند تھا۔

تسلیم بیگم تھک گئیں تو مجبوراً شفیق حسین کو بھیجنا پڑا۔

''فائزہ بیٹی اٹھ جائیے دیکھیے آپ کے کالج کی وین آنے والی ہے۔'' شفیق حسین حسب معمول بالوں میں انگلیاں چلا رہے تھے اور پیار سے جگا رہے تھے۔

فائزہ کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر مجبوری تھی نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اٹھنا پڑا تھا۔ اٹھ کر بابا کے گلے میں بانہیں ڈال کر صبح بخیر کہا اور جلدی سے باتھ لینے چل دی۔

☆......☆

فائزہ کے والد شفیق حسین اپنے والدین کی ایک ہی اولاد تھے۔ شفیق حسین گورنمنٹ کالج میں لیکچرار تھے۔ ان کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑی فائزہ اور دو چھوٹے بھائی اذہان اور ریحان جو جڑواں تھے اور نائنتھ کے اسٹوڈنٹ تھے۔ فائزہ بھی F.S.C کر رہی تھی۔ کیونکہ فائزہ اپنے والدین کی اکلوتی تھی۔ اسی لیے گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ سب کی اس میں جان تھی۔ وہ بابا اور بھائیوں کا مان ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔

☆......☆

بابا جانی کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی۔ انہیں دل کا اٹیک ہوا تھا۔ فائزہ کا تو رو رو کر برا حال تھا۔ I.C.U کے باہر چکر کاٹ رہی تھی۔ ڈاکٹر نے آکر خوشی کی نوید سنائی۔ ''اب وہ خطرے سے باہر ہیں۔ کچھ دوائیوں کے زیر اثر ہیں۔ کچھ گھنٹوں میں ہوش آجائے گا۔'' وہ کہہ کر چلے گئے۔

وہ مسلسل چکر کاٹ رہی تھی۔ جب نرس نے آکر فائزہ کو پکارا تھا۔ ''آپ میں سے فائزہ کون ہیں۔'' نرس نے تسلیم بیگم اور فائزہ سے پوچھا۔

''جی میں ہوں کہیں۔'' فائزہ نے بتایا۔

''آپ کے فادر آپ کو بلا رہے ہیں۔'' وہ کہہ کر چلی گئی۔

وہ جونہی کمرے میں داخل ہوئی اپنے پیارے بابا کو مشینوں میں جکڑا پایا۔ مشینوں کی وجہ سے بابا جانی کو بات کرنے میں مسئلہ ہو رہا تھا۔ وہ یہ سب دیکھ کر رو دی۔ بابا نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا اور سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''بابا! آپ جلدی ٹھیک ہوجائیں۔ ہم سے نہیں دیکھا جاتا۔ ہمارا دل نہیں لگتا اپنے بابا کے بغیر۔'' فائزہ نے روتے ہوئے کہا۔

☆......☆

''حارث جلدی چل حیدرآباد میں میٹنگ رکھی ہے بھائی جان نے ارجنٹ نکلنے کو کہا ہے اور تو اب تک موبائل پر لگا ہے۔'' علی کو حارث پر بہت غصہ آیا تھا جو کب سے موبائل پر باتیں کرنے میں مصروف تھا۔

''ہاں یار بھائی جان کا مجھے بھی میسیج آیا تھا۔'' حارث نے بتایا تو علی کا پارہ مزید ہائی ہوا۔

''پھر بھی اتنی لاپروائی برت رہا ہے۔ جانتا بھی ہے رستہ

خراب ہے۔ روڈ بن رہا ہے نوری آباد کا۔ پھر ہمیں پہنچنے میں بھی چار گھنٹے لگیں گے۔" علی نے غصے میں کہا تو حارث کو فون بند کرنا ہی پڑا۔

علی کی تو راشد بھائی میں جان تھی اور راشد بھائی جان نے بلایا تھا علی کیسے نہ جلدی کرتا۔ ایسا نہ تھا کہ راشد بھائی ان کے سگے بھائی تھے۔ پر علی انہیں بہت چاہتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے ایک ٹرسٹ بنایا تھا جو مستحق لوگوں کی مدد کرتا تھا، ٹرسٹ کی بنیاد علی اور راشد بھائی نے رکھی تھی۔ وہ اب اس ٹرسٹ کو بہت اچھے طریقے سے سنبھال رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ٹرسٹ میں لوگوں کا اضافہ ہوتا گیا۔

"چلو میں تیار ہوں۔" حارث نے کہا۔ وہ دونوں حیدر آباد روانہ ہو گئے۔

☆......☆

بابا کے اٹیک کی خبر سن کر سب ان کی عیادت کے لیے آ رہے تھے۔ حارث جو بابا کے رشتے میں نواسے تھے وہ بھی آئے تھے۔ چونکہ وہ حیدر آباد میں ہی تھے تو یہ آسانی سے آ گئے تھے۔ حارث کے موبائل پر مسلسل ٹون ہو رہی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔

"ہاں بولو علی؟"

"نہیں تم یہاں آ جاؤ، ادھر سے ہی پک کر لینا۔" حارث نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ اب وہ باقاعدہ فائزہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"ہاں تو فائزہ خالہ آپ کی کیا مصروفیات ہیں۔" حارث نے خالہ پر زور دیا تھا۔ جانتا تھا وہ چڑ جائے گی اور حارث یہ ہی چاہتا تھا کیونکہ اس کی سوجھی آنکھیں صاف بتا رہی تھیں۔ وہ کتنی دیر سے روتی رہی ہے۔ اس کا موڈ بدلنے کو چھیڑ دیا تھا۔ جس پر حسب توقع فائزہ نے کہا تھا۔ "حارث بھائی آپ مجھے خالہ تو نہ کہیں میں آپ سے چھوٹی ہوں۔" اس نے ہمیشہ کا کہا جملہ ریپیٹ کیا۔

حارث کے بڑے ہونے کی وجہ سے وہ اسے بھائی کہا کرتی تھی۔ نام لینا اسے بالکل پسند نہ تھا۔

"ارے خالہ ہو تو کہوں گا بھی ناں!" اس نے جان کے چھیڑا تھا۔

"حارث بھائی آپ نام بھی لے سکتے ہیں۔" فائزہ نے کہا۔

"ok بابا آج سے نام ہی لیں گے۔" حارث نے کہا۔ ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ علی نے روم میں انٹری کی۔

"السلام وعلیکم!" علی نے سلام کیا اور شفیق حسین سے مصافحہ کیا۔ وہ حارث کے برابر والی چیئر پر بیٹھ گئے۔ فائزہ کچھ عجیب سی الجھن کا شکار ہو رہی تھی۔ حارث نے فائزہ کی الجھن جان لی تھی۔ کچھ سوچ کر فائزہ کا تعارف کروایا۔ جو اپنے بابا سے لگی بیٹھی تھی۔

"فائزہ یہ میرے دوست اور ٹرسٹ کے آنر ہیں علی رضا، اور یہ میری چھوٹی خالہ فائزہ۔" حارث نے تعارف کراتے ہوئے باقی تفصیل بتائی۔

علی نے ایک نظر اس لڑکی پر ڈالی جو نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ روئی روئی آنکھیں بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔ گوری رنگت رونے کی وجہ سے لال ہو رہی تھی۔ اس کی چھوٹی سی ناک کے نیچے پنک لب گلاب لگ رہے تھے۔ جو بھی اسے دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا۔ وہ تھی ہی بہت خوب صورت تو علی کیسے نہ دل ہارتا۔ کم تو علی بھی نہ تھا۔ بادامی آنکھیں، گولڈن بال پر گولڈن ہی شیو، اس پر کھڑے نقوش، باریک پنک لب، قد بھی ایسا تھا کہ ہر کوئی لڑکی اس پر فدا ہو جاتی۔ اس کی پرسنالٹی متاثر کن تھی۔ اس کی گوری رنگت اسے اور حسین بنا رہی تھی۔ بس ایک پل ہی لگا تھا اسے فیصلہ کرنے میں۔ فائزہ نے نظریں جونہی اٹھائیں علی نے بھی اس پل دیکھا تھا۔ وہ کچھ پزل سی ہو گئی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں روانہ ہو گئے۔

☆......☆

علی بزنس ٹائیکون تھا۔ علی کے والد رحمت خانزادہ کا بزنس تھا۔ علی کی محنت اور لگن نے ان کے بزنس میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ علی اپنے بزنس کے علاوہ بھی لوگوں کی مالی مدد کرتا تھا۔ اس نے مل کر اپنی خانزادہ ویلفیئر بنائی جس اہم کردار راشد بھائی اور علی کا تھا۔ علی کے دو بھائی تھے جو بڑے تھے اور شادی شدہ تھے۔ ان کی ایک ہی بہن تھی وہ اپنے شوہر کے ساتھ



بیرون ملک میں سیٹل تھی۔ علی کی والدہ چاہتی تھیں کہ علی اب شادی کر لے مگر اسے جیسی لڑکی کی تلاش تھی جو تلاش فائزہ کو دیکھ کر ختم ہو گئی تھی مگر وہ چاہتا تھا پہلے فائزہ کو بتائے پھر امی کو۔

☆......☆

وہ آج اپنی بیسٹ فرینڈ کی برتھ ڈے پر جا رہی تھی جو اس کی بچپن کی دوست تھی۔ واپسی پر وہ لیٹ ہو گئی مگر اس نے بابا کو بتا دیا تھا۔ ورنہ بابا پریشان ہو جاتے۔ ابھی وہ بس اسٹاپ پر کھڑی تھی کہ آسمان پر اچانک چھا جانے والے بادل اس کی سمجھ سے باہر تھے اسے بارش سے ڈر لگتا تھا۔ جب کبھی بجلی کڑکتی تو وہ روم سے باہر ہی نہیں نکلتی تھی۔ وہ جلدی سے گھر پہنچ جانا چاہتی تھی مگر نہ کوئی بس آ رہی تھی نہ رکشہ ٹیکسی۔ وہ بار بار آسمان کو دیکھ رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو یا خدا ابھی بارش نہیں کرنا۔ موسم کے خطرناک تیور سے اسے خوف آ رہا تھا۔ آسمان کی طرف دیکھا جہاں کالے بادل سورج کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ بجلی کی زوردار آواز سے بارش شروع ہو چکی تھی۔ وہ بس اسٹاپ پر کسی سواری کی منتظر تھی مگر نہ جانے کیوں کوئی راضی نہ تھا چلنے کو۔ سب کو موسم کے تیور سے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ دل میں بس یہ ہی دعائیں مانگ رہی تھی کہ کسی طرح گھر پہنچ جائے اور اس کی دعا قبول ہو گئی تھی۔ جب اچانک فائزہ کے عین سامنے لینڈ کروزر رکی تھی۔ تبھی اچھل کر پیچھے ہوئی تھی۔ کار سے باہر آتا شخص کوئی انجان تو نہ تھا۔

"فائزہ......" علی نے پکارا تھا۔ اسے حیرانی ہوئی۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ تو علی نے کہا۔ "لگتا ہے آپ نے پہچانا نہیں۔ میں علی رضا ہوں۔ حارث کا دوست۔" علی نے یاد دلایا۔

"جی جانتی ہوں۔" فائزہ نے کہا اور سائیڈ پر ہو گئی۔

"دیکھیں فائزہ بارش تیز ہو رہی ہے آپ کا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے آپ کار میں بیٹھ جائیں میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" علی نے کہا۔

"نہیں میں خود چلی جاؤں گی آپ تکلیف نہ کریں۔" فائزہ نے کہا۔ ایسے کسی پر کیسے اعتبار کر سکتی تھی۔ بے شک وہ حارث بھائی کا دوست تھا۔ اس کے لیے تو وہ اجنبی ہی تھا۔ دیکھنے میں تو شریف گھر کا لگتا تھا۔ فائزہ نے دل میں سوچا تھا۔

"فائزہ آپ مجھ پر بھروسہ کریں میں ایسا ویسا لڑکا نہیں۔ آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔ بارش تیز ہوتی جا رہی تھی۔"

فائزہ نے نہ چاہتے ہوئے گاڑی کی طرف قدم بڑھائے بنا کچھ کہے کار میں بیٹھ گئی تھی۔ علی نے بھی جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ وہ پوری بھیگ چکی تھی۔ بال بھی چہرے پر چپک رہے تھے بالوں سے گرتے قطرے اس کے حسن میں اضافہ کر رہے تھے۔ نیوی بلیو کرتی پر پنک ایمبرائیڈری تھی۔ صاف شفاف چہرہ اسے بہت ہی پیارا بنا رہا تھا۔ وہ علی کے دل کی گہرائیوں میں اتر چکی تھی۔ علی کا دل تو چاہ رہا تھا دیکھے جائے۔ وہ کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس نے ریڈیو آن کیا۔ جہاں جو گانا چل رہا تھا وہ علی کے دل کی عکاسی کر رہا تھا۔

محبت برسا دینا تو ساون آیا ہے
تیرے اور میرے ملنے کا موسم آیا ہے
تجھ کو چھپا کے میں نے سینے سے لگانا ہے
پیار میں تیرے حد سے گزر جانا ہے
اتنا پیار کسی پر پہلی بار آیا ہے

وہ کنفیوژ سی ہو رہی تھی۔ علی نے اس کی کنفیوژن کو بھانپ لیا تھا۔ اسے ریڈیو off کرنا پڑا۔ فائزہ بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ گھر آنے پر وہ جلدی سے گیٹ کھول کر باہر نکلی تھی اور فارمیلٹی نبھائی تھی۔

"تھینکس۔" فائزہ نے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو بھی میں یہ ہی کرتا۔ پھر آپ تو میرے دل کی ملکہ ہیں۔" آخری بات وہ اپنے دل میں ہی کہہ پایا۔

"گھر آیئے بابا سے مل کر جایئے گا وہ بہت یاد کرتے ہیں آپ کو۔" فائزہ نے دل سے کہا تھا۔

"نہیں میں پھر کبھی مل لوں گا۔" علی نے کہا۔

"چلے جایئے گا بارش بھی تیز ہو رہی ہے۔ رک جائیں

گا۔" فائزہ کو نہ جانے کیا ہوا تھا۔ ورنہ وہ کسی کو اتنا فورس نہیں کرتی تھی۔ علی کی شرافت نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔ وہ اندر آ گیا، فائزہ کا کہنا کیسے ٹال سکتا تھا۔

☆......☆

وہ لیٹے لیٹے تھک چکی تھی لیکن نیند آنکھوں سے روٹھ گئی تھی نہ چاہتے ہوئے بھی وہ علی کو سوچ رہی تھی جیسے ہی آنکھیں بند کرتی علی کا مسکراتا چہرہ پوری آب و تاب سے آنکھوں کی پتلیوں پر سما جاتا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ علی کو سوچے جا رہی تھی یا خدا یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔ وہ اٹھ کر ڈرائینگ روم میں آئی وہ وہیں تو بیٹھا تھا اس نے صوفے کو دیکھ کر سوچا تھا اور آگے چل دی اچانک ہی اس کے پاؤں سے کوئی چیز ٹکرائی تھی۔ وہ کچھ اور نہیں والٹ ہی تو تھا۔ جس کھولتے ہی اسے علی کی مسکراتی فوٹو نظر آئی۔ جسے دیکھ کر فائزہ کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی، علی کی آنکھیں مسکرانے سے چھوٹی سی ہو گئی تھیں۔ اس کے والٹ میں موجود پاسپورٹ تھا اور علی کا کارڈ بھی تھا۔ جس میں اس کا نمبر لکھا تھا۔

اس نے سوچا علی کو کال کر کہ انفارم کر دے والٹ کا۔ مگر رات گہری ہو گئی تھی۔ وہ یقیناً سو چکا ہو گا۔ اپنی ہی سوچوں کو جھٹک کر وہ علی کی تصویر لیے لیٹ گئی۔ اسے نہ جانے کیوں علی اپنے دل کے بے حد قریب محسوس ہو رہا تھا۔

☆......☆

سورج اپنی آب و تاب سے روشن تھا۔ کھڑکی سے آتی روشنی اس کے چہرے کو چھو رہی تھی۔ وہ بار بار کروٹ بدلتی مگر دھوپ کی تپش اسے سونے نہ دیتی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے آنکھیں کھول دی تھیں پھر جلدی سے واش روم کا رخ کیا۔ فریش ہو کر وہ باہر آئی تو ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا والٹ اسے بہت کچھ یاد کروا گیا۔ اس نے اپنی بے خودی پر اپنے سر پر چپت لگائی۔ پھر والٹ سے کارڈ نکالا اور علی کا نمبر ڈائل کیا۔ ایک ہی بیل پر کال اٹھالی گئی۔

"السلام وعلیکم!" علی نے سلام کیا۔ فائزہ کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔ کچھ لمحے تو بولا ہی نہ گیا تھا۔ پھر ہمت جمع کی اور جواب دیا۔

"وعلیکم السلام!" فائزہ نے آہستہ سے جواب دیا تھا۔

"جی کون؟" علی نے آواز پہچان کر بھی بیگانگی اپنائی ورنہ دل خوشی سے جھوم رہا تھا۔

"میں......میں۔" فائزہ کی آواز گلے میں پھنس گئی دل زور سے دھڑک رہا تھا۔ اپنے آپ کو بہ مشکل سنبھال پائی تھی۔

"میں فائزہ شفیق ہوں۔" اس نے لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے کہا۔

"اوہ جی فرمایئے کیسے یاد کیا اس ناچیز کو؟" علی نے مودبانہ کہا۔

"ایکچوئلی وہ آپ کا والٹ یہاں رہ گیا۔ Imean گر گیا تھا۔ بس اس لیے ہی۔" فائزہ نے اپنی خفت مٹانے کی وجہ پیش کی۔

"اوہ واقعی مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا۔ ہم بھی کہیں ہمارے نصیب اتنے اچھے کہاں جو آپ ہمیں یاد کریں۔" علی نے طنزیہ کہا کیونکہ کل آدھا گھنٹہ خاموشی کی نذر ہوا تھا۔ علی کو اس بات کا بہت دکھ تھا۔ وہ شکوہ بھی کر گیا۔

"جی کیا مطلب آپ کا میں سمجھی نہیں۔" فائزہ جان کر بھی انجان بنی۔

"ہاں تو واقعی آپ نہ سمجھ ہیں کچھ نہیں سمجھتی بہت معصوم ہی تو ہیں۔" علی نے شرارت سے کہا۔ بات بے بات تنگ کر رہا تھا۔ چاہتا تھا فائزہ باتیں کرتی رہے۔ وہ اس کی آواز ہی سنتا رہے۔ پر فائزہ کنفیوژ ہو رہی تھی کوئی بات نہ بن پا رہی تھی تو جلدی سے کہا۔

"آپ کل آ کر اپنا والٹ لے جایئے گا۔"

"کل کیوں آج کیوں نہیں۔" علی نے پھر شرارت کی۔

"اف، آپ آج ہی لے جائیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ نہیں چاہتی تھی علی کی باتوں کا جواب دینا۔ جانتی تھی اس کی نظروں کو کب بھولی تھی کیسے اس کا طواف کر رہی تھیں جو اسے رات بھر سونے نہیں دیا تھا۔

☆......☆

"فائزہ میں پڑوس میں جا رہی ہوں۔ آپ کھانا بنا لینا۔" تسلیم بیگم نے کہا وہ کسی کی عیادت کے لیے جا رہی تھیں۔



"جی امی! آپ بے فکر رہیں میں بنا لوں گی۔" فائزہ کے دماغ سے علی کے والٹ کی بات نکل گئی تھی۔ ورنہ تسلیم بیگم کو روک لیتی۔ ابھی وہ گیٹ lock کر کے آئی ہی تھی کہ گیٹ پر دستک ہوئی تو اس نے سوچا امی ہوں گی کچھ بھول گئی ہوں گی۔ وہ لینے آئی ہوں گی۔ بغیر پوچھے ہی وہ گیٹ کھول چکی تھی اور سامنے جو شخص کھڑا تھا وہ حیران ہو گئی تھی اور اپنی بے وقوفی پر ملامت کر رہی تھی۔ علی کا مسکراتا چہرہ اسے اپنی بے وقوفی پر ملامت کرا گیا۔ جلدی سے سائیڈ پر ہوئی اسے اندر آنے کو جگہ دی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اندر بلا لیا۔ کیونکہ بابا کا حکم تھا مہمان کو دروازے سے نہیں لوٹایا جاتا۔ علی کو بیٹھنے کا کہہ کر وہ خود کچن میں چلی آئی اور چائے کا پانی رکھا اور پھر ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ میزبانی بھی تو کرنی تھی۔

"لگتا ہے گھر پر کوئی نہیں ہے؟" مسلسل خاموشی سے علی نے یہ ہی اندازہ لگایا تھا۔

"جی امی پڑوس میں گئی ہیں اور بابا کالج، اذہان اور ریحان یونی گئے ہیں۔" فائزہ نے تفصیل سے بتایا۔

"آپ کیا کرتی ہیں؟" علی نے پوچھا۔

"میں نے ماسٹرز کیا ہے اب فری ہوں۔"

"پھر کوئی جاب نہیں کی؟" علی نے بات بڑھائی۔

"نہیں بس امی اکیلی ہوتی ہیں تو ان کا ہاتھ بٹا دیتی ہوں۔" اس نے کہا اور ساتھ ہی ایکسکیوز کیا اور جلدی سے اپنے روم سے والٹ اٹھایا اور کچن سے دو کپ چائے لیے وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ علی نے اخبار سے نظریں ہٹائیں اور سائیڈ پر اخبار رکھا۔

"ارے اس کی کیوں تکلیف کی میں تو بس والٹ لینے آیا تھا۔" علی کو شرمندگی ہوئی تھی۔

"ارے آپ ہمارے مہمان ہیں تکلیف کیسی اور ہمارے یہاں مہمان کو خالی پیٹ نہیں لوٹایا جاتا۔ اس لیے کھانا بھی کھا کر جایئے گا۔" فائزہ نے کہا۔

"نہیں میں اب نکلوں گا۔ کھانا پھر کبھی کھاؤں گا۔ ویسے چائے کافی اچھی بنائی ہے۔" علی نے سپ لیتے ہوئے کہا۔

"تھینکس یہ لیجیے۔" فائزہ نے والٹ یاد آنے پر اسے پیش کیا۔ جسے علی نے تھاما تو فائزہ کا ہاتھ علی کے ہاتھ سے مس ہوا۔ وہ کرنٹ کھا کر پیچھے کو ہوئی تھی۔ بے اختیار دل کی دھڑکن کے شور نے اسے پزل سا کر دیا تھا۔ وہ پنک کپڑوں میں سرخ پڑتی علی کے دل کے تاروں کو چھیڑ رہی تھی۔ علی سے کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"فائزہ....." علی نے گھمبیر لہجے میں پکارا۔

"جی۔" وہ اتنا ہی کہہ پائی۔

"ایک بات کہوں کیا آپ یقین کریں گی۔" علی نے بے اختیار کہہ ڈالا تھا۔

"جی کہیں میں سن رہی ہوں۔" وہ نظریں نیچے کیے بیٹھی تھی نظریں اٹھانے کی ہمت نہ تھی۔ علی کی آنکھوں میں لکھی تحریر وہ پڑھ چکی تھی۔

"مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے کب کیسے میں نہیں جانتا یوں تو بہت سوں سے واسطہ پڑا لیکن کبھی کسی کے ساتھ کی تمنا نہیں کی۔ پہلی بار آپ کو دیکھا تو دل نے دھڑکنا ہی چھوڑ دیا بے اختیار کہہ گیا یہ ہی وہ لڑکی ہے جسے میں تلاش کر رہا تھا۔ میں بس اتنا جانتا ہوں اب آپ کے بغیر نہیں رہ پاؤں گا۔ میرا خدا جانتا ہے میں ایک لمحہ بھی آپ کو نہیں بھولا۔ ہر پل دل نے پکارا ہے ہر جگہ آپ کو میری نظروں نے تلاشا ہے پلیز فائزہ کچھ تو بولو۔" علی نے بے چینی سے کہا۔

فائزہ حیران اور پریشان نظریں نیچے کیے ہوئے بیٹھی تھی سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی کیا جواب دے وہ خود اپنے دل سے پوچھ رہی تھی۔

"پلیز فائزہ بولو۔" علی نے بے چینی سے کہا۔

"علی مجھے نہیں معلوم میں کیا جواب دوں مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔"

"جو دل میں ہے وہ ہی جواب دو۔" علی نے صاف کہا۔

"علی آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں میں نہیں جانتی بس اتنا جانتی ہوں جو میرے بابا فیصلہ کریں گے وہ قبول ہو گا۔" وہ نظریں نیچے جھکائے کہہ گئی۔

"آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں میرے ساتھ پر؟" علی نے پھر پوچھا۔

"نہیں۔" علی کے دل نے لڈی ڈالنا شروع کر دیا۔ وہ جلد ہی رشتہ بھیجنے کا کہہ کر گھر روانہ ہو گیا۔

☆......☆

مسلسل ڈور بیل نے فائزہ کو اپنی سوچوں سے نکالا تھا۔ وہ جلدی سے ڈور کی طرف لپکی۔ جانتی تھی تسلیم بیگم ہوں گی۔ تسلیم بیگم کے ساتھ حارث بھی موجود تھا۔ وہ حیران تھی حارث کی آمد پر۔ اس نے کچن کا رخ کیا۔ کچھ دیر بعد ہی ٹرالی میں لوازمات سجائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو حارث کے آنے کا سبب معلوم ہوا ان کی بہن کی شادی تھی دعوت دینے آئے تھے۔

کچھ ہی دیر بعد وہ گھر کو روانہ ہوئے تھے۔

☆......☆

"علی بیٹا ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔" رفعت بیگم نے کہا۔ علی اپنے لیپ ٹاپ پر ای میل چیک کر رہا تھا۔

"جی امی کہیں۔ آپ اوپر کیوں آئیں آپ کے پیروں میں درد ہے نا مجھے بلا لیا ہوتا۔"

"آپ کے پاس وقت کہاں۔" رفعت بیگم نے شکوہ کیا۔

"ارے امی ایسے تو نہیں کہیں۔" وہ لیپ ٹاپ بند کر کے سیدھے ہو کر بیٹھا اور امی کے ہاتھ تھام لیے۔

"آپ کہیں کیا ضروری بات کرنی ہے۔" علی نے پوچھا۔

"میں چاہتی ہوں اب آپ بھی شادی کر لیں 28 سال کے ہو گئے ہو۔" رفعت بیگم نے آج پھر وہی بات کر ڈالی تھی جس سے علی دور بھاگتا تھا۔

"تو کر لیں گے اور کوئی حکم۔" خلاف معمول علی کے جواب نے رفعت بیگم کو حیران کیا تھا۔

"نہیں بس یہ ہی مان لو۔" رفعت بیگم نے کہا۔

"کوئی پسند ہے آپ کو۔" رفعت بیگم نے پوچھا۔

"جی امی حارث کی خالہ کے رشتے میں۔ میں ملوا دوں گا آج شادی میں اگر آئی تو آپ بھی دیکھ لیں پھر چلی جائیے گا ان کے گھر۔" علی نے صاف بات کہی تھی۔ جس پر رفعت بیگم کو اعتراض نہیں تھا۔

☆......☆

سی گرین اور پرپل کنٹراس کی فراک پر سفید نگینے کا کام ہوا تھا۔ پرپل ہی کلر کے چوڑی دار پاجامہ میں سفید ہی نگینے والے پمپس پر سفید ہی جیولری میں ہلکے سے میک اپ کے ساتھ وہ بہت ہی پیاری لگ رہی تھی۔ لمبے گھنے براؤن بالوں کو کھلا چھوڑا تھا۔ پوری محفل کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ ایک خاتون نے تو فائزہ کی ماما سے پوچھ لیا تھا۔ "یہ آپ کی بیٹی بہت پیاری ہے۔ کہیں نسبت طے تو نہیں۔ مجھے رشتے کی تلاش ہے اپنے بیٹے کے لیے۔" فائزہ کی کچھ عجیب کیفیت ہو رہی تھی بھی اٹھ کر سائیڈ پر چلی گئی۔

ایک کزن کے زور دینے پر وہ اسٹیج پر آئی تھی۔ دلہن سے ملنے کے فوراً بعد وہ اسٹیج سے نیچے اتر رہی تھی کہ فراک پیروں میں اٹکی اور وہ گر جاتی کہ کسی کے مضبوط بازوؤں میں خود کو مقید پایا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"فائزہ آنکھیں کھولیے آپ ٹھیک تو ہیں۔" آنکھیں کھولتے ہی علی کا چہرہ نظر آیا تھا اور ایک جھٹکے سے وہ پیچھے ہوئی۔

"کیا آپ ٹھیک ہیں؟" علی نے فکر مندانہ لہجے سے پوچھا۔ علی کی نظریں اس کے پشت پر بکھرے بالوں میں الجھ گئیں۔

"اف خدا یہ لڑکی تو حسن کا پیکر ہے۔" علی نے دل میں سوچا۔

☆......☆

سوچ سوچ کر وہ پاگل ہوئے جا رہی تھی۔ ابھی تک کپڑے بھی چینج نہیں کیے تھے وہی واقعہ آنکھوں میں آئے جا رہا تھا۔ بار بار اپنے جسم کو دیکھتی جیسے علی کی بانہوں میں ہو اب تک۔ "یا اللہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے میں کیوں اس کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" اچانک ہی دل سے آواز آئی تجھے علی سے محبت ہو گئی ہے۔ نہیں نہیں ایسا ہو سکتا۔ اس نے خود سے انکار کیا۔ "ایسا ہی ہے۔ تمہیں علی سے محبت ہو گئی ہے۔" وہ اسے معلوم آج ہوا تھا۔

☆......☆

وہ نماز سے فارغ ہوئی تو ڈرائنگ روم سے کچھ آوازوں نے اپنی طرف متوجہ کروایا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو سامنے وہی



خاتون بیٹھی تھیں جسے وہ شادی میں دیکھ چکی تھی۔ اندر آ کر اس نے سلام کیا تھا۔ ان خاتون نے بہت پیار سے گلے لگایا تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہ پائی تو کچن کا رخ کیا۔ کچن میں بھی آواز بہ خوبی سنائی دے رہی تھی۔

"بہن ہمیں جلدی مشورہ کر کے بتا دینا۔" ان خاتون کی آواز آئی۔

"جی فائزہ کے ابو آ جائیں تو جواب دے دیں گے۔"

وہ سمجھ ہی نہ پا رہی تھی آخر کس بات کا مشورہ۔ فائزہ کا نازک دل عجیب کشمکش میں تھا۔ وہ ٹرالی لیے اندر آئی۔

"آؤ بیٹھو یہاں ہمارے پاس۔" ان خاتون نے اپنے برابر میں بٹھایا۔ باتوں کے دوران ان مہمانوں کے آنے کا سبب معلوم ہوا تھا۔ جسے وہ سوچ کے ہی پریشان ہو گئی تھی۔

☆......☆

"یہ کیسا امتحان ہے میرے خدا۔ میں کیسے روکوں اس رشتے کو۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے علی کو کال ملائی مگر دوسری طرف کال نہ اٹھائی گئی۔ جس سے اور بھی پریشان ہو گئی تھی۔ علی یہ کیسی راہ پر چلا دیا ہے مجھے۔ جب منزل قریب تھی تو کیوں ساتھ چھوڑ گئے۔ علی کہاں ہیں آپ پلیز کچھ کریئے۔" وہ خود سے ہم کلام تھی۔ وہ بیڈ پر ڈھے گئی تھی۔ "کیسی محبت ہے آپ کی۔ محبت کا یقین دلا کر پھر کیوں ساتھ نہیں آج۔ آج تک نہ کال نہ میسج کچھ بھی تو نہیں کیا۔ ایسے کوئی کرتا ہے بھلا خبر تک نہیں میں زندہ بھی ہوں یا نہیں۔" اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ "جب اسے ہی احساس نہیں تو میں کیوں اپنی محبت کی توہین کروں۔ کیوں بھیک مانگوں۔" آخر امی نے پوچھا تھا رشتے کے متعلق جسے اس نے جیسے آپ کی مرضی ہو۔ تسلیم بیگم تو اپنی لاڈلی پر نہال ہوئے جا رہی تھیں۔

☆......☆

وہ آج سرخ جوڑے میں ہاتھوں پر کسی کے نام کی مہندی لگائے سیج پر بیٹھی اپنے مجازی خدا کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ دروازے کی آواز سے وہ اپنے اندر بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ شادی تو کر لی تھی مگر علی کو دل سے نہ نکالا تھا۔ کیسے بھول جاتی۔ پہلی مرتبہ علی کو ہی سوچا تھا لیکن آج سب الٹ ہوا تھا۔

بیڈ پر وہ بیٹھا تھا جسے اس نے ایک جھلک تک نہ دیکھا تھا۔ بہت کہا تھا سب نے مگر نہیں دیکھا تھا۔ گھونگھٹ میں اسے اب بھی کچھ نظر نہ آیا تھا۔ گھمبیر آواز میں سلام کیا مگر جواب نہ پا کر اس نے گھونگھٹ اٹھایا تھا۔

فائزہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھور رہی تھی اسے۔

"بس بھئی اب اتنا بھی پیارا نہیں ہوں جو تم نظریں ہی نہیں ہٹا رہی ہو۔" علی نے شرارت سے کہا۔ وہ گولڈن شیروانی میں بہت ہی چارمنگ لگ رہا تھا۔

"آپ......" وہ اتنا ہی کہہ پائی۔

"جی میں۔ کیوں یقین نہیں آ رہا آپ کو؟" علی نے کہا۔

"مگر آپ تو روپوش ہو گئے تھے ایک بار بھی خبر نہیں لی کال تو دور میسج تک نہیں کیا۔ کیسے یقین آئے آپ ہو۔" اس نے بھی شکوہ کیا۔

"تو جان علی جان لو میں ایسا نہیں مگر میں بہت مصروف تھا تم جانتی ہو نا میری ٹف روٹین۔"

"جانو آپ کے کال میسج کا مطلب یہ تو نہیں ناں میں بھول گیا۔ جانو آپ کے سارے شکوہ شکایت سب ختم کر دوں گا۔ پھر بھی شکایت نہیں ہو گی۔" علی نے خود سے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"مگر میری شادی تو رضا علی سے ہوئی تھی۔" فائزہ نے ایک بار پھر کہا۔

"اف حد کرتی ہو پاگل لڑکی میں ہی ہوں رضا علی اور علی رضا بھی۔ اب ختم کرو اس ٹاپک کو اور یہ لو......" اس نے مہرون مخملی کیس فائزہ کو تھمایا تھا۔ جس میں نازک سا بریسلیٹ تھا علی نے خود پہناتے ہوئے کہا۔

"کیسا لگا۔"

"بہت خوب صورت آپ کی طرح۔" فائزہ نے اظہار کیا تھا۔

"ہاہاہا۔" علی کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا اور دھیرے سے کان میں کہا۔

"محبت یوں بھی ہوتی ہے۔"

☆......

شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلے وار ناول

# زندگی پھول، محبت خوشبو

ساری ہی تیاری ہوگئی تھی۔ ایک مہینہ بھی لگتا تھا پر لگاتے اُڑ گئے ہوں آریکہ کی دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ صرف پندرہ دن تھے اور اسے مایوں بیٹھ جانا تھا۔ انیسہ نے جلدی ہی اتنی مچائی تھی جو ناہید اور

منیر احمد کو بھی مانتے ہی بنی تھی۔

''آپی! میں نیچے جا رہی ہوں آپ سالن کو چیک کر لیجئے گا۔'' ثمرہ نے کہا۔ نیچے حرا اسے بلا رہی تھی حنین کے روم کی سیٹنگ ہو رہی تھی کیونکہ آریکہ کا فرنیچر پہلے ہی پہنچا دیا گیا تھا۔

ناہید اور منیر احمد رشتے داروں میں شادی کارڈ بانٹنے گئے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ہی گھر میں تھیں۔

''تمہیں جانے کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ ذرا نخوت زدہ لہجے میں بولی تھی۔

''آپی! میں اس لیے بھی جا رہی ہوں آپ کے روم کی سیٹنگ تو دیکھوں حنین بھائی نے کس طرح سیٹ کیا ہے سب کچھ۔'' اسے یہی دیکھنے کا تجسس تھا۔

''تمہارے دیکھنے سے وہ کوئی سیٹنگ رول نہیں دیں گے۔'' اسے ویسے ہی حنین کی دل جلانے والی

## قسط نمبر 15

حرکتوں پر غصہ تھا۔

''آپ جا کے بدل دیجئے گا جیسا دل کرے۔''

''فضول بحث ہے تم جاؤ جا کے جلدی آؤ مجھے تنہائی میں وحشت ہوتی ہے۔'' وہ بے زاری سے ہاتھ اٹھا کے بولی۔

ثمرہ کے نکلتے ہی اس نے دروازہ بند کرلیا تھا اور اپنے کمرے میں آگئی تھی اسے حنین کی کسی بھی چیز نے دل کو خوش نہیں دی تھی۔ اپنی شادی کی تیاری بھی وہ زبردستی ہی کر رہی تھی، ورنہ وہ اسے تو شروع دن سے دل میں بسائے ہوئے تھی مگر حنین نے اسے برے برے القابات سے ہی نوازہ تھا اس کے سامنے آتے ہی سارے کام برے اور غلط ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک دن تو اسے منحوس تک کہہ دیا تھا وہ سب کچھ اپنے دل پر ہی جھیل رہی تھی کسی سے بھی کوئی ذکر تک نہیں کرتی تھی اور اب وہ ساری زندگی کے لیے اس کے سر پر مسلط ہونے جا رہی تھی جانے اس کے رویے کیسے ہوں گے۔ وہ سوچتے ہوئے اپنے کمرے کو بھی سمیٹ رہی تھی سلائی کے بعد تو کمرے میں زیادہ ہی پھیلاوا ہو جاتا تھا۔

دروازے پر ہلکی دستک نے اسے چونکا دیا۔ اتنی جلدی تو ثمرہ آنے سے رہی تھی وہ کمرے سے نکلی اور کوریڈور کراس کر کے گیٹ تک آگئی اور بناء پوچھے ہی کھول دیا تھا۔ سامنے حنین اپنی تمام تر وجاہت لیے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ لیے کھڑا تھا اور وہ تو حیرانگی کے ساتھ گڑبڑا بھی گئی۔ آنچل کو دونوں شانوں پر درست کیا۔ دل کی دھڑکن تیز ہوگئی، ابھی اسے ہی تو سوچ رہی تھی اور سوچ اتنی تیز تھی جو حنین کے دل و دماغ کو پہنچ گئی اور وہ آ گیا۔

''آ......آپ......''

''میں تو سمجھا حیرانگی سے بے ہوش ہو جاؤ گی۔'' وہ معنی خیزی سے گویا ہوا مگر آنکھوں کی شوخیاں بتا رہی تھیں وہ بہت شرارتی موڈ میں ہے۔

''کیوں آئے ہیں ادھر اور ثمرہ تو آپ کی طرف گئی ہے۔'' وہ پراعتماد لہجے میں اس سے بول رہی تھی۔

''اسی لیے تو موقع ملتے ہی یہاں آ گیا تم سے دو دو ہاتھ کرنے۔'' وہ پھر دل جلانے والی مسکراہٹ لیے آگے بڑھنے لگا۔

''پلیز اس وقت چلے جائیں امی ابو بھی نہیں ہیں۔''

''سب خبر ہے اسی لیے تو آیا ہوں۔'' وہ اسے راستے سے ہٹا کے اندر داخل ہو گیا۔

''کیا بدتمیزی ہے آپ ایسے کیسے اندر آ گئے۔''

''تمہارے سامنے ہی آیا ہوں۔'' گہری معنی خیز نگاہیں اس کے صبیح چہرے پر جما دیں اور آریکہ کا تو حیا اور خوف سے چہرے کا رنگ تک بدل گیا تھا۔

''اِدھر آؤ اور مجھ سے کچھ سن لو۔''

''اتنا کچھ پہلے ہی سنایا ہوا ہے اب کون سی کسر باقی ہے جو پوری کرنے چلے آئے ہیں۔'' اپنا ہاتھ اس کے شکنجے سے چھڑایا۔

''آپ کی بہتری اسی میں ہے آپ چلے جائیں۔'' وہ پشت سے ذرا درشت لہجے میں بولی تھی کتنا وہ اس



کے رویوں پر رو چکی تھی۔

''آریکہ پلیز کچھ تو صفائی کا موقع دو۔'' لہجہ التجائیہ ہو گیا کیونکہ وہ بہت زیادہ اس سے بددل اور بدگمان ہو گئی تھی اس کی صورت تک نہیں دیکھ رہی تھی۔

''صفائی کا موقع وہاں دیا جاتا ہے جہاں دل کو یہ اطمینان ہو ہم اس کے لیے اہمیت رکھتے ہوں اس لیے باندھا جا رہا ہے اس سے سارے مطلب جو پورے ہو جائیں گے۔'' وہ اتنی طنز اور روکھی ہو رہی تھی حنین نے اس کے ٹوٹے ہوئے لہجے پر غور کیا۔

''سارے مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔''

''سمجھ کے انجان بننے کی بھی ادا آپ کی خوب رہی۔ پلیز جائیے میں مزید آپ کے سامنے نہیں کھڑی رہ سکتی، کیونکہ آپ کے سارے کام جو خراب ہو جاتے ہیں۔''

''آریکہ پلیز۔'' وہ روہنسا اور بے بس ہو رہا تھا۔

''کسی کے شخصیت کے مینار کو توڑنا بہت آسان ہوتا ہے اور اپنی شخصیت مینار بنانا سامنے والے کے سامنے بہت مشکل ہو جاتا ہے۔'' واضح اشارہ حنین کی طرف ہی تھا۔

''یہ فلسفہ کب سے بولنے لگی ہو۔'' اس نے جیسے اس کی بات کو رد کیا ہے۔

''فلسفہ نہیں ہے یہ میری اپنی بات ہے آپ نے میری شخصیت توڑ دی ہے۔'' وہ چیخی۔

''آریکہ ایسا نہیں ہے۔''

''مسٹر حنین جو سچ اور واضح ہے میں سب جان گئی ہوں۔'' وہ اس کے سامنے آنکھوں میں نمی لیے حسرت بھرے لہجے میں بول رہی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ تم نے یہ فرنیچر وغیرہ اور یہ سارا سامان جب میں نے منع کیا تھا تو کیوں تم نے آنٹی سے ضد کی۔''

''ارے آپ کا کیا بھروسا ساری زندگی جہیز نہ لانے کا آپ کے منہ سے طعنہ سن لیا تو کیا ہوگا کیونکہ بعد میں مجھ میں مزید بے عزتی برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہوگی۔''

وہ لب بھینچ کے رہ گیا آریکہ غصے کے ساتھ اپنے ٹوٹے اور اداس لہجے کے ساتھ تھی اس کا دل کافی حد تک بدگمان ہو گیا تھا۔ وہ اسے کتنا ہی یقین دلائے وہ جواب میں نئی سی نئی بات تراشتی رہے گی۔

''مجھے تم صفائی کا موقع نہیں دو گی۔''

''صفائی کا موقع کی آپ کو ضرورت کیا ہے جیتی جاگتی آپ کے پیر کی جوتی بن کے آ تو رہی ہوں جو دل چاہے سلوک کیجیے گا۔'' دانت پیس کے طنز کیا۔

''شٹ اپ۔'' وہ تو بھنا ہی گیا اس کے آخری الفاظ پر۔ ''جو تمہارے منہ میں آ رہا ہے بولے جا رہی ہو۔''

''آپ بھی وہی کرتے رہے ہیں، کیوں سچ سننے کی ہمت نہیں، میں آپ کو جان گئی ہوں حنین صاحب! آپ کی نظر میں میری صرف اتنی اہمیت ہوگی آپ کے گھر کے کام کرنے والی کی طرح۔''

''بند کرو بکواس۔'' اس کے تو دماغ پر ہی لگ رہی تھی۔

"ساری زندگی یہ بکواس سننی پڑے گی۔" پھر طنز کیا۔

"تم نے جانے میرے مذاق کا کیا مطلب لے لیا۔"

"مذاق ایسے ہوتے ہیں۔ ایک لڑکی کی بے عزتی کرتے رہے جب وہ زندگی میں شامل ہونے جارہی ہے تو صلح کا جھنڈا لہرانے آگئے کیونکہ کمپرومائز بھی تو ضروری ہے۔"

"میں کوئی کمپرومائز کرنے نہیں آیا۔" وہ بھی صاف گو تھا اسے فضول کی ڈائیلاگ بازی بھی بری لگتی تھی۔

"پھر یہ کیا ہے یا پھر اپنی امی کے کہنے پر آگئے۔"

"تم سے مجھے کچھ نہیں کہنا جارہا ہوں۔" وہ بہت دلگرفتہ ہوگیا تھا اور پھر یہ سب کیا دھرا بھی تو اس کا تھا آریکہ بہت حساس دل کی تھی۔ اس نے اپنے دل و دماغ میں جانے کیا کیا سوچ لیا تھا۔

"تم بے فکر رہو، آئندہ تمہیں شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" وہ یہ کہہ کر سیدھا سیڑھیاں اتر گیا۔ آریکہ نے جھٹ دروازہ بند کرلیا۔ اس نے حنین کو جو دل میں آیا سنا دیا تھا دل کا بوجھ ہلکا تو ہوگیا تھا اسے احساس تو دلایا تھا اس کی باتوں نے اس کے دل کو بہت ہرٹ کیا تھا۔

"حنین! میں بھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔ کام کرنے والی چاہیے۔ میں ویسی ہی بنی رہوں گی۔ آپ کی طرف توجہ تک نہیں دوں گی۔" وہ اندر آکے بیٹھ گئی تھی۔ کافی دیر تک اسے ہی سوچے جارہی تھی۔ پھر اسے تنہائی سے وحشت ہونے لگی۔ امی ابو بھی ابھی تک نہیں آئے تھے اور ثمرہ بھی لگتا تھا وہاں جاکے جم گئی تھی۔ اسے بلا بھی نہیں سکتی تھی۔ شادی میں صرف چند دن ہی رہ گئے تھے۔ اس کی دھڑکنوں میں اضافہ ہورہا تھا جانے کیوں اتنے وسوسے ڈراتے رہتے تھے۔ لڑکیاں تو اپنی شادی پر خوش ہوتی ہیں یہاں تو اس پر قنوطیت سوار تھی۔

☆......☆

جب سے ماہا نے اس سے رشتہ ختم کرنے کا کہا تھا وہ بہت ذہنی طور پر ڈسٹرب ہوگیا تھا۔

اگر ماہا نے بشریٰ سے یا منیب احمد سے رشتہ ختم کرنے کا کہہ دیا تو یہ تو ذرا بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ منیب احمد نے اس سے بہت سی اچھی امیدوں کے ساتھ رشتہ جوڑا تھا وہ اسے کچھ خاص ہی سمجھتے ہیں اسی لیے تو اپنی اکلوتی بیٹی کو اسے سونپنے کا سوچا تھا۔

مگر ماہا کی خواہشات اور سوچیں سب جانتا اور سمجھتا تھا مگر جب تک اس کے گھر والے نہیں مل جاتے، وہ کوئی بھی خوشی ان سب کے بغیر منانے کا سوچ بھی نہیں سکتا مگر اس وقت اسے یہ پریشانی لاحق تھی، ماہا اس شادی والے گھر میں نیا ہنگامہ نہ کردے اور اسے دینے کے لینے نہ پڑ جائیں وہ اپنے بکھرے اعصاب کے ساتھ کمرے میں اِدھر سے اُدھر وحشت زدہ چکر کاٹ رہا تھا۔

صنوبر کی مایوں کے دن بھی آگئے تھے۔ وہ مایوں تو بیٹھ ہی گئی تھی۔ مہندی کا فنکشن بھی آج تھا دو دن سے ماہا بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ یونیورسٹی بھی وہ ڈرائیور کے ساتھ جارہی تھی۔ اسے بشریٰ نے ہی بتایا تھا ورنہ اسے لانے لے جانے کی ذمہ داری اس کے سر تھی۔ وہ نہا دھو کے فریش ہوا اسکائی بلیو قمیض شلوار میں ملبوس وہ نکھرا نکھرا نکلا تھا۔ ماہا کے کمرے کی طرف بھی کن انکھیوں سے دیکھا ایک جھلک تو اس کی نظر آہی جائے۔



"شہریل بیٹا! جلدی آؤ لان کو ڈیکوریٹ کرنے والا آیا ہے۔ یہ فواد اور شیراز جانے کدھر نکل گئے ہیں۔" تائی امی کی پکار پر اس نے چونک کے نیچے دیکھا تھا۔

"جی اچھا آتا ہوں۔" وہ مودب بنا جلدی جلدی سیڑھیاں پھلانگتا ہوا آیا۔

"بشریٰ ماہا اٹھی یا نہیں۔" شہریل کے کان کھڑے ہوئے اسے واضح اشارہ لگ رہا تھا وہ کوئی بے وقوفی کرچکی تھی۔

"اٹھایا تھا کہہ رہی ہے بہت تھکن ہورہی ہے۔"

"ارے ایسے کیسے ہوسکتا ہے مہندی ہے اور بچیاں تو ایسے فنکشن کو انجوائے کرتی ہیں۔" رخشندہ کو تشویش بھی تھی۔

شہریل خان وہاں سے نکلا اور لان میں آگیا۔ سارا ارینجمنٹ وغیرہ اس نے اپنی نگرانی میں کروایا تھا۔ تایا ابو نے بھی ساری تیاری دیکھی تو وہ مطمئن ہوگئے تھے۔

"تم جاؤ کچھ کھاؤ پیو باقی میں دیکھتا ہوں۔" انہوں نے شہریل کے شانے پر ہاتھ رکھا اور وہ پھر مسکراتا ہوا سر جھکاتا ہوا چلا گیا تھا۔

اندر آیا تو وہاں کا ماحول ہی اسے عجیب لگا کیونکہ بشریٰ تو سر پکڑے بیٹھی تھیں اور ایک تنقیدی نگاہ اس پر بھی ڈالی لیکن ماہا نے الٹا سیدھا تو کچھ نہیں کردیا کیونکہ بشریٰ اسے اچھی نظروں سے تو نہیں دیکھ رہی تھیں۔

"شہریل شہیر کو کال کرو ابھی تک آیا کیوں نہیں۔ ہم تو کب سے کال ملا ملا کے تھک گئے ہیں۔" تائی امی نے کہا۔

"جی اچھا۔"

"بشریٰ! میں تو کہتی ہوں شہریل کے ساتھ ہی اسے ڈاکٹر کے لے جاؤ آخر اچانک سے اسے الٹیاں کیوں ہونے لگی ہیں۔" شہریل شہیر سے رابطہ کرنے کی کوشش میں بھی تھا مگر ماہا کی ایسی بیماری کا سن کے پریشان بھی ہوا۔

"تائی امی اس کا نمبر بزی جارہا ہے۔" اس نے بتایا۔

"تم ایسا کرو فریش ہوکے آؤ۔ ماہا کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہوگا رات میں مہندی کا بھی فنکشن ہے کہیں اس کی حالت بگڑ نہ جائے۔"

"جی......جی اچھا۔" وہ بشریٰ کا حکم سنتے ہی الرٹ ہوا۔ خود ہی اس نے اپنے کمرے کا رخ کیا اس نے نیچے جھانک کے بھی دیکھا کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا۔

وہ جھٹ لاک گھما کے ماہا کے کمرے میں گھس گیا۔ وہ اپنی اس حرکت پر حیران بھی تھا وہ تو سوبر اور سنجیدہ رہتا تھا۔ اچانک سے ماہا کی اتنی فکر بھی ہونے لگی تھی۔

"تم اور یہاں......! کیوں آجائے ہو۔" وہ تو اسے دیکھ کر ناگواری سے مشتعل ہوگئی۔

"آپ کو ہوا کیا ہے؟" وہ استفسار کرنے چلا آیا تھا اور ماہا بلیو سوٹ میں کچھ مضمحل اور کمزور سی بھی لگ رہی تھی۔

"تمہارے بچے کی ماں بننے جارہی ہوں۔" اس نے گویا اس کی سماعتوں کے قریب بم ہی پھوڑا تھا۔

''ساری زندگی یہ بکواس سننی پڑے گی۔'' پھر طنز کیا۔

''تم نے جانے میرے مذاق کا کیا مطلب لے لیا۔''

''مذاق ایسے ہوتے ہیں۔ ایک لڑکی کی بے عزتی کرتے رہے جب وہ زندگی میں شامل ہونے جارہی ہے تو صلح کا جھنڈا لہرانے آگئے کیونکہ کمپرومائز بھی تو ضروری ہے۔''

''میں کوئی کمپرومائز کرنے نہیں آیا۔ وہ بھی صاف گو تھا اسے فضول کی ڈائیلاگ بازی بھی بری لگتی تھی۔

''پھر یہ کیا ہے یا پھر اپنی امی کے کہنے پر آگئے۔''

''تم سے مجھے کچھ نہیں کہنا جارہا ہوں۔'' وہ بہت دلگرفتہ ہوگیا تھا اور پھر یہ سب کیا دھرا بھی تو اس کا تھا آریکہ بہت حساس دل کی تھی۔ اس نے اپنے دل و دماغ میں جانے کیا کیا سوچ لیا تھا۔

''تم بے فکر رہو، آئندہ تمہیں شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔'' وہ یہ کہہ کر سیدھا سیڑھیاں اتر گیا۔ آریکہ نے جھٹ دروازہ بند کرلیا۔ اس نے حنین کو جو دل میں آیا سنا دیا تھا دل کا بوجھ ہلکا تو ہوگیا تھا اسے احساس تو دلایا تھا اس کی باتوں نے اس کے دل کو بہت ہرٹ کیا تھا۔

''حنین! میں بھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔ کام کرنے والی چاہیے۔ میں ویسی ہی بنی رہوں گی۔ آپ کی طرف توجہ تک نہیں دوں گی۔'' وہ اندر آکے بیٹھ گئی تھی۔ کافی دیر تک اسے ہی سوچے جارہی تھی۔ پھر اسے تنہائی سے وحشت ہونے لگی۔ امی ابو بھی ابھی تک نہیں آئے تھے اور ثمرہ بھی لگتا تھا وہاں جاکے جم گئی تھی۔ اسے بلا بھی نہیں سکتی تھی۔ شادی میں صرف چند دن ہی رہ گئے تھے۔ اس کی دھڑکنوں میں اضافہ ہورہا تھا جانے کیوں اتنے وسوسے ڈراتے رہتے تھے۔ لڑکیاں تو اپنی شادی پر خوش ہوتی ہیں یہاں تو اس پر قنوطیت سوار تھی۔

☆......☆

جب سے ماہا نے اس سے رشتہ ختم کرنے کا کہا تھا وہ بہت ذہنی طور پر ڈسٹرب ہوگیا تھا۔

اگر ماہا نے بشریٰ سے یا منیب احمد سے رشتہ ختم کرنے کا کہہ دیا تو یہ تو ذرا بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔ منیب احمد نے اس سے بہت سی اچھی امیدوں کے ساتھ رشتہ جوڑا تھا وہ اسے کچھ خاص ہی سمجھتے ہیں اسی لیے تو اپنی اکلوتی بیٹی کو اسے سونپنے کا سوچا تھا۔

مگر ماہا کی خواہشات اور سوچیں سب جانتا اور سمجھتا تھا مگر جب تک اس کے گھر والے نہیں مل جاتے، وہ کوئی بھی خوشی ان سب کے بغیر منانے کا سوچ بھی نہیں سکتا مگر اس وقت اسے یہ پریشانی لاحق تھی، ماہا اس شادی والے گھر میں نیا ہنگامہ نہ کردے اور اسے دینے کے لینے نہ پڑ جائیں وہ اپنے بکھرے اعصاب کے ساتھ کمرے میں اِدھر سے اُدھر وحشت زدہ چکر کاٹ رہا تھا۔

صنوبر کی مایوں کے دن بھی آگئے تھے۔ وہ مایوں تو بیٹھ ہی گئی تھی۔ مہندی کا فنکشن بھی آج تھا دو دن سے ماہا بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ یونیورسٹی بھی وہ ڈرائیور کے ساتھ جارہی تھی۔ اسے بشریٰ نے ہی بتایا تھا ورنہ اسے لانے لے جانے کی ذمہ داری اس کے سر تھی۔ وہ نہا دھو کے فریش ہوا اسکائی بلیو قمیض شلوار میں ملبوس وہ نکھرا نکھرا نکلا تھا۔ ماہا کے کمرے کی طرف بھی کن انکھیوں سے دیکھا ایک جھلک تو اس کی نظر آہی جائے۔



''شہزیل بیٹا! جلدی آؤ لان کو ڈیکوریٹ کرنے والا آیا ہے۔ یہ فواد اور شیراز جانے کدھر نکل گ
ہیں۔'' تائی امی کی پکار پر اس نے چونک کے نیچے دیکھا تھا۔

''جی اچھا آتا ہوں۔'' وہ مودب بنا جلدی جلدی سیڑھیاں پھلانگتا ہوا آیا۔

''بشریٰ ماہا اٹھی یا نہیں۔'' شہزیل کے کان کھڑے ہوئے اسے واضح اشارہ لگ رہا تھا وہ کوئی بے وقو
کرچکی تھی۔

''اٹھا یا تھا کہہ رہی ہے بہت تھکن ہورہی ہے۔''

''ارے ایسے کیسے ہوسکتا ہے مہندی ہے اور بچیاں تو ایسے فنکشن کو انجوائے کرتی ہیں۔'' رخشندہ
تشویش بھی تھی۔

شہزیل خان وہاں سے نکلا اور لان میں آگیا۔ سارا ارینجمنٹ وغیرہ اس نے اپنی نگرانی میں کروایا تھا
تایا ابو نے بھی ساری تیاری دیکھی تو وہ مطمئن ہوگئے تھے۔

''تم جاؤ کچھ کھاؤ پیو باقی میں دیکھتا ہوں۔'' انہوں نے شہزیل کے شانے پر ہاتھ رکھا اور وہ پھر مسکرا
ہوا سر جھکاتا ہوا چلا گیا تھا۔

اندر آیا تو وہاں کا ماحول ہی اسے عجیب لگا کیونکہ بشریٰ تو سر پکڑے بیٹھی تھیں اور ایک تنقیدی نگاہ اس پ
بھی ڈالی لیکن ماہا نے الٹا سیدھا تو کچھ نہیں کردیا کیونکہ بشریٰ اسے اچھی نظروں سے تو نہیں دیکھ رہی تھیں۔

''شہزیل شہیر کو کال کرو ابھی تک آیا کیوں نہیں۔ ہم تو کب سے کال ملا ملا کے تھک گئے ہیں۔'' تائ
امی نے کہا۔

''جی اچھا۔''

''بشریٰ! میں تو کہتی ہوں شہزیل کے ساتھ ہی اسے ڈاکٹر کے لے جاؤ آخر اچانک سے اسے الٹیاں
کیوں ہونے لگی ہیں۔'' شہزیل شہیر سے رابطہ کرنے کی کوشش میں بھی تھا مگر ماہا کی ایسی بیماری کا سن کے
پریشان بھی ہوا۔

''تائی امی اس کا نمبر بزی جارہا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''تم ایسا کرو فریش ہوکے آؤ۔ ماہا کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہوگا رات میں مہندی کا بھی فنکشن ہے
کہیں اس کی حالت بگڑ نہ جائے۔''

''جی...... جی اچھا۔'' وہ بشریٰ کا حکم سنتے ہی الرٹ ہوا۔ خود ہی اس نے اپنے کمرے کا رخ کیا اس نے نیچے جھانک کے بھی دیکھا کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا۔

وہ جھٹ لاک گھما کے ماہا کے کمرے میں گھس گیا۔ وہ اپنی اس حرکت پر حیران بھی تھا وہ تو سوبر اور سنجیدہ رہتا تھا۔ اچانک سے ماہا کی اتنی فکر بھی ہونے لگی تھی۔

''تم اور یہاں......! کیوں آجائے ہو۔'' وہ تو اسے دیکھ کرنا گواری سے مشتعل ہوگئی۔

''آپ کو ہوا کیا ہے؟'' وہ استفسار کرنے چلا آیا تھا اور ماہا بلیو سوٹ میں کچھ مضمحل اور کمزور سی بھی لگ رہی تھی۔

''تمہارے بچے کی ماں بننے جارہی ہوں۔'' اس نے گویا اس کی سماعتوں کے قریب بم ہی پھوڑا تھا۔

شہزیل تو زلزلے کے جھٹکوں کی طرح ہل کے ہی رہ گیا۔ ایسی غیر متوقع بات اس کے منہ سے سن کے وحشت زدہ بھی ہوا۔

''کیوں یقین نہیں آرہا؟'' اسے شہزیل کی حواس باختگی پر ہنسی تو آئی مگر جھٹ چھپالی کیونکہ اسے شہزیل پر غصہ اتنا شدید تھا کہ وہ اس کی عقل ٹھکانے لگانا چاہتی تھی۔

''ماہا آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں دماغ تو درست ہے۔'' وہ کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جھینپ بھی گیا۔

''میری دو تین دن سے طبیعت خراب ہے اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہے۔''

''جسٹ شٹ اپ۔'' اسے ماہا سے اتنی بے باکی کی توقع نہیں تھی۔

''میں نے امی کو بھی بتادیا ہے۔''

''کیا!'' وہ تو کرنٹ کھا کے اچھل ہی گیا۔

''ہاں کیوں تم کس کس کو یقین دلاؤ گے۔'' اسے شہزیل کی حالت مزا دے رہی تھی۔

''پتا بھی ہے آپ کیا کہہ رہی ہیں۔'' اس کے تو لگتا تھا طوطے اڑ گئے ہوں۔

''امی بہت پریشان ہیں یقیناً وہ تمہارا اور میرا نکاح آج پڑھوا دیں گی۔'' وہ چلتی ہوئی شہزیل کے اتنے قریب آگئی کہ اس کی پشت شہزیل کے بازوؤں کو چھوگئی اور اسے پسینے ہی آگئے۔ ماہا اتنی پراعتماد اور نڈر لگ رہی تھی اسے خوف آرہا تھا جانے آگے کیا ہونے والا تھا۔ اس نے ناگواری سے چتون سکیڑ کے گھورا تھا۔

''میں جا کے ابھی سب بتاتا ہوں، آپ کی یہ شرارت ہے۔''

''تمہیں ذرا شرم نہیں آئے گی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائی۔ معنی خیزی سے آنکھیں بھی گھمائیں۔

''پلیز ماہا! کیوں آپ میرے پیچھے پڑگئی ہیں۔ کیوں ایسا کررہی ہیں کہ میں گھر چھوڑ کے چلا جاؤں۔'' وہ تو تن فن ہو کے آگ بگولہ ہی ہوگیا۔

''ٹھیک ہے آپ کو جو کرنا ہے کریں آنٹی کو آپ نے بتا کے اچھا نہیں کیا۔''

''تم جیسے میرے ساتھ بہت اچھا کرتے ہو۔ ہر وقت طنز اور نفرت۔'' وہ بھی ترکی بہ ترکی اس سے دوبدو ہوگئی۔ اپنے دونوں ہاتھ پشت پر ٹکائے ہوئے تھے۔

''طنز میں نہیں، آپ کرتی ہیں۔'' اس نے زہرخند لہجے میں کہا۔

''ماہا...... ماہا۔'' بشریٰ کی زوردار دستک پر شہزیل تو گھبرا ہی گیا۔

''آنٹی۔''

''امی کو ثبوت بھی مل جائے گا تم میرے کمرے میں ہو۔'' وہ دروازہ کھولنے جانے لگی۔ شہزیل نے سرعت کی تیزی سے اس کا بازو پکڑا تو وہ گرتے گرتے بچی۔ اگر بروقت وہ شہزیل کے کرتے کی کالر نہ پکڑ لیتی۔

''کیا کرتے ہو؟'' ان کی پکار بڑھ گئی تھی اس لیے کہ ماہا کی حالت جو ایسی دیکھ کے گئی تھیں۔

ماہا کو پھر متلی ہوئی وہ واش روم میں بھاگی تھی اور وہ اس کے پیچھے پیچھے تھا واقعی اسے وومیٹنگ ہورہی تھی۔



''آپ کو تو سچ میں وومیٹنگ ہورہی ہے۔'' وہ فکرمندی اور تشویش بھرے لہجے میں گویا ہوا۔ اسی وقت ذہن نے شرارت تراش لی۔

دروازے کی دستک رک گئی تھی شاید بشریٰ چلی گئی تھیں۔

''ماہا آپ کا یونیورسٹی میں کسی سے اس حد تک افیئر چل رہا ہے۔ آپ نے جائز ناجائز کا سوچا تک نہیں۔'' وہ سنجیدہ ہورہا تھا۔

ماہا کی تو حیرانگی اور نہ سمجھی سے آنکھیں پھیل ہی گئیں۔ وہ اس کی معنی خیزی سمجھ گئی تھی۔

''فضول بکواس نہیں کرو میرا کسی سے کوئی افیئر نہیں۔''

''کون کیسے یقین کرے گا، ابھی میں منیب انکل سے جا کے کہوں تو وہ میری بات کا یقین کریں گے۔''

''تم...... تم......'' وہ تو کھسیا ہی گئی۔

''جلدی سے آنٹی سے بولیے جا کے کہ تم نے صرف شرارت اور مذاق میں یہ سب کیا۔''

''اوہ یو......'' ماہا نے اپنی مٹھیاں غصے سے بھینچ ہی لی تھیں۔

''میں واش روم میں ہوں آپ باہر دیکھیں کوئی ہے تو نہیں۔'' اس نے دروازے کی سمت اشارہ کیا۔

ماہا نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ شہزیل نے دھمکی ہی ایسی دی تھی۔

''دروازہ کیوں نہیں کھول رہی تھیں۔'' بشریٰ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

اور شہزیل کے کان ان کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔

''واش روم میں تھی۔''

''چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ لگتا ہے تمہیں فوڈ پوائزن ہوا ہے۔'' وہ بہت فکرمند ہورہی تھیں۔

''ٹھیک ہوں صبح میں نے پراٹھا کھایا تھا آپ جانتی ہیں پراٹھے میں کھاتی نہیں ہوں۔ آج کھایا تو وہ پرابلم کرگیا۔'' اس نے انہیں باتوں سے بہلا کے تسلی اور اطمینان دلایا۔

''پھر بھی دوائی لے لو شادی کا گھر ہے۔''

''امی! ٹھیک ہوجاؤں گی آپ جوس بھیج دیں۔'' اس نے چہرے پر زبردستی کی بشاشت بھی رکھی۔

بشریٰ جیسے مطمئن نہیں ہورہی تھیں۔

''ارے امی! آپ اتنا پریشان نہیں ہوں، ٹھیک ہوں۔'' وہ ہنسی۔

''اچھا ٹھیک ہے تم آرام کرلو میں جوس بھیجتی ہوں۔'' وہ سرہلاتی ہوئی چلی گئی تھیں۔

ماہا نے بھی تشکر بھرا سانس لیا تھا امی کو مطمئن کرنا بہت مشکل کام تھا۔

شہزیل نے بھی شکریہ ادا کیا۔ ماہا نے ان سے کوئی الٹی سیدھی بکواس نہیں کی تھی۔

''ویسے بائی داوے آپ کو یہ وومیٹنگ کیوں ہورہی ہے۔'' واش روم سے نکل کے وہ تفتیشی انداز میں اس سے پوچھنے لگا۔

''سنا نہیں ابھی امی سے کیا کہہ رہی تھی۔'' وہ اس کے پوچھنے پر تنگ ہی گئی۔

''اچھا...... اچھا ٹھیک ہے۔'' وہ ہنسا۔ ماہا بے بس جو دکھائی دے رہی تھی اس کی کمزوری جو ہاتھ آگئی تھی۔

''ہر وقت بچی نہیں بنی رہا کریں۔ سمجھداری پکڑیں کسی دن آپ کی بے وقوفیاں آپ ہی کے گلے پڑ گئیں تو بچاؤ کا کوئی راستہ بھی نہیں ہوگا۔'' گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے آگہی دے رہا تھا۔

''شہزیل! تم نے مجھے کبھی سمجھا ہی نہیں صرف بچی بچی اور بچپنا ہی کرتے رہتے ہو۔ دیکھنا ایک دن تم خود میری صلاحیتوں پر حیران رہ جاؤ گے۔''

''جیسے ابھی کی صلاحیت ملاحظہ کریں۔'' وہ تمسخر اڑانے کے ساتھ طنز کرنے لگا وہ جزبز سی ہو کے اسے گھورنے لگی تھی۔

''چلتا ہوں رات میں ملیں گے مہندی کے فنکشن میں۔'' وہ مسکراتی اور تمسخر اڑاتی نگاہوں سے دیکھتا ہوا چلا گیا۔ ماہا پیچ و تاب کھا کے رہ گئی تھی۔

☆......☆

''فہر! کیا آج جانا نہیں ہے؟'' زہرہ نے اسے نو بجے تک بھی بستر پر سوتے پایا تو اس کے روم کی کھڑکی کے پردے انہوں نے ہٹائے۔

''امی! آج آرام کا موڈ ہے کام کام رات دن سے تھکن ہوگئی ہے۔'' اس نے کسلمندی سے آنکھوں کو بمشکل کھولا۔

''کس نے کہا تھا اتنا کام کرو اور پھر خود کو بے آرام ہی کرلو۔'' وہ اس کے سرہانے بیٹھ کے اس کے بالوں میں بڑے پیار سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔

فہر نے اپنی آنکھیں کھول کے ان کے مسکراتے چہرے کو دیکھا۔

''پورا دن آرام کرو اور اس کو اپنے قریب سے ہٹادو۔'' انہوں نے اس کا سیل اٹھایا جو اس کے قریب ہی بیڈ پر پڑا تھا۔

''اسے یہیں رہنے دیں کسی کی بھی کال آسکتی ہے اور اچانک سے چھٹی کررہا ہوں ضرور وہاں پریشانی بھی لگ جائے گی۔''

''چھوڑو اسے۔'' انہوں نے اس کے ہاتھ سے سیل لیا اور سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ دیا۔

''ٹھیک ہے تم سو جب دل بھر جائے سونے سے آجانا میں ناشتہ ریڈی کردوں گی۔'' وہ اٹھنے لگیں۔

''بیٹھے رہیے اچھا لگ رہا ہے آپ میرے یوں لاڈ اٹھا رہی ہیں۔'' اس نے مسکرا کے ان کی جانب کروٹ لی۔

''لاڈ اٹھانے والی لے آتی ہوں صبح و شام اٹھایا کرے گی۔'' انہوں نے معنی خیزی سے مسکرا کے کہا۔

''دوسری کی کیا ضرورت ہے میری یہی ماں پرفیکٹ ہے۔'' وہ جان کے بھی انجان بنا۔

''میں تمہاری بیوی کی بات کررہی ہوں۔''

''امی صبح صبح میرا موڈ خراب نہیں کریں۔'' وہ اس موضوع سے بچنا چاہتا تھا اور نیل فر کے علاوہ تو وہ کسی اور کو اس جگہ پر لانا ہی نہیں چاہتا تھا۔

''بھابی! ابھی ضیاء کی شادی کی کرنا چاہ رہی ہیں کنول سے کہا ہے لڑکی دیکھنے کو۔''

''گڈ! یہ تو اچھی خبر سنائی آپ نے ہر وقت بزنس کے جھمیلوں میں پڑا رہتا ہے۔ اچھا ہے کچھ چینج تو آئے



گا۔''

''تمہاری لائف میں بھی چینج ضروری ہے کہاں تک پہنچی تمہاری کہانی۔'' زہرہ نے یکدم پوچھا۔

''کون سی کہانی۔'' وہ جیسے سمجھ کر بھی انجان بن رہا تھا۔

''مجھے سب خبر ہے میرے ہینڈسم اور ڈیشنگ بیٹے کی زندگی میں کوئی لڑکی تو ضرور ہے۔'' وہ شرارتی لہجے میں مسکرا کے اس کے رخسار تھپتھپانے لگی تھیں۔

''میں آپ سے اور ابو سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں وہ لڑکی میری قسمت میں نہیں ہے اور رہا شادی کا سوال وہ تو میں ساری زندگی نہیں کروں گا۔'' اسے بھی خود سے ضد ہی ہوگئی تھی۔

''وہ لڑکی اتنی خاص ہے کہ تم نے ساری زندگی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' انہوں نے سنجیدہ سی آواز میں کہا۔

''پلیز امی اس ٹاپک کو صبح صبح نہ ہی چھیڑیں تو اچھا ہے۔'' وہ بے زاری اور کوفت میں مبتلا ہو کے گویا ہوا۔ لہجہ بھی اس کا تلخ ہی ہو رہا تھا۔

''تمہاری ماں ہوں اور ماں اپنی اولادوں کو ان کے حال پر نہیں چھوڑ سکتی تمہاری ذمہ داری ہو فرض ہو ہمیں وہ ادا کرنے دو ورنہ اللہ کے سامنے ہماری پکڑ ہوگی کہ تمہاری اولاد اس قابل تھی اس کی شادی کیوں نہیں کی۔''

''زندگی میں شادی کرنا ہی ضروری ہے۔'' اس کا ذہن منتشر ہوگیا تھا نیل فر اس کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔

''ہاں بہت ضروری ہے، جان بوجھ کے اگر شادی نہیں کروایا ان کے والدین اپنی اولادوں کی نہ کریں تو یہ بہت غلط فعل ہے۔'' وہ اسے سمجھانے لگیں۔

''شادی کرنے کے لیے لڑکی کا ہونا ضروری ہے اور لڑکی تو ہے ہی نہیں۔''

''لڑکی بھی موجود ہے بس تم ہی بتانا نہیں چاہتے۔'' وہ آج اس سے اس کی پسند جاننا چاہتی تھیں۔

کیا فائدہ بتانے کا۔'' وہ ٹال کے پھر کروٹ لے کے لیٹ گیا۔

''فہر! میری طرف دیکھو۔'' زہرہ نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا۔

''امی! نہیں کریں یہ شادی وادی کا ذکر مجھے سخت چڑ ہونے لگی ہے۔'' وہ ذرا غصے میں آگیا۔

''میں تو کروں گی کیونکہ مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے تمہاری حالت دیکھ کر کتنا چپ چپ رہنے لگے ہو۔ جاب پر سے آتے ہی کمرے میں بند ہو جاتے ہو میرا دل تو کڑھتا ہے نا۔'' وہ روہانسی ہوگئیں۔ ماں تھیں اولاد کی تکلیف تو وہ چہرہ دیکھ کر بھانپ جاتی تھیں اور پھر انہیں اندازہ ہوگیا تھا یہ کسی لڑکی کو کافی حد تک پسند کرتا ہے اسی لیے شادی کے نام سے چڑنے لگا ہے۔

''امی...... امی کیا ہوگیا ہے آپ تو رونے لگیں۔'' وہ گھبرا کے اٹھ کے بیٹھ گیا۔ بکھرے بال بلیو نائٹ ڈریس میں وہ الجھا الجھا پریشان بھی نظر آرہا تھا۔

''میرا کیا قصور ہے جو مجھ سے بھی رخ دے کے بات نہیں کرتے ہو۔''

''میری پیاری امی۔'' اس نے انہیں اپنے گلے سے لگالیا اور آواز کو ذرا فریش بنایا۔

''شرافت سے مجھے اس لڑکی کا بتادو کون ہے جس نے تمہیں اتنا سنجیدہ بنا دیا ہے۔'' وہ ذرا ڈپٹ کے خفگی سے گویا ہوئیں۔

''فرض کریں اگر بتا بھی دیا تو کیا کریں گی آپ پکڑ کے اس کا نکاح مجھ سے کروادیں گی۔'' اس نے ہنس کے شرارتی انداز میں ہی ماحول کی افسردگی اور سنجیدگی کو زائل کیا۔

''مجھے بتاؤ تو ہے کون کیسی ہے؟'' انہیں بھی جاننے کا تجسس اور اشتیاق تھا۔

''آپ ابو کو کچھ نہیں بتائیں گی آپ جانتی ہیں وہ پھر میرے پیچھے پڑ جائیں گے اور ہاں اس مہاد کو تو بالکل بھی نہیں۔''

''اچھا......اچھا نہیں بتاؤں گی کنول کو بتادوں۔'' وہ جیسے اسے چھیڑنے لگیں۔

''آپی کو سب خبر ہے۔'' اس نے جھینپ کے سر جھکایا۔

''یعنی تم دونوں بہن بھائی سب جانتے ہو اور ماں کو ہوا تک لگنے نہیں دی۔'' وہ پھر خفا سی ہونے لگیں۔

''میں نے انہیں بھی کب بتایا تھا وہ تو خود جان گئیں۔''

''اچھا بتاؤ کون لڑکی ہے۔''

''امی، امی۔'' مہاد کی چیختی پکارتی آواز آئی تو فہر نے بھی اپنے لب بھینچ لیے۔

''میں اندر آسکتا ہوں۔'' وہ ناک کر کے پوچھنے لگا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔

''تم اندر آچکے ہو۔'' اس نے مہاد کو دیکھا جو اندر ہی کھڑا تھا۔

''آخاہ آج تو آپ بیڈ توڑ رہے ہیں۔'' اسے حیرانگی بھی ہوئی فہر کی موجودگی پر جو ابھی تک محو استراحت تھا۔

''تم نے ناشتا کرلیا؟'' زہرہ پوچھنے لگیں۔

''میں نے تو کرلیا وہ آپ کے شوہر نامدار پوچھ رہے تھے۔ میں نے کہا بڑے بیٹے کے ساتھ لاڈ کرنے گئی ہوں گی، آپ کی بیگم۔''

''بہت ہی فضول ہانکتا ہے۔'' زہرہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

فہر نے بھی شکر ادا کیا وہ بچ گیا بتانے سے۔

''سنو! تم بھی نہادھو کے جلدی سے آجاؤ اور آج تو میں تمہیں ایسے چھوڑوں گی نہیں، ماں کو بے وقوف بنا کے رکھا ہوا ہے۔'' وہ بیڈ سے اتریں اور ساتھ ساتھ فہر کو بھی ہدایت دینے لگیں۔

''خیریت کیا آپ کے راز افشاں ہوگئے امی کو کہیں وہ کال والی لڑکی کا تو آپ کو پتا نہیں لگ گیا۔'' وہ معنی خیزی سے فہر کی طرف آنکھیں گھمار رہا تھا جو مہاد کو جوابی گھور رہا تھا۔

''یہ ساری بکواس تو میں نکالوں گا۔ میں نے تمہیں زیادہ ہی چھوٹ دی ہوئی ہے، اسی لیے مجھ سے ہر وقت فری ہوتے ہو۔'' زہرہ ان دونوں کو چھوڑ کر کمرے سے چلی گئی تھیں اور فہر کی توپوں کا رخ مہاد کی طرف ہوگیا تھا۔

''میں نے ایسا کیا کردیا۔''



''تم ہی امی کو الٹی سیدھی میرے متعلق لگاتے ہو۔'' اس نے مہاد کا کان ہی مروڑا۔

''اف بھائی! چھوڑیں پلاسٹک کا نہیں ہے میرا اپنا ہے۔'' وہ درد سے کراہ رہا تھا۔

اور فہر نے اس کی اچھی خاصی درگت ہی بنا دی تھی۔ وہ اپنا بچاؤ کر کے تیزی سے بھاگ لیا تھا۔ فہر دوبارہ تکیے پر سر رکھ کے لیٹ گیا۔

نیل فر کے خیالوں سے وہ ذرا بھی نہیں ہٹا تھا۔ کنول کی زوردار تنبیہہ اور سرزنش کی وجہ سے نیل فر کے گھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ کال بھی ایک دفعہ ہی کی تھی وہ بھی معافی مانگنے کے لیے مگر اس نے تو غصے اور نخوت سے اس کی کچھ سنی ہی نہیں تھی۔

''نیل فر! تم اتنی ظالم کیوں بن رہی ہو میری محبت اور وارفتگی کا ذرا اندازہ نہیں، میں کتنی شدتوں سے تمہیں چاہتا ہوں۔ مجھے کوئی غرض نہیں تم کون ہو میری سچی اور پاکیزہ محبت۔

میری محبت میں سچے جذبے ہیں
چاہت ہے دیوانگی ہے
صرف تمہاری چاہ کی تمنا ہے
مجھے جان لو میں صرف تمہارا ہوں
میں کسی کا ہو ہی نہیں سکتا
میری روح میں، تم شامل ہو

میری ہر سوچ اور خیال تم سے شروع ہوتا ہے۔ ہر وقت میں تمہیں اپنے آس پاس محسوس کرتا ہوں۔

مجھے جس دن جان لوگی سمجھ لوگی تم خود میری پناہوں میں آؤ گی۔

مجھے یقین ہے کیونکہ میری پاکیزہ اور سچی محبت کا یقین ضرور آئے گا۔''

وہ آنکھیں بند کیے تصور جاناں کیے ہوئے تھا۔ آنکھیں کھولیں تو ایسا لگا وہ سامنے مسکراتی ہوئی اس کے قریب بیٹھی تھی۔

وہ بے اختیار ہی اٹھا ہاتھ بڑھایا اور وہ تصور خیال غائب۔

سر جھٹک کے وہ ہنسنے لگا۔

''کبھی تو تم اس روم میں میرے سامنے ہوگی۔'' وہ خود سے دل میں ہمکلام ہوا دروازے پر مہاد کی زوردار دستک تھی، زہرہ اسے بلا رہی تھیں وہ اٹھ گیا۔

☆......☆

شہیر کی فیملی جب سے ان کے گھر آئی تھی۔ نگہت کچھ کچھ سمجھ گئی تھیں کیونکہ وہ رمضہ سے مختلف قسم کے سوالات بھی کیے جارہی تھیں اور شہیر کی بہن جیاء بھی رمضہ سے بہت ہنس کے گفتگو کر رہی تھی۔ ذرا بھی ان کے انداز سے یہ نہیں لگ رہا تھا وہ اتنے بڑے اور امیر گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان سب سے بھی نارمل انداز میں ہی ملے تھے۔ نگہت تو ماں تھیں وہ اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے ہر وقت دعا گو رہتی تھیں۔ بیٹے کے گم ہوجانے کے بعد سے رمضہ نے جب سے ہوش سنبھالا تھا وہ ہی گھر کی ساری ذمے داریاں احسن طریقے سے نبھا رہی تھی۔ وہ ایسی خود غرض ماں بھی نہیں تھیں جو بیٹی کی شادی کے بارے میں نہ

سوچیں، ان کی خواہش اور دعا تھی رمضہ، شہیر جیسے لائق فائق لڑکے کو ہی ملے جو اسے سمجھے اور سنبھالے۔ اسجد بھی اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے گا وہ پھر ثمرہ کی بھی کر دیں گی۔

مگر دل میں جو بڑے بیٹے کے مل جانے کی آس وامید ہر وقت رہتی وہ بھی معدوم ہونے لگتی۔ اتنے برس گزر گئے تھے اس کا کوئی اتا پتہ نہیں تھا پرانے محلے میں اکثر اسی آس میں جاتی تھیں۔ شاید کبھی کسی سے پوچھنے آیا ہو۔

''امی......امی!'' ثمرہ نے گہری سوچوں میں مستغرق نگہت کو چونکا ہی دیا۔

''آں......ہاں......'' وہ سنبھل گئی تھیں۔

''بہت گہری سوچ میں ہیں۔ حیرت تو کیا سوچ رہی تھیں۔'' وہ بھی تشویش بھرے لہجے میں فکر مندی سے پوچھنے لگی۔

''ارے کچھ نہیں۔'' وہ اپنے بچوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

''امی! کچھ تو ہے۔'' وہ تو ان کے پیچھے ہی پڑ گئی۔

''کہانا کچھ نہیں روٹی بنالو، رمضہ کھانا کھالے گی آفس میں کھاتی کب ہے۔'' الماری میں تہہ کیے کپڑے رکھنے اٹھ گئی تھیں۔

''آپی! نہارہی ہیں جب تک میں بنالوں گی۔'' وہ سمجھ گئی، امی ٹال رہی ہیں۔

نگہت دھلے ہوئے تہہ لگے کپڑوں کو الماری میں رکھنے لگی تھیں۔ ثمرہ کچن میں چلی گئی تھیں اسجد بھی جانے آج کل کن چکروں میں لگا تھا۔ دیر سے گھر آنے لگا تھا۔ اس کی بھی انہیں رات دن فکر رہنے لگی تھی۔ ایک بیٹا تو کھو چکی تھیں دوسرے کی ہر وقت فکر رہتی۔

رمضہ فریش ہو کے آ گئی تھی۔ پرپل پرنٹڈ لان کے کپڑوں میں نوید احمد کے سامنے آ کے بیٹھ گئی تھی۔

''ابو کیسی طبیعت ہے؟'' وہ ان کی دوائیوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے بیٹا۔'' وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ ہفتے میں تین دفعہ فزیوتھراپی کے لیے بھی بندہ آتا تھا۔ نوید احمد خود بھی واک کرتے تھے پھر رمضہ ان کی خوراک پر بھی توجہ دیتی تھی۔

''شکر ہے اس مالک کا آپ کو صحت عطا کی۔'' رمضہ تو ہر وقت شکرانے ہی بجالاتی تھی۔ شہیر فرشتہ ہی ثابت ہوا تھا جس نے ابو پر اتنی توجہ اور محنت کی وہ اس قابل تھے خود سے اٹھنے بیٹھنے لگے تھے۔

''آپی! کھانا کھا رہی ہیں۔'' ثمرہ پوچھنے آئی۔

''ہاں آتی ہوں۔ یہ بتاؤ اسجد کہاں ہے تین دن سے وہ مجھے اس وقت گھر میں دکھائی نہیں دیتا ہے۔ ٹیوشن بھی وہ دن میں پڑھاتا ہے۔'' رمضہ کو بھی اس کی غیر موجودگی حیران کر رہی تھی۔

''رات بھی بارہ بجے کے بعد آیا تھا۔'' نوید احمد بھی فکر مندی سے گویا ہوئے ان کے چہرے پر بھی ایک سایہ سا لہرا گیا۔

''بیٹا! اس کا پتا کرو کہاں جانے لگا ہے اگر میں کچھ بولوں گا تو کہیں دوبارہ میرا رویہ پہلے جیسا ہو جائے۔ ایک بیٹا تو میری سخت گیر طبیعت کی وجہ سے گھر سے چلا گیا۔'' ان کے لہجے اور آنکھوں میں دکھ و کرب پچھتاوا تھا اس دن کے بعد سے ان کے مزاج میں ایسی تبدیلی آئی کہ ان کا غصہ اور تیز آواز کہیں دب گیا۔ چند سال



بعد فالج کا اٹیک ہوا تو سمجھو سدھ بدھ ہی کھو گئی۔ چلتا ہوا اسٹور بھی بند ہو گیا۔ کتنے کرائسس میں گزرے دن پھر رمضہ نے ہی اتنی چھوٹی عمر میں گھر کی ذمے داریوں کو اٹھالیا وہ بھی کیا کرتے چپ رہے، کیونکہ گھر تو چلانا ہی تھا۔

''ابو! آپ اتنے پریشان نہیں ہوں میں پوچھوں گی آج۔'' رمضہ نے انہیں اطمینان دلایا۔

ثمرہ نے کھانا لگا دیا تھا نوید احمد کو نگہت نے ان کے کمرے میں ہی کھانا دے دیا تھا۔

رمضہ کو اسجد کا انتظار تھا جو ابھی تک بھی نہیں آیا تھا۔ دس بج رہے تھے۔ وہ مسلسل گھڑی کو بھی دیکھے جا رہی تھی۔

''بارہ سے پہلے نہیں آئے گا۔'' نگہت عشاء کی نماز پڑھ کے اپنے کمرے میں جانے لگی تھیں۔

''امی! آپ ابو سے کچھ نہیں کہیے گا وہ بہت پریشان ہو رہے تھے۔''

''مجھ سے انہوں نے پوچھا تھا میں نے زیادہ کوئی بات ہی نہیں کی کیونکہ ان کی طبیعت ویسے ہی ٹھیک نہیں ہے۔''

''ہوں۔'' رمضہ اپنی صبح کی تیاری بھی کر رہی تھی۔ ثمرہ اپنی پڑھائی کر رہی تھی۔

پونے بارہ کے قریب اسجد آیا تھا۔ وہ رمضہ کو دیکھ کر گڑبڑا ہی گیا۔

''کہاں سے آ رہے ہو؟'' وہ تو اس پر غصہ ہی ہونے لگی تھی۔

''ٹیوشن پڑھانے گیا تھا۔'' وہ نگاہ چرانے لگا۔

''اسجد میں جانتی ہوں اتنی رات تک تو تم کوئی ٹیوشن پڑھا ہی نہیں سکتے۔'' اسے تو فکر ہو رہی تھی کیونکہ اسجد ابھی کم عمر ہی تھا اور ایسی عمر میں ہی لڑکے اکثر بگڑ بھی جاتے ہیں۔

''آپی! میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' یقین دلانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

مگر رمضہ بھی اس کی بہن تھی۔ وہ اس کا جائزہ لینے لگی۔ اسے کہیں تو کوئی گڑبڑ لگ رہی تھی۔ آج تو اس کے ہاتھ میں شاپرز بھی تھے۔

''اس میں کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ میرا کھانا ہے، ایک بچے کو پڑھا رہا تھا۔ اس کی امی نے باہر سے منگوا کے دیا تھا۔'' وہ نظریں ادھر ادھر کرنے لگا۔ رمضہ نے دیکھا شاپرز پر کسی مشہور ریسٹورنٹ کا نام لکھا تھا اور پارسل بکس تھے جس میں بریانی اور دوسرے میں سلاد وغیرہ تھی۔

''یہ پارسل ذرا مجھے بھی بتاؤ کون سا بچہ ہے۔'' وہ جانچتی پرکھتی نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

اور اسجد کو جھوٹ پر جھوٹ بولنا وہ بھی اپنی بڑی بہن سے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ چھ سے بارہ کسی ریسٹورنٹ میں جاب کرنے لگا تھا۔

''آپی! میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں کباب جی ریسٹورنٹ میں ریسپشن پر بیٹھنے لگا ہوں پانچ ہزار روپے مل رہے ہیں۔''

''کیا تم جاب کرنے لگے؟'' رمضہ تو حیران رہ گئی۔

''ہاں آپی! آپ کب تک اکیلی ذمے داریاں سنبھالیں گی۔ میرا بھی تو فرض ہے آپ سب کی ذمے

داری سنبھالوں۔"

"اسجد میرے بھائی ابھی تم بہت چھوٹے ہو، پڑھ رہے ہو۔" رمضہ اس کے سنجیدہ اور پرسوچ چہرے کو دیکھنے لگی جو کتنی جلدی اتنا سمجھدار ہوگیا تھا۔

"پڑھائی کے ساتھ جاب کرنا برائی نہیں۔"

"مگر تم ٹیوشن بھی تو پڑھا رہے ہو؟" وہ اس کے ہاتھوں کو تھام کے افسردگی سے گویا ہوئی۔

"ٹیوشن بھی صرف دو ہیں اور شام سے رات تک کی یہ جاب بری نہیں ہے۔"

"تمہاری پڑھائی پر اثر پڑے گا۔ میں کرتو رہی ہوں تمہیں ابھی ضرورت کیا ہے۔"

"ایک دن آپ کو رخصت ہو کے چلے جانا ہے۔ مجھے ہی ساری ذمے داریاں سنبھالنا ہیں۔ پڑھائی بھی میں کرتا رہوں گا اور آپ میں سے کسی کو بھی اعتراض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بھی تیز لہجے میں گویا ہوا۔

"اسجد! ابھی تم بہت چھوٹے ہو اور مجھے کہیں نہیں جانا۔"

"آپی! بھائی چاہے بہنوں سے چھوٹے ہوں مگر مان ان کا بڑا ہوتا ہے۔ میں سمجھیے آپ دونوں سے ہی بڑا ہوں اور آپ دونوں کی شادی بھی میں کروں گا۔" وہ یہ کہہ کر ان دونوں کے کمرے سے نکل گیا۔

ثمرہ اور رمضہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

"اسے اچانک سے کیا ہوگیا ہے۔" رمضہ تو حیرت وانبساط میں ابھی تک مبتلا تھی۔

"اچھا ہے نا ابھی سے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے لگا ہے۔" ثمرہ نے بھی تائید کی۔

"ابھی تو بہت چھوٹا ہے۔"

"مگر آپی! یہ آپ سوچتی ہیں مگر وہ ذہنی طور پر بہت بڑا ہوگیا ہے۔" ثمرہ کو اسجد کی اس تبدیلی پر خوشی بھی ہوئی تھی۔ وہ بھی گھر کی ذمے داریوں کو سنجیدگی سے سمجھنے لگا ہے۔

"رمضہ کو اپنے بھائی پر فخر بھی ہوا جو اتنا سمجھدار ہوگیا تھا۔ لیکن اس کی خواہش تھی اسجد پہلے اپنی تعلیم پوری کرلے پھر ہی وہ جاب وغیرہ کی طرف آئے مگر گھر کے حالات تو وہ بھی جانتا تھا اسی لیے اس نے یہ قدم اٹھایا تھا۔

☆......☆

نیل فر نے اچھی خاصی اپنی شاپنگ کرلی تھی مگر اس نے خالہ اور ان کے بچوں کے لیے ابھی گفٹ نہیں لیے تھے وہی سب لینے جارہی تھی شہوار کو بلا رہی تھی۔

"جلدی کرو پھر شام ہوجائے گی۔" نیل فر اس کی تیاری دیکھ رہی تھی جو اپنے دراز بالوں کی چوٹی بنا رہی تھی۔

"ارے تھوڑا صبر تو کرلو۔" اس نے اپنی تیاری پوری کی۔

"خالہ! گیٹ دیکھ بھال کے کھولیے گا۔" وہ جاتے ہوئے انہیں ہدایت بھی دے رہی تھی۔

پرپل کاٹن کے ٹراؤزر اور اس پر اسٹائلش شرٹ اور دوپٹہ میں نیل فر اپسرا سے کم نہیں لگ رہی تھی۔



نیل فر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ شہوار بھی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ دونوں شاپنگ مال کی طرف روانہ ہوگئی تھیں۔

"یاد سے سارا کچھ لے لو بار بار کے چکر میں نہیں لگا سکتی۔" شہوار نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

"زیادہ اتراؤ نہیں۔" گاڑی پارکنگ ایریے میں پارک کی اور دونوں لفٹ کی سائیڈ پر آگئی تھیں۔

نیل فر نے کافی کچھ خالہ اور ان کے بچوں کے لیے لے لیا تھا۔ شہوار کو بھی زبردستی شاپنگ کروائی۔

دونوں کافی ڈھیر سارے شاپرز اٹھا کے نیچے جارہی تھیں مگر نیل فر دو نگاہوں کی زد میں تھی۔ شاپرز گاڑی میں رکھ دیئے تھے مگر شہوار پھر آج کہیں گم ہوگئی تھی وہ اسے ڈھونڈنے لگی۔

"کہاں چلی گئی؟" پارکنگ ایریے سے نکل کے وہ اطراف کا جائزہ لینے لگی اور روڈ پر آکے کھڑی ہوگئی۔

"کیا ہوا آج پھر کسی کو ڈھونڈ رہی ہو۔" کسی کی گھمبیر آواز پر وہ چونک کے حواس باختہ ہوگئی۔

نیل فر نے جو وحشت زدہ ہو کے نگاہیں گھمائیں اس کا تو خون خشک ہوگیا۔ وہ اس کے اتنے قریب کھڑا تھا۔ فہر کے لب معنی خیزی سے مسکرا رہے تھے۔

"آ......آپ......" وہ تو سراسیمگی سے جو الٹے قدموں بھاگی اس نے یہ تک نہیں دیکھا۔ پیچھے دوڑتی بھاگتی گاڑیوں کا ایک اژدھام ہے۔

"نیل فر۔" وہ چیخا تھا۔

ایک گاڑی نے جو اسے ہٹ کیا تو وہ دور جاگری اور فہر اسے لگا اس کی دنیا ہی مرگئی۔

روڈ پر گاڑیوں کا ہجوم لگ گیا۔ ایک لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔

گاڑی سے نکلنے والا ضیاء تھا جس کی گاڑی سے وہ ہٹ ہوئی تھی۔

"ارے اٹھاؤ، اٹھاؤ۔" لوگوں کا شور۔ فہر دوڑ کے گیا اور ضیاء تو وحشت زدہ حواس باختہ لڑکی دوسری گاڑی کے بونٹ پر جاکے گری تھی اور بے سدھ تھی۔

"ضیاء یہ کیا کردیا۔"

"او مائی گاڈ۔" فہر کی تو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا ہوگیا۔

اور پھر شہوار بھی وہاں آگئی۔ وہ تو برگر اور کولڈ ڈرنک لینے گئی تھی یہ کیا نیل فر اس نے تو چیخنا شروع کردیا۔

"یہ پولیس کیس ہے۔" وہ بولا۔

"ارے یہ سب بعد کی کارروائی ہے۔ اسپتال لے کے جانا ہے۔" فہر نے جلدی جلدی ضیاء کی مدد سے گاڑی میں ڈالا۔ نیل فر کی حالت سیریس تھی خون بہہ رہا تھا۔

شہوار روئے جارہی تھی۔ فوری طور پر اسے اسپتال میں ایڈمٹ کیا گیا۔ دماغی چوٹ تھی، پچھلے حصے میں لگی تھی۔

(جاری ہے)

تہمینہ چوہدری

# نام میرا محبت ہے

''تم میرا اعتبار کرو گے؟'' اس نے بڑی آس سے پوچھا تھا اور وہ حیران ہوا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ جانتی تھی کہ اس کا جواب کیا ہونا چاہئے تھا یا پھر کیا ہوتا' وہ قدرے بے یقینی سے اس کے سامنے ایستادہ تھا جو کچھ ہوا تھا وہ اس کے بعد بھی سمجھتی تھی کہ وہ اس پر یقین کرے گا وہ اس کی بات سنے گا تو شاید وہ بے وقوفوں کی جنت میں رہتی تھی یا پھر بے وقوفوں کی ملکہ تھی' مگر وہ ایک لمحے کے لئے رک سا گیا تھا' سامنے نظر آتی سفید کوٹھی جو چاروں طرف سے سبزے' سرخ گلابوں اور عشق پیچاں کی بیلوں سے گھری کسی شان و تمکنت سے کھڑی تھی جس کے عین وسط میں سفید ماربل سے سجا فوارہ تھا اور فوارے کے پاس پڑی کین کی کرسیوں پر بیٹھے وہ دو نفوس جس میں سے ایک کے چہرے پر حیرانی اور الجھن تھی جبکہ دوسرے کے چہرے پر درج بے بسی اور آنکھوں میں اضطراب نمایاں تھا' ایک عجیب سی بے چینی ہلکورے لے رہی تھی۔

''صرف ایک بار...... آخری بار''۔ وہ بے حد التجائیہ لہجے میں شاید اب منت پر اتر آئی تھی اس نے ایک ہنکارا بھرا تھا' جیسے کچھ سوچ رہا تھا۔ حالات سازگار بالکل نہ تھے اب جبکہ اس کی شادی کو بھی محض دو ہفتے کا وقت بچا تھا اس طرح کا کوئی بھی ایڈوینچر وہ افورڈ نہیں کرسکتا تھا مگر سامنے کھڑی وہ منجی سی لڑکی جس پر اسے بیک وقت بے حد غصہ بھی آ رہا تھا اور ترس بھی وہ دو مختلف احساسات میں گھرا تھا' ایک ترس اور ہمدری کا' دوسرا نفرت اور غصے کا۔

''ہاں مگر آخری بار''۔ جانے کیسے اس کے منہ سے پھسل گیا تھا وہ جیسے لسی بسمل کی طرح تڑپ رہی تھی اس نے اس پر ترس کھالیا تھا۔

☆☆☆☆

''جلدی اسائمنٹ نہیں مل رہی یار''۔ وہ صبح سے گھر کی ایک ایک چیز کونے کھدرے کا اچھی طرح سے جائزہ لے چکی تھی' آج اتوار تھا مگر اسائمنٹ جمع کرانے کی کل آخری تاریخ تھی اپنا کام ہمیشہ مقررہ تاریخ سے پہلے کرلینے کی عادی تھی اس دفعہ بھی اس نے اپنی اسائمنٹ وقت پر ہی تیار کی تھی مگر اب مل کے نہیں دے رہی تھی وہ ٹی وی لاؤنج میں دھرے صوفہ کم بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھی تھی صبح فجر سے ہی اس کا سلسلہ تلاش اسائمنٹ جاری تھی مگر معاویہ ابھی سو کر اٹھی تھی ہاتھ میں چائے کا مگ پکڑے ٹی وی کے سامنے براجمان۔ خولہ جبران اور معاویہ سلطان میں زمین آسمان کا فرق تھا' معاویہ بے حد کمزور سی سانولے رنگ اور لمبے تڑنگے جسم کی مالک تھی وہ شاید قبول صورت لوگوں کی فہرست میں بھی کہیں بہت نیچے آتی تھی مگر خولہ جبران اس سے بالکل الٹ تھی سرخ و سپید رنگت' بھرا بھرا جسم ہاں مگر قد ان دونوں کا ایک ہی برابر تھا۔ ان ساری باتوں سے قطع نظر وہ بہترین سہیلیاں تھیں' ایک دوسرے میں ان کی جان بستی تھی' معاویہ سلطان خولہ کے پاپا کے بہترین دوست کی بیٹی تھی اس کی ساری فیملی کا ایک ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو چکا تھا' وہ تب سے انہی کے ساتھ رہ رہی تھی یہ دو جڑواں کوٹھیوں والا گھر تھا جس میں ایک طرف خولہ کا خاندان رہائش پذیر تھا جبکہ دوسری

طرف والی کوٹھی میں اس کے تایا ابا رہتے تھے ان دونوں گھروں کو جس کی ڈیکوریشن ایک ہی جیسی تھی کو ایک مختصر سی پھولوں کی باڑ الگ کرتی تھی بے حد خوبصورت سرخ گلابوں کی باڑ۔

''تم نے کہیں دیکھی؟'' اب وہ اس مہم سے باقاعدہ تھک چکی تھی۔

''دیکھی ہوتی تو ضرور بتاتی''۔اس کی نظریں ٹی وی پر تھیں اور لہجہ قدرے فکرمندی لئے ہوئے۔

''تمہارے لیپ ٹاپ میں اس کی کاپی تو پڑی ہوگی وہاں سے دوبارہ پرنٹ لے لیتے ہیں یا پھر تمہاری یو ایس بی میں''۔معاویہ کی بات پر اس نے سر پر ہاتھ مارا تھا' یا خدا وہ کتنی بھلکڑ تھی وہ بھاگ کر اپنا لیپ ٹاپ وہیں لے آئی تھی اس وقت وہ دونوں ہی گھر پر تھیں پاپا کسی دوست سے ملنے نکلے تھے جبکہ ممی مارکیٹ تک گئی تھیں لیپ ٹاپ آن کرکے اس نے سارا فولڈر چھان مارا مگر اسائنمنٹ نہ ملنی تھی نہ ملی یو ایس بی میں بھی نہیں تھی اب قدرے پریشان نظر آنے لگی تھی اب محض رونے کی دیر باقی تھی۔

''اب کیا کروں گی میں''۔بے بسی سے بھرا لہجہ۔

''سر احمر تو میری جان ہی نکال لیں گے پورے پندرہ نمبر ہیں اب اتنی جلدی دوبارہ کیسے بناؤں میں''۔ان کی اسائنمنٹ بنانا جان جوکھوں کا کام تھا اور ان سے نمبر لینا بے حد مشکل وہ تقریباً رو دینے کو تھی۔

''یہ تم جمع کرا دینا میں کوئی اور جگاڑ لگا لوں گی''۔ معاویہ نے اپنی اسائنمنٹ اسے دے دی تھی وہ ایسے ہی ایک دوسرے کی مدد کرتی تھیں بے حد تپتی دھوپ میں جیسے نخلستان مگر اس وقت وہ تذبذب کا شکار تھی' اگر اس کی محنت پر قابض ہو جاتی تو خود وہ کیا کرتی مگر معاویہ نے بے حد اصرار کیا تھا وہ اسے ٹالنا چاہتی تھی ٹال نہیں پائی تھی۔

☆☆☆☆

وہ یونیورسٹی آف کولمبیا سے پڑھ کر واپس لوٹا تھا عمر کا ہندسہ تیس تک بمشکل پہنچا ہوگا کہ اس نے پبلک پولیسی میں پی ایچ ڈی بھی کر لی تھی۔ وہ صرف ذہین ہی نہ تھا بے حد ہینڈسم بھی تھا اونچا لمبا کڑیل جوان اس کی ماں اسے دیکھ کر ڈر جاتی تھی کہیں اس کے گھبرو کو کسی کی نظر نہ لگ جائے دل ہی دل میں جانے کتنی سورتیں پڑھ پڑھ کر پھونکتی رہتی تھیں۔

''شالا نظر نہ لگے کسے دی میرے پت نوں''۔وہ ہر وقت اسے نظر بد سے بچانے کے حیلے کرتی رہتیں' پورے پنڈ میں کوئی اس کی ٹکر کا نہ ہوگا' وہ تو خود اسے جی بھر کر نہ دیکھتی تھیں۔

''میں ووہٹی لاؤں گی ایسی جو سات پنڈوں میں نہ آئی ہوگی''۔وہ بے مثال خوبصورتی والی بہو کی آرزو مند تھیں مگر ان کے بیٹے نے بڑی عجیب سی فرمائش رکھی تھی۔

''اماں! میں پڑھا لکھا ہوں' یہی کافی ہے' بہو لانا جو زیادہ پڑھی لکھی نہ ہو اور اگر قبول صورت ہو تو یہ اس کی ایک اور خوبی ہوگی' مجھے اونچی آواز میں بولتی بحث کرتی عورتیں زہر لگتی ہیں' مجھ سے کم ہوگی تو میرے رعب میں رہے گی اور تیری خدمت بھی کرے گی''۔ اس نے دوٹوک انداز میں کہا تھا اور وہ تب بھی اس کے واری صدقے ہی گئی تھیں' امریکا سے پڑھ کر آیا تھا' ان کا اکلوتا سپوت تھا مگر پھر بھی اسے کتنا خیال تھا ماں کا' اس کی پسند کے مطابق بہو ڈھونڈنے کی مہم کا انہوں نے آغاز کر دیا تھا۔

☆☆☆☆

جانے کیسے معاویہ نے اپنی اسائنمنٹ اتنی عجلت میں تیار کی تھی مگر اسائنمنٹس بن بھی گئی تھیں اور جمع بھی ہو گئی تھیں وہ ہمیشہ سے اپنی کلاس کے ٹاپرز میں سے رہی تھی پروفیسرز نا صرف اس کی اسائنمنٹس کو اچھے ریمارکس دیتے تھے بلکہ وہ اکثر دوسرے طالب علموں کو کاپی کرنے کے لئے بھی دیتے تھے اس کے ٹاپکس ہر لحاظ سے یونیک ہوتے تھے' وہ بجا طور پر ایک



انفرادیت پسند لڑکی تھی اتنی محنت سے بنائی گئی اسائنمنٹ نہ صرف گم ہو گئی تھی بلکہ ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ پروفیسر احمر نے تقریباً اس کے منہ پر مارنے والے انداز میں اسائنمنٹ اسے واپس کی تھی۔

''اس پروجیکٹ کے پندرہ تو کیا زیرو بھی نہیں بنتا مگر میں پھر بھی آپ کو آدھے نمبر دے کر پاس کر رہا ہوں''۔اس کی بڑی بڑی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں' وہ کلاس ختم ہوتے ہی باہر نکل آئی تھی' کسی کو کچھ بھی بتائے بغیر حتیٰ کہ معاویہ سے بھی کچھ کہے بغیر' ویسے بھی اس میں اس بے چاری کا کیا قصور تھا اس نے تو نیک نیتی سے ہی اپنا کام اسے دیا تھا آگے جو بھی ہوا اس کی قسمت تھی' وہ سائیڈ میں پڑی کرسی گھسیٹ کر چپ چاپ بے دھیانی سے ادھر ادھر تکنے لگی تھی۔

''اداس ہو؟'' عدی کرسی دھکیل کر اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

''وہ بخوبی جانتا تھا کہ کلاس میں کیا ہو رہا تھا۔

''نہیں بس ایسے ہی''۔کچھ لوگ ہوتے ہیں ناں یسے جن سے ہم اپنے دکھ سکھ خوشی غم حتیٰ کہ دل کے نہاں خانوں میں چھپی باتیں بھی نہیں چھپا سکتے' عدی سے وہ کچھ بھی نہیں چھپا سکتی تھی وہ اس کا دوست تھا' ہمدم تھا' ہمراز تھا۔اس سے ایسے جڑ گئی تھی کہ جیسے کوئی بہت اٹوٹ بندھن میں جڑے ہوں وہ دونوں' وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ کیوں اس کا دل ہمک ہمک کر صرف عدی کی ہی خواہش کرتا تھا کیوں صرف اسی کے لئے دھڑکتا تھا' حالانکہ ایسے کوئی عہد و پیماں بھی نہ ہوئے تھے ان دونوں کے درمیان۔

''تمہیں پتا ہے خولہ! کہ تم کتنی باصلاحیت ہو تو بھی کبھی اگر ہم اپنی امیدوں پر یا پھر کسی اور کی امیدوں پر پورا نہیں اترتے تو بالکل نارمل ہے' خیر ہے یار اب مجھے پتا ہے تم اگلی دفعہ اس سے اچھا کرو گی''۔وہ محض اسے تسلی نہیں دے رہا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ وہ ہارنے والوں میں سے نہیں تھی نہ وہ اتنی جلدی کسی بھی چیز سے شکست کھاتی تھی' بس یونہی کبھی کبھی دل چاہتا ہے ناں بندہ رک جائے دو گھڑی دو لمحے ایک لحظہ ٹھہر جائے۔

''میں اس وجہ سے پریشان نہیں ہوں کہ مجھے نمبر کم ملے وہ میری محنت تھی ہی نہیں اور جو کام میں نے اپنے ہاتھوں سے نہیں کیا اس کے لئے میں کچھ بھی نہیں کر سکتی میں واقعی اداس ہوتی اگر میری محنت کا صلہ مجھے ایسا ملتا''۔وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئی تھی پھر گہری سانس بھر کر بولی۔

''میں ہمیشہ اپنی چیزیں گم کر دیتی ہوں چاہے جتنی بھی سنبھال کر رکھوں''۔ پتا نہیں کیسی معنی خیزی تھی اس کے لہجے میں کہ ایک لمحے کے لئے وہ ٹھٹک کر رک گیا تھا' اس نے اپنی چائے کا کپ واپس میز پر رکھ دیا تھا' بیگ اور فائل اٹھا کر عدی کو کچھ بھی کہنے کا موقع دیئے بغیر وہ وہاں سے نکل آئی تھی۔

☆☆☆☆

''پتا نہیں یہ کون ہے الو کا پٹھا''۔ابھی وہ فریش ہو کر ذرا دم کو آنکھ لگانے کے لئے لیٹی ہی تھی کہ اس کا موبائل بجنے لگا تھا' وہ بلاشبہ کوئی رانگ نمبر تھا' وہ جتنے بھی اس کے نمبر بلاک کرتی وہ مختلف نمبرز سے فون کر کے اسے تنگ کرتا' اتنا سنکی تھا کہ محض Hi کے 150 پیغامات بھیج چکا تھا۔

''کیا ہوا؟'' معاویہ اپنے لیپ ٹاپ میں سر دیئے بیٹھی تھی۔

''پتا نہیں کون ہے بہت تنگ کر رہا ہے''۔اس نے شرمندگی سے بتایا تھا' معاویہ بھی جانے کیا سوچتی ہوگی کہ دنیا جہان کے سارے حادثے بس اسی کے ساتھ ہوتے تھے۔

''دفعہ کرو تم کوئی نوٹس نہ لو خود ہی چھوڑ دے گا''۔وہ لاپروائی سے مخاطب تھی' پھر کافی دن گزر گئے مگر یہ سلسلہ تھما نہیں تھا' اب تو وہ سنجیدگی سے اس نمبر کو

ٹریس کروا کر اس بندے کو سبق سکھانے کا سوچ رہی تھی اس نے سوچا تھا فون پر بتانا مناسب نہ ہوتا اس لئے وہ عدی سے مل کر بات کرے گی' اسی سلسلے میں وہ کلاس سے نکلتے ہی معاویہ کو لائبریری چھوڑ کر خود عدی کو ڈھونڈنے نکلی تھی جو نجانے کلاس ختم ہوتے ہی کہاں غائب ہوگیا تھا' ابھی وہ اپنے بلاک سے نکل کر ایڈمن کی طرف جا ہی رہی تھی کہ اسے عدی ایک طرف سے حواس باختہ بھاگتا ہوا دکھائی دیا تھا۔

''تم کس کے ساتھ تھیں؟'' وہ محض دو چار جست میں اس کے پاس تھا' اس کا سانس پھولا ہوا تھا جیسے وہ سرپٹ بھاگتے ہوئے آیا ہو۔

''میں کس کے ساتھ تھی؟'' الٹا وہ اس سے پوچھنے لگی۔

''وہی تو میں پوچھ رہا ہوں؟'' وہ جھلایا تھا کوفت کے مارے۔

''میں تو تمہیں ہی ڈھونڈ رہی تھی''۔

''مجھے کسی نے بتایا کہ تم اپنے منگیتر سے ملنے گئی ہو اس لئے تو میں بھاگا بھاگا آیا' خیر کسی نے مذاق کیا ہوگا''۔ اس کی رکی سانس بحال ہوگئی تھی دل کے نہاں خانوں میں جیسے سکون اتر آیا تھا' یہ خبر سن کر تو جیسے اس کے اندر تک مردنی چھا گئی تھی۔

''اتنا گھٹیا مذاق''۔ وہ چیخی تھی۔

''کس نے کیا تم سے؟''

''میں تو یہ خبر سنتے ہی حواس باختہ ہوگیا کہ میں شکل دھیان سے دیکھتا کہ کون کہہ رہا ہے''۔ واقعی اس وقت اس کا سارا دھیان بات پر تھا بات کہنے والے پر نہیں۔

''تم بھی ناں''۔ وہ ہنوز غصے میں تھی۔

''کم از کم شکل تو دیکھ لیتے میں خوب لتے لیتی''۔

وہ دل مسوس کر رہ گئی' اسے شاید پتا تھا مگر اسے بتانا نہیں چاہتا تھا وہ کچھ سوچ کر چپ کر گئی تھی۔

''تم مجھے کیوں ڈھونڈ رہی تھیں؟'' وہ یونہی راستے میں کھڑے تھے' خولہ آہستگی سے چلتی ہوئی درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھ چکی تھی اس نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

''میں نے تمہیں کچھ نمبرز ایس ایم ایس کئے ہیں یہ پچھلے کچھ دنوں سے میرا ناطقہ بند کئے ہوئے ہیں' تم پلیز پتا تو کرو''۔ وہ بغور ان نمبرز کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆☆

اس نے جیسی لڑکی کی خواہش کی تھی ویسی ہی اماں ڈھونڈ لائی تھیں اور ملتی بھی کیوں ناں اس میں کوئی کمی نہیں تھی وہ عادات اطوار میں یکتا تھا اسے تو اچھے سے اچھے خاندان بیٹی دینے کو تیار تھے' جہیز سے خوبصورت لڑکیاں اس کی ایک محض ایک نظر التفات کو ترستی تھیں مگر وہ بے نیاز بنا گھومتا رہتا تھا جیسے وہ یہ سب اس سے نہیں کسی اور کے لئے کرتی تھی وہ بس واجبی سی شکل وصورت کی تھی' گاؤں کے پرائمری اسکول سے اس نے پانچ جماعتیں پڑھی تھیں پھر نہ گاؤں میں اسکول تھا نہ کسی نے ضرورت محسوس کی' ساتھ ہی گاؤں والی آپا جی سے قرآن پاک بھی پڑھ لیا' آپا جی کسی سے برتن دھلواتیں تو کسی سے جھاڑو لگواتی اور ساتھ ساتھ سپارے کا سبق بھی پڑھاتیں یوں آپا جی کا کام بھی ہوجاتا اور بچے کا بھی۔ اس کی ماں ہمہ وقت کڑھتی رہتیں کہ جانے کیسے اس کا بیاہ ہوگا مگر جب قسمت کھلی تھی تو کیسی نصیبوں والی بن کر ابھری تھی وا سب کے لئے' سچ ہی تھا جانے رب نے کیا بھید چھپا رکھے تھے وہ جو کسی گنتی میں ہی نہ آئی تھی نہ تین میں نہ تیرہ میں' اب ہر کوئی اسے رشک وحسد کے ملے جلے جذبات سے دیکھتا تھا' اس کلو کی کیا قسمت کھلی تھی جھٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا تھا' اور وہ محض دا مہینوں کے اندر اندر ہی بیاہ کر پیا دیس سدھار گئی تھی' نت نئے رنگوں کے خواب سجوائے جانے کتنے ارمان قید تھے اس کے دل کے نہاں خانوں میں' مستقبل کے اجالوں سے بھری آنکھیں مگر گھونگھٹ اٹھانے سے بھی پہلے اس کے خوابوں کو چور چور کر دیا تھا اس



نے' کرچی کرچی اس کی آنکھوں میں چبھنے لگی تھی یوں جیسے وہ تپتے صحرا میں آ کھڑی ہوئی تھی' اس کی باتیں ''میں'' سے شروع ہوکر ''میں'' پر ہی ختم ہوئی تھیں' جانے کتنے آنسو آنکھوں سے نکل کر گالوں سے ہوتے ہوئے اس کے بھاری کامدانی لہنگے کی ریشمی نقابوں میں گم ہوئے تھے بے حد وبے حساب بے تعداد۔

☆☆☆☆

وہ دونوں اپنا اپنا چالان فارم بھر رہی تھیں' سرمئی شام اپنے پورے جوبن پر تھی' لاؤنج کی ساری کھڑکیاں کھلی تھیں' ہلکی ہلکی چلنے والی ہوا کی وجہ سے پردے سرسرا رہے تھے' ممی کل وقتی ملازمہ کے ساتھ کچن میں تھیں جبکہ پاپا اس وقت اپنی لائبریری میں ہوتے تھے' ٹی وی چل رہا تھا اور وہ دونوں اپنی مخصوص جگہ صوفے کم بیڈ پر بیٹھ کر اپنے نئے سیمسٹر کی فی اور دوسری معلومات بھر رہی تھیں' خولہ نے اپنا چالان فارم فل کرنے کے بعد اپنے بیگ کو نکالا تھا جس میں اس نے اپنی منی رکھی تھی' مگر اگلے ہی لمحے اسے ہزار والٹ کا جھٹکا لگا تھا کیونکہ اس کے والٹ میں پیسے نہیں تھے اس نے پاگلوں کی طرح اپنے بیگ کا ایک ایک کونہ چھان مارا تھا مگر پیسے ہوتے تو ملتے ناں۔

''کیا ہوا؟'' معاویہ نے فارم ادھورا چھوڑ کر اسے دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں''۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی مگر کچھ سوچ کر خاموش رہ گئی' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا آج کل جانے عجیب عجیب سے واقعات محض اسی کے ساتھ کیوں ہو رہے تھے' جتنی بھی بری خبریں تھیں وہ زندگی طے کئے بیٹھی تھی کہ خولہ جبران ہی کے ساتھ وقوع پذیر ہونا تھیں' کل ہی پاپا نے اسے اور معاویہ کو سمسٹر فی کے پیسے دیئے تھے اس نے خود بڑے دھیان سے انہیں سنبھال کر بھی رکھا تھا مگر اب مل کر نہیں دے رہے تھے' وہ اپنا بیگ اٹھا کر بنا کچھ بھی کہے بغیر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

''ہیلو عدی' ایک مسئلہ ہوگیا''۔ اس نے عدی کو فون کیا تھا۔

''جی بتاؤ''۔ وہ بھی ہمہ تن گوش تھا۔

''یار میری فیس کے پیسے گم ہوگئے ہیں''۔ اس نے شرمندگی سے بتایا تھا گویا وہ مسائل کا پنڈورا باکس ہو کوئی لڑکی نہیں' آئے دن کچھ نہ کچھ اس کے ساتھ ایسا ہوتا ہی رہتا تھا' جو نہ صرف عجیب وغریب ہوتا اور اس کی مشکلات میں اضافہ کرتا بلکہ وہ اکثر سوچتی ایسی کونسی نئی دشمنی پال لی تھی اس نے۔

''میں کچھ بندوبست کروں؟'' وہ سنجیدہ تھا مگر خولہ نے انکار کر دیا۔

''میں پاپا سے دوبارہ مانگ کر ڈانٹ نہیں کھانا چاہتی''۔ اصل ڈر اسی چیز کا تھا۔

''میری چین ہے میں نے خود پیسے جمع کر کے خریدی تھی میں سوچ رہی ہوں وہ سیل کر دوں اتنے پیسے تو آ ہی جائیں گے''۔ اس نے اپنے دل کا خیال عدی کو بتایا تھا جو اسے ذرا نہیں بھایا تھا وہ اسے ٹوکنا چاہتا تھا مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش ہوگیا تھا۔ بلاشبہ خولہ کی خودداری اسے اس بات کی اجازت نہیں دے رہی تھی کہ وہ عدی سے اتنے سارے پیسے لے مگر وہ سوچ رہا تھا کہ جہاں بھی جا کر وہ چین بیچے گی وہ وہاں سے خرید کر اپنے پاس محفوظ کر لے گا اور پھر کسی مناسب موقع پر اسے واپس کر دے گا خولہ نے جب اسے خدا حافظ کہہ کر فون بند کیا تھا تو اسے دروازے پر ایک کھٹکا سا محسوس ہوا تھا' وہ موبائل بیڈ پر پھینک کر دروازے کی سمت بھاگی تھی مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

☆☆☆☆

پھر اس کی چین بھی بک گئی تھی' اس نے فیس بھی ادا کر دی تھی' مگر یہاں عدی سے چوک ہوگئی تھی وہ وقت پر جا کر چین نہیں خرید پایا تھا اور وہ کسی اور نے خرید لی تھی اور اب یہ خولہ کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی

کہ چین اس کے اپنے پاپا جبران احمد نے ہی خریدی تھی ایک عدالت لگی تھی اس گھر میں۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ انتہائی خشمگیں نگاہوں سے اسے گھور رہے تھے وہ ایک ثانیئے کے لئے اتنی حواس باختہ ہوئی تھی کہ اس کے منہ سے بے ساختہ پھسل گیا۔

''چین''۔ ان کا غصہ دوچند ہوا تھا۔

''وہ مجھے بھی پتا ہے مگر جیولر کے پاس کیا کر رہی تھی؟'' اب وہ بچ نہیں سکتی تھی سو مجبوراً ساری کہانی انہیں سنانی پڑی تھی' اقرار جرم کے بعد اس نے سر جھکا کر پاپا کی لعن طعن سنی تھی اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا مگر وہ مسلسل یہی سوچے جا رہی تھی کہ آخر پاپا کو بتایا کس نے ہوگا' کیونکہ اس نے تو عدی کے علاوہ اور کسی کو بھنک بھی نہیں لگنے دی تھی حتیٰ کہ عدی کو بھی کہ وہ کیا کرنے جا رہی تھی مگر پھر بھی پاپا کو پتا چل گیا یعنی ان کی سی آئی ڈی بے حد اسٹرونگ تھی۔

پھر بہت سارے دن یونہی گزر گئے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ خولہ کی زندگی قدرے ڈگر پر آ گئی تھی سکون اور خیریت جیسا احساس تھا مگر یہ شاید طوفان سے پیشتر والی خاموشی تھی۔

☆☆☆☆

''معاویہ میں کیا کروں کوئی ٹیکسی نہیں مل رہی آج ہڑتال ہے اور میرا یونیورسٹی پہنچنا بھی بے حد ضروری ہے میں اپنا مڈٹرم مس نہیں کرنا چاہتی ہوں تمہیں پتا ہے ناں ورنہ میں فیل ہو جاؤں گی''۔ وہ بے حد روہانسی سی بول رہی تھی وہ معاویہ کے ہی کام سے یہاں آئی تھی مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ آج ہڑتال تھی وگرنہ وہ ڈرائیور کو ہی روک لیتی مگر اب وہ بھی پاپا کو لے کر جا چکا تھا ان لوگوں کو جانا بھی اٹک تھا وگرنہ شاید اتنا وہ نہ ڈرتی۔

''تم رکو میں کچھ کرتی ہوں''۔ معاویہ نے اس سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

''میری دوست کا بھائی ہے وہ F-7 میں ہی ہے وہ تمہیں وہاں سے لے کر یونیورسٹی چھوڑ دے گا''۔

کچھ ہی لمحے بعد معاویہ نے دوبارہ کال کر لی تھی اس نے اس آدمی کا نمبر بھی ٹیکسٹ کر دیا تھا تو اس نے سکون کی سانس لی تھی کچھ ہی ثانیئے میں گاڑی ایک اس کے سامنے یوں آ کر کھڑی ہوئی تھی جیسے وہ مدت سے شناسا ہو اس کا وہ قدرے حیران تھی۔

''پلیز آگے آ کر بیٹھئے''۔ وہ پچھلا دروازہ کھولنے ہی لگی تھی جب اس نے فرنٹ ڈور کھول کر بڑے شائستہ انداز میں کہا تھا' اس نے چند ثانیئے کھڑے رہ کر کچھ سوچا تھا اس کے بعد وہ آگے بیٹھ گئی تھی۔ جب یونیورسٹی پارکنگ میں گاڑی داخل ہوئی تھی تو عدی اور معاویہ پہلے سے وہاں موجود تھے معاویہ نے شکر کا سانس لیا تھا کہ وہ پیپر سے پہلے ہی پہنچ گئی تھی مگر عدی کی آنکھوں میں واضح الجھن تھی جو اس سے چھپائے نہیں چھپ رہی تھی یہ وہی آدمی تھا جس کا نمبر خولہ نے اسے دیا تھا جب اس نے نمبر ٹریس کروایا تھا تب اس کی لاتعداد وارننگز کے باوجود یہ ڈھیٹ شخص مان کر نہیں دے رہا تھا تب اس نے اس کی ٹھکائی کی نیت سے اس سے ملاقات کی تھی' اور خدا گواہ تھا کافی مار بھی پڑوائی تھی اور اب خولہ اسی کی گاڑی سے اتر رہی تھی' ماجرہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

☆☆☆☆

''خولہ! مجھے یقین نہیں آ رہا تم مجھ سے جھوٹ بولو گی''۔ وہ ڈھابے میں بیٹھ کر اپنی پسندیدہ چائے سے ابھی لطف اندوز ہونے ہی والی تھی کہ عدی اس کے سر پر آ پہنچا وہ اب خشمگیں نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔

''میں نے کیا کیا؟'' اس نے معصومیت سے پوچھا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس معصومیت پہ شاید پسیج بھی جاتا مگر آج معاملہ کوئی اور تھا۔

''تم نے مجھ سے جھوٹ بولا''۔ اس کی آنکھوں میں دکھ تھا' یہ ایک چیز وہ کبھی بھی خولہ سے امید نہیں رکھتا تھا۔



''کیا جھوٹ؟'' اس کی آنکھوں میں حیرانی اتری تھی کل وہ عدی سے یونیورسٹی میں ہی ملی تھی اس کے بعد نہ اس نے کوئی فون یا ٹیسٹ کیا تھا اور نہ ہی دوبارہ ملاقات ہوئی تھی کجا کے جھوٹ۔

''کیا مسئلہ ہے بھئی؟'' وہ تلخی سے بولی تھی آئے دن کے مسئلوں سے' وضاحتوں سے وہ واقعی تھک گئی تھی اسے بھی احساس نہیں ہوا تھا اپنے لہجے کی تندی کا۔

''کچھ نہیں''۔ کچھ ثانیئے وہ رکا تھا' شدت جذب سے اس کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے تھے پھر وہ تیزی سے ڈھابے سے باہر نکل گیا تھا اس نے کل شام کو خولہ کو ٹیکسٹ کیا تھا کہ آیا' وہ اگر شام کو فارغ ہو تو تھوڑی دیر کے لئے وہ اس سے ملنا چاہتا تھا مگر اس نے یہ کہہ کر منع کر دیا تھا کہ اسے اپنے انکل کے پرسے کے لئے جانا ہے مگر پھر جب وہ کسی کام سے F-8 گیا تو اس نے خولہ کو وہاں شاپنگ کرتے دیکھا تھا' اگر وہ فارغ نہیں تھی یا وہ ملنا نہیں چاہتی تھی تو اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی وہ اس کے لئے بہت خاص تھی' بہت انمول' بہت پیاری' وہ اپنی ڈگری ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ وہ دوران تعلیم نہ خود ڈسٹرب ہونا چاہتا تھا نہ ہی خولہ کو کرنا چاہتا تھا مگر اب اسے لگتا تھا کہ اسے خولہ کو اپنے جذبات سے آگاہ کر دینا چاہئے کیونکہ وہ ایسے ہی جذبات اس کی آنکھوں میں بھی دیکھ رہا تھا مگر پھر بہت سارے دن گزر گئے اور وہ دونوں ایک دوجے سے منہ پھلائے پھرتے رہے نہ اس نے بلایا نہ وہ پاس آئی نہ کوئی وضاحت دی نہ کوئی شکوہ کیا' بعض اوقات ہمارے پاس دلائل کے ڈھیر ہوتے ہیں مگر ہم پھر بھی چپ کر جاتے ہیں کیونکہ اگلا سننے کے موڈ میں نہیں ہوتا' یا پھر شاید وہ بندہ ہمیں ہمارے پراؤڈ سے ہمارے دلائل سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ اسے اپنے خولہ کے بیچ ایک ناتمام ہونے والی دیوار دکھائی دیتی تھی اسے لگتا فاصلے اتنے گہرے تھے کہ وہ انہیں پاٹ نہیں پائے گا مگر دل ایسی بلا کا نام ہے کہ ایسی جگہ لاکھڑا کرتا ہے کہ آگے کنواں پیچھے کھائی نظر آتی ہے' محبت کن من برستی برکھا کی طرح ہوتی ہے' آہستہ آہستہ مگر نامعلوم' من کی دھرتی کو سراب کر ڈالتی ہے' محبت روشنی کی طرح ہوتی ہے ہمیشہ آس پاس وہ جو مسئلوں کا پٹارا تھی جس کے ساتھ جانے کب کیا ہو جاتا تھا وہ اس کی محبت میں پور پور ڈوب رہا تھا دنیا کی کوئی چیز اسے اس سے بدگمان نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆☆

وہ جب پہلی دفعہ ماں بننے جا رہی تھی تو اسے واشگاف الفاظ میں بتا دیا گیا تھا کہ اسے صرف بیٹے کی ماں بننا ہے' بیٹی کے لئے اس گھر میں کوئی جگہ نہیں تھی اور بیٹی کی ماں بننے کی صورت میں اس کے لئے بھی مگر اس کے لئے زمین ابھی تنگ تھی' وہ یکے بعد دیگرے پانچ بیٹیوں کی ماں بنتی چلی گئی اور وائے رے قسمت کے وہ شکل وصورت میں بھی اس پر ہی پڑ گئی تھیں شکل وصورت تو خیر جو بھی جیسی تھی مگر وہ قسمت کی دھنی بھی اسی کی طرح نکلی تھی وہ کبھی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی بیٹیاں اسی کا پرتو ہوں مگر یہ سچ تھا' وہ پیدائش سے ہی اپنی ماں کو پٹتے ہوئے دیکھتی آ رہی تھیں تب انہیں لگتا ان کا باپ کوئی بہت بڑا جاہل ہوگا جس نے کبھی کسی درسگاہ کی شکل تک نہ دیکھی ہوگی مگر وہ جانتی نہیں تھیں کہ کبھی کبھی جو نظر آتا ہے ویسا ہوتا نہیں۔

☆☆☆☆

چڑیا بار بار اپنی چونچ ہلا رہی تھی' پیپل کے پیڑ کی ڈال اچانک بے ہنگم سے ہلنے لگی تھی جیسے اس سے کچھ کہنا چاہتی ہو اس نے پیالے میں پانی بھرا تھا اور دوسرے میں باجرے کے دانے اور دونوں چیزیں ایک ترتیب سے منڈیر پر رکھ چھوڑی تھیں' چڑیا اب

مطمئن سی دانا چگنے میں منہمک ہوگئی تھی عدی نے گہرا سانس خارج کیا تھا' کوئی راستہ کوئی سبیل دکھائی نہیں پڑتی تھی اسے لگتا جیسے وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہو جیسے کوئی نادیدہ طاقت اسے کھینچ کھینچ کر خولہ جبران سے دور لے جاتی ہو' جیسے کسی چھوٹے بچے کی طرح ہمک ہمک کر وہ اس کی طرف بھاگتا ہو جیسے بچپن میں ہم اپنی پسندیدہ چیز کی طرف بے قراری سے بھاگتے ہوں اور وہ ہم سے اتنا ہی دور ہو جاتی ہو یا پھر ماں ہمیں کھینچ کر اس سے فاصلے پر لے جاتی ہو۔ وہ اپنے ہی اندر جاری اس جنگ سے قدرے گھبرا سا گیا تھا اس لئے اس نے کھل کر خولہ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا' اور وہ شاید قبولیت کی ہی گھڑی تھی کہ اسے خولہ کے نمبر سے ہی پیغام موصول ہو گیا تھا یہ نمبر اس نے تھوڑا عرصہ پہلے ہی لیا تھا اور شاید اس کے علاوہ کم ہی لوگوں کے پاس تھا۔

''خولہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے''۔

''ہاں کہو!'' دوسری طرف سے فوراً جواب آیا تھا۔

''ایسے نہیں مل کر''۔ وہ کوئی بھی ایسی بات موبائل پر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''نہیں یار! ایسے ہی بولو ناں''۔ وہ بے صبری سی ہوئی تھی۔

''پلیز یار!'' اس نے التجا کی تھی۔

''بتاؤ ناں''۔ وہ اصرار کر رہی تھی۔

''تم ہی ہو میری فیری لینڈ کی فیری' تم ہی ہو جسے دیکھ کر میری سانسیں رک جاتی ہیں' تم ہی ہو جسے دیکھ کر میرا دل دھڑکنا بند ہو جاتا ہے تم سے پوری شدت سے مجھے محبت ہے خولہ''۔ اچھا خاصے لمبے پیرائے میں لکھا ہوا پیغام موصول ہوا تھا دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی وہ بے حد ڈر گیا تھا۔

''کچھ تو کہو پلیز''۔

''میرے دل میں ایسا کچھ نہیں ہے''۔ جواب پڑھتے ہی اس نے دوسری طرف ڈائل کیا تھا مگر نمبر بند آیا تھا' ڈر' خوف' بے بسی' غصہ' جانے کتنے جذبوں نے بیک وقت اس پر حملہ کر ڈالا تھا' وہ رات اس نے انتہائی بے قراری سے گزاری تھی اگلی صبح وہ انتہائی بددلی سے یونیورسٹی گیا تھا اگر اہم کلاس نہ ہوتی تو شاید وہ جاتا ہی نہ۔

''کیسے ہو؟'' وہ اسے پارکنگ میں ہی ٹکرا گئی تھی۔ انتہائی نارمل اسے جھٹکا لگا تھا۔

''کیسے بے نیاز بنے پھرتے ہیں یہ ستم گر''۔ وہ جھنجھلا سا گیا تھا جیسے خود سے ہی لڑ رہا تھا۔

''مجھے تم سے کچھ کہنا ہے''۔ اس کے خوابوں کا شہزادہ بالکل اس کے سامنے ایستادہ تھا' وہ اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھنا چاہتی تھی' وہ تھک گئی تھی انتظار کرتے کرتے وہ جذبے جو اس کی آنکھوں سے عیاں تھے اگر وہ انہیں بول نہیں رہا تھا یا شاید بول پاتا نہیں تھا تو وہی ہمت کر لیتی اور اس نے وہ ہمت یکجا کر بھی لی تھی' مگر وہ آج ایسے کیوں بول رہا تھا' اکھڑا اکھڑا بےزاری اس کے انگ انگ سے جھلک رہی تھی۔

''مجھے کچھ نہیں سننا اور ہٹو میرے راستے سے''۔ وہ بے حد درشت تھا۔

''کیا ہوا عدی؟'' وہ حیران تھی۔

''دوبارہ کبھی میرے راستے میں مت آنا سمجھیں''۔ اس نے اس کو دونوں کندھوں سے سختی سے پکڑا تھا وہ محض تڑپ کر رہ گئی تھی۔

''کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا' نفرت ہے مجھے تم سے''۔ وہ اس کے دوغلے پن پر چراغ پا تھا' جیسے سختی سے پکڑا تھا' لگتا تھا اسے مار ہی ڈالے گا مگر یک لخت ہی اس نے اسے چھوڑ دیا تھا' اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا تھا' شہر تمنا بسنے سے پہلے ہی لٹ گیا تھا۔

☆☆☆☆



''وہ مر گیا ہے''۔ معاویہ نے ہلکی سی سرگوشی کی تھی شاید وہ خود کو یقین دلا رہی تھی گھر میں پڑی باقی چھ لاشیں جو اس کی ماں اور بہنوں کی تھیں کہیں غائب ہوگئی تھیں یاد رہا تھا تو بس یہ کہ وہ جو بے رحمی سے ہر روز بلاناغہ اس کی ماں کو جانوروں کی طرح مارتا تھا' وہ مر گیا تھا' اس کے پاپا نے اپنے دوست کی طرف مجبوراً جانے کا پروگرام بنایا تھا' انہوں نے از حد اصرار کے ساتھ اپنی بیوی اور بچیوں کو بھی لانے کا اصرار کیا تھا ورنہ وہ کبھی ساتھ نہ لے کر جاتا' لمبے سفر کے لئے وین ہائر کی گئی تھی مگر راستے میں ہی سیلنڈر پھٹنے کی وجہ سے جیسے معاویہ کا سنسار ہی اجڑ گیا تھا۔ وہ تہی داماں تہی دست رہ گئی تھی' جب اس کے سگے ماموں نے اسے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا تھا' سب کی نظریں اس کی جائیداد پر تھیں تب ہی خولہ کے پاپا جو اس کے پاپا کے دیرینہ دوست تھے نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا تھا' حویلی کو تالا لگ گیا تھا' زمینیں ٹھیکے پر دی گئیں اور وہ اپنے بوریا بستر سمیت اسلام آباد۔

☆☆☆☆

اس دن وہ یونیورسٹی سے گھر آ کر بہت روئی تھی' شہر تمنا کے لٹنے کی کسک' کچی عمر کے خوابوں کے ٹوٹنے کا دکھ' اور ہزار کوسنے اپنے لئے کہ کیوں محض عدی کی وقت گزاری کو اس نے محبت کا نام دے لیا تھا' اس نے کتاب پر سے نظر ہٹا کر آنکھیں بند کر لی تھیں ایک خوبصورت باب شروع ہونے سے ہی پہلے اپنے انجام کو جا پہنچا تھا' وہ اک دعا جو میری نامراد لوٹ آئی زبان سے روٹھ گیا پھر سوال کا موسم گرم سیال مادہ اس کے گالوں پر پھیل رہا تھا جیسے آنکھیں کھول کر اس نے بے دردی سے مسلا تھا' آدھ کھلی آنکھوں سے اس نے سامنے سنگل صوفے پر بیٹھی مطمئن سے لبوں پر ہلکی سی مسکان سجائے بیٹھی معاویہ کو دیکھا تھا' اس نے ایک دفعہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ اسے کیا ہوا تھا یا پھر وہ کیوں رو رہی تھی؟ اس کے ذہن میں ایک عجیب سا چھناکا ہوا تھا پل میں بہت سارے منظر روشن ہوگئے تھے۔

☆☆☆☆

میرا نام خولہ جبران ہے' جبران احمد کی اکلوتی دختر نیک اختر بچپن سے ہی میں نے اپنے ماما پاپا کا بے تحاشہ پیار لاڈ' مان سب پایا' میں نے جس چیز پر بھی انگلی رکھی وہ مجھے میری خواہش سے بھی پہلے ملی اور اب میں ایسے مقام پر شکست خوردہ کھڑی تھی کہ وہ ضرب المثل آج درست لفظوں میں سمجھ آگئی تھی وہ جو کہتے ہیں نا آگے کنواں اور پیچھے کھائی تو میں اسی کیفیت میں کھڑی تھی۔ ہر طرف گھپ اندھیرا تھا' اور بے یقینی کا عالم' میں نے وہاں سے مات کھائی تھی جہاں سے میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ مات میرا مقدر ہوگی مگر میں ہار چکی تھی جب معاویہ کی شکل دیکھتی ہوں تو میں مزید بے یقینی کی کیفیت سے گزرنے لگتی تھی وہ ایسا کرے گی' معاویہ سلطان جو میری بہترین دوست تھی جو میری ہمراز میری دوست تھی جو میری غمگسار تھی وہ میرے پیچھے ایسا کھیل کھیل رہی تھی جب پاپا اسے لے کر آئے تھے تب میں خوش ہوئی تھی' اتنے بڑے گھر میں اکیلے رہ کر کبھی کبھی میرا دل چاہتا تھا کہ میرا بھی کوئی بہن بھائی ہوتا میں اس سے سب کچھ شیئر کرتی اور میری یہ دعائیں مجھے لگا تھا معاویہ کے روپ میں سند قبولیت سے نوازی گئی تھیں مگر یہ میری خام خیالی تھی شدید خام خیالی۔ میں اس رخ پر تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی اگر اس دن کسی کام سے سر احمر کے دفتر نہ جاتی تو شاید میں کبھی نہ سمجھ پاتی جو میرے ساتھ ہو رہا تھا جو میرے لئے محض اتفاق سے زیادہ کچھ نہ تھا اس اتفاق کی باقاعدہ اس نے پلاننگ کی تھی' مجھے سر احمر سے کچھ پوائنٹس ڈسکس کرنے تھے جب میں ان کے آفس گئی تو یونہی ان کے منہ سے پھیلا تھا۔

"یہاں کچھ پروجیکٹس پڑے ہیں ان میں دیکھو تمہارے ٹاپک سے متعلق تمہیں کافی کچھ ملے گا"۔

اور سوئے اتفاق جو فائل انہوں نے میری جانب بڑھائی تھی وہ وہی پروجیکٹ تھا جو مجھ سے گم ہو گیا تھا اور میں نے معاویہ سے لے کر جمع کروایا تھا' اس فائل پر معاویہ سلطان کا نام لکھا تھا' وہ پروجیکٹ میرا تھا اس پر لکھا ہوا لفظ لفظ میرا تھا جو اس دن میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہوئے جا رہی تھی وہ اسائنمنٹ معاویہ کے نام سے اس ٹیبل پر پڑی تھی' میرا دماغ حد درجہ کنفیوژڈ تھا اس وقت مجھے سب کچھ بھول گیا تھا حتیٰ کہ سر احمر کیا کہہ رہے تھے' وہ بھی میں سن نہیں پا رہی تھی مگر مجھے یہی لگا تھا کہ وہ محض ایک اتفاق تھا' شاید اسے مل گئی ہو گی اور اس نے ہڑبونگ میں اپنے نام سے جمع کروا دی ہو گی' میں نے اپنے دل کو ہزار تسلیاں دی تھیں' میں معاویہ سے پوچھنا بھی چاہتی تھی مگر پوچھ نہیں پائی تھی۔ ہر دفعہ میرے لب کانپ جاتے تھے اگر یہ سب محض اتفاق ہوتا تو اس کو کیسا لگتا؟ یہی سوچ کر میں چپ کر جاتی تھی' ابھی میں اسی کشش و پنج میں تھی کہ مجھے دوسرا جھٹکا تب لگا تھا' جب یونہی مما نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا تھا۔

"اگر معاویہ نہ بتاتی تو ہمیں کبھی پتا نہ چلتا کہ تم نے اپنے فی سے کتنی شاپنگ کی تھی اور پھر فی بھرنے کے لئے تمہیں اپنی چین دینی پڑی تھی"۔ وہ معصومیت سے بول رہی تھیں اور میرا سر گول گول دائرے میں گھوم رہا تھا' معاویہ اور ایسے' معاویہ اور یہ سب؟ میں اب بھی بے یقین تھی۔

"مجھے تمہاری یہ رشتے دار Inferirity complex کا شکار لگتی ہے"۔ وہ شائلہ تھی تو سائیکالوجی ڈپارٹمنٹ سے مگر پھر بھی ہم میں بہت اچھی دوستی تھی یونہی ایک دن اس نے معاویہ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا' وہ ہم سے ذرا دور گھاس پر بیٹھی شاید اپنے نوٹس بنا رہی تھی موسم اچھا تھا۔

"ایسے کیوں لگا تمہیں؟"

"وہ شاید تمہیں خود سے بہتر سمجھتی ہے"۔

"تم شاید میری لکس کی بات کر رہی ہو مگر اسے ایسا کوئی کمپلیکس نہیں ہے' شکل میں شاید میں اس سے بہتر ہو سکتی ہوں مگر باقی ہر چیز میں ہم ایک دوسرے کے برابر ہی ہیں"۔ میں حیرانگی سے اسے بتا رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے مگر میں نے اسے کافی ڈیپلی اسٹڈی کیا ہے اور جو مجھے لگا وہ میں نے بتا دیا"۔ اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے تھے مجھے لگا تھا کہ وہ اس کا وہم ہو گا ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ خود کو مجھ سے کمتر سمجھتی ہو گی' لیکن بعض اوقات شاید جو ہم سوچتے ہیں ویسا ہوتا نہیں ہے یا پھر شاید یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز بالکل ویسی ہو جیسا ہم سوچیں عدی کے معاملے میں بھی میرے سارے اندازے غلط نکلے تھے۔ مجھے لگتا تھا کہ وہ صرف میرا تھا مگر وہ میری خام خیالی تھی وہ ہمیشہ مجھ سے الجھتا رہتا تھا' ان ساری باتوں پر مجھ سے لڑتا تھا جو سرے سے میں نے کی ہی نہیں ہوتی تھیں آدھی بات کرتا اپنی سناتا اور میری سنے بغیر چلا جاتا' مجھے لگتا تھا کہ وہ مجھ سے خفا ہے پر مجھے یہ نہیں پتا تھا کہ میں جو بھی جانتی تھی وہ محض آدھا سچ تھا۔

☆☆☆☆

میں عدی عبدالرحمن ہوں' خولہ سے لڑ کر میں ڈھابے میں آ بیٹھا تھا' پتا نہیں میں کتنی دیر وہاں بیٹھا خلاؤں میں خالی خالی گھورتا رہا تھا' مجھے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میں آخر سوچ کیا رہا تھا یا پھر آخر مجھے سوچنا کیا چاہئے تھا۔

"تم یہاں ہو اور میں تمہیں کب سے ڈھونڈ رہی ہوں"۔ معاویہ دھپ سے آ کر میرے پاس بیٹھ گئی تھی۔

"اداس ہو؟" میری خاموشی کو اس نے فوراً بھانپ لیا تھا' ابھی مجھے کچھ کہنا ہی تھا کہ اسے یاد آیا تھا تبھی وہ تھوڑی دیر بعد میں آنے کا بول کر اپنا بیگ



وہیں چھوڑ کر چلی گئی تھی تبھی میرا دل چاہا تھا کہ میں خولہ سے کوئی شکوہ کروں' کوئی شکایت یا پھر صرف اتنا ہی پوچھ لوں اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا تھا' میں نے جیب سے اپنا فون نکال لیا تھا۔

"ایسا کیوں کیا تم نے خولہ؟" بہت دیر سوچنے کے بعد بھی میں محض اتنا ہی لکھ سکا تھا اسی لمحے معاویہ کے بیگ میں ٹوں ٹوں ہوئی تھی میں چونک گیا تھا' میں نے دوبارہ خالی پیغام اسی نمبر پر بھیجا تھا میں صرف تصدیق کرنا چاہتا تھا جو میں سوچ رہا تھا کہ وہ درست تھا اور میرے سارے اندازوں کی تصدیق ہو گئی تھی۔ میں نے خولہ کے نئے نمبر پر فون کیا تھا مگر فون معاویہ کے بیگ میں بج رہا تھا' میں نے پھر خولہ کے پرانے نمبر پر بھی کال کی تھی جو چند ثانیے کے بعد ریسیو کر لی گئی تھی اور دوسری طرف جو آواز ابھری تھی اس نے میری الجھنوں کو ایک نیا رخ دے دیا تھا' وہ خولہ تھی اور میں جو اتنے عرصے سے Texting کر رہا تھا وہ معاویہ تھی کیوں میں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا تھا کہ کبھی خولہ نے میرے اس نمبر پر کال کیوں نہیں ریسیو کی تھی وہ جب بھی کال کرتی تھی پرانے نمبر سے ہی کرتی تھی اور میں ہمیشہ یہ سوچتا تھا کہ شاید نیٹ ورک ایک ہے اس لئے' اور اب اس ساری صورتحال کو کیسے سنبھالنا تھا' فی الحال میری عقل دنگ تھی مجھے کسی کو کچھ بھی جتانا نہیں تھا نہ ظاہر کرنا تھا' جو جیسا چل رہا تھا مجھے چلنے دینا تھا' میں معاویہ سے کچھ بھی کہے بغیر سیدھا اس لڑکے کے پاس گیا تھا جو خولہ کو تنگ کرتا تھا اور جو خولہ کو یونیورسٹی ڈراپ کرنے بھی آیا تھا میں خولہ کو اس کے ساتھ دیکھ کر کافی بدگمان بھی ہوا تھا کہ مجھے تو کہہ رہی تھی کہ رانگ نمبر تھا اور اب اچانک سے وہ رانگ نمبر رائٹ نمبر کیسے بن گیا تھا' لیکن میری ایک عادت تھی کہ میں جلد بازی میں کچھ نہیں کرتا تھا سو اس وقت بھی میں چپ کر گیا تھا میں نے بال برابر بدگمانی اپنے اندر نہیں آنے دی تھی

وہ لڑکا فون پر مانا نہیں تھا اس لئے مجبوراً مجھے اپنے تعلقات استعمال کرنے پڑے تھے اس لئے مجھے اس کے ٹھکانے کا پتا نہیں تھا اس وقت تو میں نے اسے بس ذرا دھمکایا تھا مگر اب مجھے پوری گیم سمجھنی تھی اس لئے میں اس سے ملنے گیا تھا میرے ذرا سے دھمکانے اور پولیس کی دھمکی پر اس نے سب کچھ اگل دیا تھا۔

"میں یہ سب معاویہ کے کہنے پر کر رہا تھا"۔ وہ بتا رہا تھا اور میں دم بخود اسے سن رہا تھا۔

"اسی نے اس دن مجھے فون کر کے خولہ کو یونیورسٹی چھوڑنے کے لئے بلایا تھا"۔ اور جبھی وہ مجھے پارکنگ میں لے کر آئی تھی وہ مجھے کچھ دکھانا چاہتی تھی وہ مجھے اپنے حساب سے سب کچھ دکھا رہی تھی اور میں دیکھ بھی رہا تھا مگر جانے کیوں ہر بار میرا دل ہمک ہمک کر خولہ جبران کی طرف چلنے لگتا تھا وہ مجھے دنیا کی سب سے بڑی جھوٹی لگتی تھی مگر جب بھی اسے میں دل کی نظروں سے دیکھتا تھا جیسے سب کچھ خود ہی جھوٹا ثابت ہو جاتا تھا' اس کا معصوم چہرہ دیکھ کر میرا دل دوڑ دوڑ کر مہر ثبت کرتا کہ یہ محض میرا وہم ہی ہے خولہ جبران ہی سچی ہے' وہی سچ بولتی ہے باقی سب جھوٹ مگر ہر بار میرے قیاس میرے اندازے غلط ثابت ہوتے تھے وہ میرے ہر خیال پر پانی پھیر دیتی تھی مجھے اس کے گیم کو اس پر ہی الٹنا تھا اس لئے میں بھی اس کے التفات کو مثبت انداز میں لے رہا تھا' بلکہ میں خود بڑھ چڑھ کر اسے سراہتا تھا مجھے معلوم تھا یہ سب خولہ کے لئے بے حد تکلیف دہ تھا مگر کچھ وقت کے لئے تکلیف برداشت کر لینا ہمیشہ کی تکلیف سے بہتر تھا۔

☆☆☆☆

اس دن معاویہ نے میرے پاپا سے بے حد بدتمیزی کی تھی وہ ان سے لڑ جھگڑ کر اپنے ماموں کی طرف چلی گئی تھی کیونکہ پاپا نے عدی سے اس کی

شادی سے انکار کر دیا تھا وہ معاویہ کی شادی دیکھ بھال کر کسی اچھے گھر میں کرنا چاہتے تھے مگر اس نے ہمارے اتنے سالوں کے مان پیار سب کو ایک حرف بھیج کر گاؤں کا رخ کیا تھا میں ہی واماں تھی' میں ہی داماں ہی رہ گئی تھی' میں اکثر عدی اور معاویہ کی شادی کے بارے میں خبریں سنتی رہتی تھی مگر میں نے ایک بار صرف آخری بار اپنی قسمت کو آزمانے کا فیصلہ کیا تھا' میں نے عدی سے ملنے کا فیصلہ کیا تھا۔

☆☆☆☆

وہ میرے سامنے کھڑی تھی وہ سفید بنگلہ اس کے عین وسط میں لگا فوارہ سب کچھ جیسے غائب سا ہو گیا تھا' اگر کچھ رہ گیا تھا تو ہمارے دو وجود مگر مجھے ابھی کچھ بھی ظاہر نہیں ہونے دینا تھا مجھے صرف اسے سننا تھا' میں نے اسے جھوٹ کہا تھا کہ معاویہ سے میری شادی میں دو ہفتے رہ گئے ہیں میں صرف معاویہ کا اصلی چہرہ سب کے سامنے لانا چاہتا تھا کہ وہ کتنی ویلیو کرتی تھی ان کے پیار کو ان کی توجہ عزت اور مان کو کہ میرے صرف ایک بار کہنے پر میں رشتہ اس کے سگے رشتے داروں میں ڈالوں گا وہ ان کے برسوں کے پیار کو بے مول کر کے چلی گئی تھی باقی کچھ معاویہ نے افواہیں پھیلا رکھی تھیں محض خولہ کو تکلیف دینے کے لئے اور مجھے اب خولہ کو ان ساری تکلیفوں سے باہر نکالنا تھا۔

☆☆☆☆

''ادھر آؤ' بیٹھو یہاں''۔ اس نے خولہ کو کندھوں سے پکڑ کر سامنے پڑے سنگی بینچ پر بٹھایا تھا وہ بلاشبہ بے حد ٹوٹی دکھائی دے رہی تھی۔

''میں صرف تم سے پیار کرتا ہوں بلکہ مجھے تم سے عشق ہے عقیدت کی حد تک' تم ہی میری فیری لینڈ کی ڈریم گرل ہو' تم ہی میری ہیر ہو''۔ وہ نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا وہ بنا پلکیں جھپکے اسے تک رہی تھی۔

''اور......اور......وہ معاویہ''۔ وہ اپنی ہی باتوں میں اڑ گئی تھی۔

''معاویہ تو کبھی ہمارے بیچ تھی ہی نہیں''۔ اس نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

''میں تمہیں بتاتا ہوں شمائلہ نے ٹھیک کہا تھ معاویہ کے بارے میں اور میں نے اس کے پورے کیس کو اسٹڈی کیا ہے' شاید تمہیں انکل نے نہ بتایا ہو مگر معاویہ کے گھر کے حالات ہی ذمہ دار ہیں اس کی ٹوٹی اور احساس کمتری کی شخصیت کے''۔ وہ اسے دھیرے دھیرے ہر چیز کے بارے میں بتا رہا تھا اور وہ دم بخود اسے سنے جا رہی تھی تو یہ تھی کہانی۔

''وہ بے پناہ دوستی محض ایک دکھاوا تھی''۔ اس نے تلخی سے سوچا تھا اور عدی نے پیار سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ لئے تھے۔

''نہیں خولہ! اسے علاج کی ضرورت ہے اسے ہمارے پیار توجہ مان کی ضرورت ہے' وہ نفرت کی پیداوار ہے اسے محبت سے پکارو گی تو تمہارے کام آئے گی''۔ اس نے بڑے پیار سے سمجھایا تھا۔

''اور وہ شادی؟'' وہ اب بھی کنفیوژڈ تھی۔

''وہ تو اپنے ماموں کے پاس محض تم سے شادی کرنے گئی تھی۔

''اس کے ماموں کی نظریں صرف اس کی جائیداد پر ہیں' بس کچھ دن اور پھر تم اسے خود جا کر لے آنا' تب تک ماموں کی محبت کا بت بھی پاش پاش ہو چکا ہوگا''۔ اس کے پاس ہر چیز کا حل ہوتا تھا' اس لئے تو کلاس میں سب اسے نومسچوسکی کہتے تھے' خولہ نے بے حد مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

''نومسچوسکی''۔ بے ساختہ اس کے منہ سے پھسلا تھا اور پھر وہ خود بھی کھلکھلا کر ہنس دی تھی' اسے پتا تھا اسے غصہ ہوتا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ غصہ ہوتا تھا یہ نام سن کر مگر اس کی ہنسی بھی ہر طرف خوبصورت جلترنگ بجا رہی تھی۔

☆......☆......☆

زندگی تنویر خلیل

# سوکھا آسمان

''تھر واسی ''موت'' کے ''محبوب'' ہیں اور سوکھا آسمان پیاسا ہے۔''

جولائی میں سورج کی السائی دھوپ میں انگڑائی کے خمار کا فقدان تھا۔ جھڈو اور ننگر پارکر کے پہلے زینے پر اترتا نوکوٹ قلعہ صحرا کی طرح بکھرا اور اجڑا بدحال تھا۔ جھاڑیاں، خشک سالی، خالی پن اور ریت کے سنہرے ذرے اب اوپر کو اٹھتے ہیں اور ''سوکھا'' سکار میں بدلنے کا خواہاں ہے مگر کیسے؟ ابر باراں تو آئے۔ جل تھل تو ہووے، آسمان اپنا سینا پھاڑ دے اور تھر کی پیاسی زمین اور اس کے پیاسے لوگوں کو سراب کر دے۔ کیسا ہے یہ آکاش۔

مائی بھاگی آسمان کی اور رخ موڑے، تھریے چوڑے پہنے مٹیالے ہاتھ کا چھجا بنائے دیکھ رہی تھی کہ اس بار تو مند ملہار سے پہلے مینہ برسے اور سارے تھر کو جل تھل کر دے۔

''مائی! کیا دیکھ رہی ہو ابر باراں، نہیں آئے گا۔'' مائی نے افسوس سے ہاتھ جھٹک دیا۔ گھاگھرے کا کونا پکڑ کے، چنری کو ذرا کھینچ کے وہ مڑ کے آشفتگی سے مسکرائی۔

''اللہ سائیں ہی تھروسے!'' اس کے پاس سے گزرتے ہوئے مائی بولی۔

''مند ملہار گائے عرصہ ہوا ہے۔ چوماسو میں تھر کے وارے نیارے ہوجاتے ہیں مگر اب...... آکاش پر بادلوں کا دھبہ تک نظر نہیں آتا۔ ترایاں سوکھ چکی اور اب سہاگنوں کے لوڑ بھی سونا سونا رہنے لگے ہیں۔''

''مائی سکھاں کہیں نظر نہیں آرہی؟ کیا اپنا پندھ بھی بھول گئی؟'' مائی نے نتھنوں مین گول نتھ ذرا سا ہلایا۔

''راول! سکھاں کہاں پندھ بدلتی ہے۔ وہ تو بھٹائی کی وائی ہے۔ یہاں بھی اور وہاں بھی۔ کمر پر مٹکا رکھے سر پر دھرے وہ اپنی سرتیوں سے خوش گپیوں میں مشغول ہوگی۔'' راول ہنس دیا۔

''ہاں وہ اکثر ہنس دیا کرتا ہے۔ سکھاں کا نام آتے ہی آپوں آپ اس کے لب کھلنے لگتے ہیں۔ وہ مسکراتا نہیں، بس یہ نام ہی امرت ہے۔

سکھاں بھی ایسی ہی تھی کہ غصے سے بل کھا کے، نتھنے پھلا کے، دلکشی سے مسکرا دے۔ تھری چولی گھاگھرے پہنے، گندمی ہاتھوں میں تھرے چوڑے چڑھائے، ناک کی پھنگ کے عین نیچے نتھنوں کے درمیان گول نتھ پہنے جب وہ بھٹوں میں بھاگی جاتی تھی تو سب تلہور اس کے ساتھ اڑان بھرتے تھے۔ خوشی من میں سمائے یہ تھر کی واسی ہے، صابر، شاکر۔ مٹکا ایک کمر پر رکھے ترایاں سے یا پھر کسی کنوئیں سے پانی بھرنے آتی تو ہمیشہ سے وہاں پکھوں سے آگے۔ ایک بدحال مندر میں، مندر کے سیڑھیوں پر بیٹھے اسے راول نظر آجاتا اور وہ ہنس دیا کرتی اور ساتھ چلتی سورٹھ کے کمر پر ٹہوکا مار کے کہتی۔

''چڑیا...... دھنارنا ہوتو!'' اور اس کی سرتیاں رک کے ہنسی سے لوٹ پھوٹ ہو جایا کرتی تھیں۔ راول اسے دیکھ کے ہنستا نہیں تھا مسکراتا بھی نہیں

بلکہ یک ٹک اس کے ٹمیالے تھری حسن کو تکے جاتا۔ یہ الگ بات ہے کہ راول سکھاں کی ماں سکینہ مائی کے سامنے اسے تکتا نہیں تھا۔ اس کی ماں ہی ایسی تھی خرانٹ قسم کی۔ یہاں کسی نے ان پر پھبتی کسی تو وہاں مائی گج کو پھینک کے تھوہڑ بن جایا کرتی۔

اب مائی کے ساتھ کھڑے ہو کر جب وہ مسکرا رہا تھا تو سامنے ہی مٹکا سر پر دھرے، گھونگھٹ نیچے کیے، آہستہ آہستہ چلی آ رہی تھی۔ اس کے کمر کا مٹکا نہیں تھا۔

''ہائے اللہ سائیں! سکھاں کیا ہوا؟'' سکھاں رک گئی۔

''مائی! چنگو نہیں ہوا!'' یہ کہتے ہوئے تھر کا قحط اور موت کا ذائقہ سا سمٹ آیا تھا اس کے لہجے میں۔

''چنگو مائی! اللہ واہی۔'' راول نے اجرک لپیٹ کے کہا اور صحرا کی ریت میں سکھاں کے قدموں کے نشانوں پر چلتا گیا۔ اور یہ پندھ بھی کتنا خوب صورت تھا۔ سکھاں کے قدم نشان نا تھے کہ جیسے آسمان میں قسمت کے ستارے تھے جس پر قدم دھر کے وہ اپنی محبت کو عروج تک لے جانا چاہتا ہے۔

ملکے ملکے سروں میں وہ گا رہا ہے اور یوں جیسے مائی بھاگی کی ماکھی مٹھری آواز اس کے سروں میں عود آئی ہو۔

راول نے سماں پر بھٹائی وائی کا خمار ملفوف کر دیا۔ بھٹوں میں اڑتے تلہور گنج کے آبگینوں میں محور قصاں ہوئے اور کچے میں چارپائی پر لیٹی، منہ پر اجرک لپیٹے سکھاں نے ایک اور سسکاری بھری آہ۔ اش آہ اش!!!

مائی بھاگی کا مرید، گاتا ہوا کے سنگ اٹھکیلیاں کرتا یکدم ٹھٹک گیا اور سارے میں جم جانے کی بازگشت پھیلی۔

ببول کے درخت نے صحرا کے ایک ذرا سی جگہ کو اپنے بے بس سائے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ یہاں مور رقص کرتے تھے مگر اب صرف ان کے پنکھ گرتے ہوئے، خزاں رسیدہ پتے جو جناح پارک میں کسی کے قدموں تلے روندھ جانے کے لیے درخت سے باغی ہوئے ہوں، کی طرح تھے اور ببول کے ساتھ بھٹوں میں ریت کے ذرے اڑے جا رہے تھے۔ یہاں بھی وہاں بھی۔

اور ایسے میں ببول کے سائے کے عین وسط میں سکھاں کے کمر کا مٹکا ٹوٹ کے بکھرا ہوا تھا۔ بے بس سا اور قدرے حنوط زدہ بھی ایسے مٹکے عموماً محبوب کو بہروپیا دیکھ کے، دوپٹہ منہ میں داب کے ''ہائے اللہ'' کہہ کر مٹکا گرانے والی دوشیزہ کی کتھا ہے مگر ایسے تو نہیں ہوتا اور ہوگا بھی نہیں کیوں کہ سندھو ماتا کی کرپا تو ہر کسی پر نہیں ہوتی اور نا ہی ہر کوئی ''سہتی'' مرجانی ہو سکتی ہے جو سندھو ماتا کی کرپا کے لیے پانی دیوتا سے بھی بغاوت کرے مگر پھر بھی اسے سائیں عنایت نا ملا اور بتاؤ ملتا بھی کیسے؟

سہتی مرجانی یہاں مندر کے پیچھے ہی ایک بدحال پکھے میں رہتی تھی۔ سانولی سلونی صحرا جیسی تھی۔ مندر کے احاطے میں سرخ پھول چنتی تھی۔ جب ماں کے سامنے کھڑی ہو کے، چولی ریگستانی گھاگھرے سے سارے پھول پکھے میں پھینک دیتی تھی تو ماں اس کی چٹیا پکڑ کے ایسے دور سے کھینچتی کہ مرجانی سہتی کو اپنے حلق میں پسی ہوئی مرچوں کا ذائقہ سا محسوس ہونے لگتا تھا۔

''اری کلموہی! چری۔ نبھاگی۔ مندر سے ایسے پھول توڑتی ہے تو کو شرم نا ہی آوت اڑے بابا! ایسی نبھاگی پر کاسے سندھو ماتا کی کرپا ہو۔'' وہ چیختی چلاتی مگر ماں زبردستی سارے پھول زبردستی مندر میں پھینکوا کے چھوڑتی۔ اگلے روز وہ سحر کی سپیدگی اترنے سے پہلے ہی مندر کا احاطہ پھلانگ کے آتی اور سارے پھول چن کے اپنی جھولی میں بھر لیتی



احاطے میں پھسکڑا مار کے ایسے زور زور سے ہنستی تھی۔

مندر کی سیڑھیوں پر سارے پھول پھینک کے بھٹوں کی اور نکل جاتی۔ ماں اپنی دبتی آواز کے ساتھ چلاتی ''اری او ادھ چری! مٹکا بھر لاؤ۔'' سہتی پیچھے مڑ کر دیکھتی۔ ہنستی اور گھونگھٹ کھینچ کے یہ جا وہ جا ہوتی۔

مندر کے علاوہ اس کی پسندیدہ جگہ بھٹوں کے درمیان بوڑھا ببول کا درخت تھا۔ مندر میں ذرا سا وقت گزار کے بہت کے لیے یہ یہاں آوارد ہوا کرتی تھی۔ خربوزے تربوز، ٹنڈے، گوار کی پھلیاں، باجرہ، چاول نہ رہے تو ایسے میں شہر سے چند لوگ آئے تھے۔ بعد میں پتا چلا کے این۔ جی۔ او والے ہیں اور یہاں مصنوعی ترایاں لگانے کے کارن آئے ہیں۔ سارا تھر سوکھے میں بھی ملہار گنگنا رہے تھے۔ سوکھے، لاغر کمزور بچے تھر کی ریت پر ایسے بھاگتے تھے کہ جیسے اوباما کا محل ہو اور ایران کے اعلیٰ زیبائش اور آرائش والے قالین پر بھاگتے ہوں۔ ببول کے درخت کے نیچے وہ بھی کھڑی تھی۔ دراصل مندر سے پھول آج ببول تک لائی تھی۔ سنا تھا کے پھولوں والیوں پر ہمیشہ سندھو ماتا کی کرپا ہوئی ہے۔ اسی بات پر اعتقاد کر کے وہ ببول کے نیچے کھڑی تھی مگر پھر اچانک سے ایسے افتاد پڑی کہ سارے تھر کے لوگوں پر ایک بار پھر سے سوکھا پڑ گیا۔ سوکھے پر سوکھا، قحط در قحط۔

سارے سرخ پھول اس سے گر گئے۔ اس کے پھول ہمیشہ سے ہی گرتے تھے۔ عنایت نامی ایک شہری سائیں ایک بڑا سا ہیٹ پہنے۔ سیاہ پینٹ پر نیلا شرٹ پہنے ہوئے وہ سائیں سہتی کے من کا سائیں بن گیا۔ سہتی بھی بڑی مستقل مزاج تھی۔ صبح سویرے آتی۔ ببول کے درخت کے نیچے پھسکڑا مارے وہ بس سامنے کیمپس کو دیکھتی رہتی تھی۔

جہاں تھر کے موسم کے برخلاف بہار تھی۔ سوکھا نہیں ایسے لوگ کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ آدھی روٹی اور اس کے پورے درد۔

سہتی کو عنایت سے پیار ہو گیا۔ اشاروں، کنایوں، چہ میگوئیوں میں یہ خبر نوراں کے ویڑھے سے نکلی اور مور کے پنکھ میں سمٹ کے سارے تھر میں پھیل گئی۔

ماں تک خبر آئی تو لگا لیا چارپائی سے۔ تین تھپڑ منہ پر مار، چٹیاں کھینچ اور چیخ کے خبردار کیا۔

''خبردار! جو گئی تو۔'' اگلے ہفتے تک وہ ٹھہرے رہے مگر پیر کے روز مزے کر کے وہ چلے گئے۔ مصنوعی ترایاں خاک بنتی تھیں بنی بھی نہیں۔ محبوب کے وچھوڑے (جدائی) میں اب وہ نیم پاگل ہو گئی۔ مندر میں پھول توڑ کے، جھولی میں بھر کے، گھٹنوں تک خالی آنکھیں لیے آسمان کی اور دیکھتی رہتی تھی۔ ماں سارا دن روتی مگر اسے عنایت سائیں ملتا کیسے؟ سارا تھر اس کے پیار سے باخبر تھا اور اس کا پریت کتھا لوگ کتھا بن گئی۔

☆......☆

جس دن تھر کے بہت سے موروں نے پنکھ پھینک دیے۔ مور کا رقص معدوم ہوا اور موت کے رقص نے دھوم مچائی تو شروع ہی سہتی سے کی۔ اس دن سورج موت اگلتا تھا۔ سارے میں دھول ہی دھول تھی۔ مندر کا احاطہ تب بھی خاموش تھا اور آسمان میں ایک دیوانہ گدھ مندر کے اوپر چکرا رہا تھا۔ جب بہت سے پھول جو کہ مرجھائے ہوئے تھے۔ اکھٹا کر کے وہ سیڑھیوں پر لیٹی تو چند لمحے بعد گدھ کی چیخیں بلند ہوئیں اور سہتی کی ماں نے واویلا مچا کے سارے تھر کو اکھٹا کر لیا۔

سوکھا تو بہت تھا۔ آسمان پر یکدم بادل اکھٹے ہوئے، دامن تر ہونے لگا۔ سہتی کے لحد میں اترتے ہی سوکھا آسمان ایک بار پھر اچانک سے کسی بیوہ کی

طرح رونے لگا۔

ببول وچھوڑے (جدائی) کا پیامبر سمجھا جانے لگا۔ اور اسی درخت کے نیچے سکھاں کا مٹکا گر کے ٹوٹ چکا تھا۔ اس کے عین سامنے خیمے ایستادہ تھے اور جنریٹر کی آواز تھر کے صحرا میں کسی بیوہ کی طرح بین کر رہی تھی۔

مٹکا، سکھاں اور خیمے سے نکلتا وہ گورا چٹا شہری سائیں۔

''مائی! چنگو نہیں ہوا!'' آسمان پر گرمی کی ایک کثیف تہہ جمی تھی۔ صحرا کے واسی بہت صابر، شاکر بھی، مشکور اور ممنون بھی۔ ملہار میں مشکور اور سوکھے میں منتظر ملہار کی سائیں بڑی ساحر ہوتی ہیں۔ جب سوکھا آسمان، بادلوں سے ڈھک کے اپنا دامن تر کر کے تھر کے واسیوں پر دامن چھید دیتا تو خربوزے، تربوزے، ٹنڈے، گوار کی پھلیاں، باجرہ چاول سب اتنے وافر مقدار میں اگتے کہ قحط کی فکر لگ جاتی۔ قحط کی فکر کے لیے وہ اپنا ملہار تک تیاگ کر دیتے۔ تسلے ڈھک جاتے، جگ کے شیشے خیرہ کیے دیتے۔

خربوزے وغیرہ توڑ کے کھڈوں میں پھینک دیتے۔ جب تھر کے تاجدار سورج میں یہ بیج سوکھ جاتے تو اس تسلے میں رکھ ایام قحط میں کھاتے۔ توے پر سینک کر دودھ کے پنیر بناتے ہیں۔ ململ کے جھولے میں باندھ دیتے ہیں۔

ایسی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے لیے کئی برس تیاگ کرنا، خوشی کے سمے دامن میں غمی کی عبادت کرنا، برستے آسمان کی اور رخ کیے قحط کے دنوں ''تھروسے'' کی دعائیں مانگنا ان تھر واسیوں کا معمول ہے۔

سکھاں سکار کے دنوں میں بھی اور سوکھے میں بھی مٹھری سکھاں رہتی تھی۔ تھری چولی ریگستانی گھاگرے میں مٹکتی، سورٹھ کو ٹھوکا مارتی اور سجن کے بیٹے راول پر پھبتی کستی سکھاں اس دن بڑی خوش تھی۔ سکینہ مائی کا کہنا تھا کہ سکھاں کے ماما ننگر پارکر میں اپنے اکلوتے بیٹے جبل کے لیے اس کا ہاتھ مانگنا چاہتے ہیں۔ اس نے گھونگھٹ کھینچ کے۔ پیچھے مڑ کر ہنستے ہوئے سہتی سے کہا۔

''ہائے رام!'' سکینہ مائی نے نہ کوسا۔ بس ہنس دی۔

سورٹھ کے وہاں جانے سے پہلے اس نے کئی مرتبہ سوچا کہ آج بس ایک دفعہ وہاں بھٹوں میں تھے ببول کے لیے جانا ہے۔ سورٹھ مان نہ جائے تو بہتر ہے۔ سورٹھ اب کملا گئی تھی

پکھے میں داخل ہو کر وہ کھلکھلائی۔

''سورٹھ! چلو نا۔'' سورٹھ نے سوکھے آسمان سے آنکھیں اٹھا کے بس ایک نگاہ ڈالی۔

''چلو نا سورٹھ!''

''سکھاں! مجھے غم منانے دو۔''

''مجھے شریک نہیں کرو گی؟''

''سکھاں! غم تمہارے لیے نہیں ہے۔''

''تو محض تم تھر جائی ہو میں نہیں؟''

''سکھاں! میرا ایک بار پھر حمل ضائع ہوا۔ آسمان تو سوکھ چکا ہے۔ اب تو گدی نشینوں کی نیت ان کے دل میں رحم بھی سوکھ گئے ہیں سکھاں! ماٹھوں تو ماٹھو اب بکری بے چاریاں بھی موت سے لڑ رہی ہیں۔ میرا دوسرا بچہ بھی ضائع ہوا۔''

''خدا رحم کرے گا۔'' اور سورٹھ نے اجرک منہ پر لپیٹ لیا۔ وہ سمجھ گئی کہ یہاں سے چلی جاؤ۔ گھاگھرا اٹھائے وہ ببول جانے ہی لگی تھی کہ مائی کا حکم یاد آیا۔ پانی بھر لانے کا۔

مٹکا اٹھائے جا رہی تھی۔ جب اس نے ببول کے ساتھ گزرتے دیکھا تو تاجدار سورج عین سامنے ہوا۔ سائے کھسک گئے اور ریت ایک بار پھر ساہوکار ہوئی۔ اس کا مٹکا ایک دھڑاک سے زمین بوس ہوا تھا۔ سہتی نے غور سے سائیں عنایت کو



دیکھا۔ اس کے پھول گر گئے جو وہ مندر سے توڑ کے لائی اور یاں کے بہت مار پیٹ کے باوجود بھی وہ پھول لائی تھی۔ سکھاں وہاں سے کھسکنے لگی۔ جب سائیں اس کی نظروں سے اوجھل ہوا تو اس کی چال مدہم ہوئی۔

''مائی! چنگو نہیں ہوا!'' یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں تھر کا قحط اور موت کا ذائقہ سا سمٹ آیا۔ محبت کا قحط اس کی سکار زندگی پر آن وارد ہوا۔ سہتی کے قبر کے عین ساتھ میں ایک سرخ گلاب مرجھا گیا۔

☆......☆

پکھے میں لیٹی وہ آج بہت سسکاریاں بھر رہی تھی۔ نیلے وا ماندہ ہونٹ، دھنسی آنکھیں، مٹیالہ روپ، سوکھے کو لہے تھر کا حسن اجڑ گیا اور محبت کی دنیا میں وہ مزید حسین ہوگئی۔

''سکھاں! آج کل بڑی اداس رہ رہی ہو؟'' ماں نے پوچھا۔

''نہیں تو کس نے کہا؟''

''میں کوئی چری ہوں کیا۔''

''نہیں تو۔''

''تمہارا سکار پن کہاں گیا؟ دیکھو تمہارے ہاتھ میں تھریے چوڑے آدھے ہوگئے کیا ٹوٹ گئے؟''

''نہیں تو۔''

''تو آدھے کیسے ہوگئے؟''

''پتا نہیں۔''

''اچھا سورٹھ کے یہاں چلی چلو۔''

''ہوں۔''

ماں اٹھ گئی۔ جب وہ بھی اٹھ گئی تو اس نے خود کو ببول کے تنے سے ٹیک لگائے خود کو پایا۔

☆......☆

فضا صحرا کی دھول سے اٹی ہے، چاروں اور دھول زدہ ذرے ہیں۔ آسماں کی اور چونچ کیے مور رقص سے گریزاں تھے اور وہ سامنے خیموں میں دیکھ رہی تھی۔

اچانک سے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے شہری سائیں ببول کے سائے کی طرف آنے لگا۔ تھر جائی کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

''ہیلو! آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟'' سائیں کے لہجے میں شائستگی رچی بسی تھی۔ ایسے لوگوں کا لب و لہجہ بھی ان کی طرح ہوتا ہے۔ کبھی شائستہ، کبھی خستہ۔ جہاں کسی نے دعا دی، وہاں انہوں نے اکبر بادشاہ کی طرح سر کو خم دیے کہ مہربانی ادا کی۔ ان کے ہر انداز نرالے، محبت سے گندھے ہوتے ہیں۔

سکھاں کی گھگھی بندھ گئی، سہتی بن کے سکھاں نے سائیں عنایت کو پوجا، تھر کے صحرا پر آلتی پالتی مار کے بیٹھ گیا۔

''آپ کا نام؟''

سکھاں نے گھونگھٹ کھینچا۔ ''جی۔''

''میں آپ کا نام پوچھ رہا ہوں۔''

''سکھاں۔''

وہ مسکرایا۔ ''میرا نام حماد ہے۔ اکثر مجھے ہومی کہتے ہیں مگر مجھے صرف اپنا نام پسند ہے۔ ویسے سکھاں مجھے تمہارا نام بھی پسند آیا۔''

اس کی سانسیں بے ربط سی ہو رہی تھیں۔ اسے یقیناً اپنی بصارت پر شبہ ہو رہا تھا کیا سائیں عنایت لوٹ آیا؟ کیا اس پر سند ہوماتا کی کرپا ہے؟

رات پورے چاند کی تھی۔ گدھوں کی دیوانگی چاروں اور پھیلی تھی۔ چیخ پکار سب کچھ تھا۔ سکھاں نے کچھ نہ کہا گھاگھرا سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی اور بھاگ گئی۔ سائیں ہنسا، ہنستے ہوئے اس نے دوبارہ ملنے کی آرزو کی۔

سکھاں پر ملہار ٹھہرا، محبت کی دیوی کا سایہ اس پر بسرام ہوا۔ حماد سے پہلی ملاقات کے بعد تیسری

بھی ہوئی اور دسویں بھی۔ وہ تھر میں مصنوعی ترایاں لگانے انہیں آئے تھے۔ وہ اور اس کے ساتھی صحرا میں خاک چھاننے آئے تھے۔ آوارہ گردی۔ ایسی آوارہ گردی میں اس پر محبت کا جوگ نازل ہوا اور وہ تپسیا کرنے والا پریم مدارن بن گیا۔

وہ صبح بہت گھائل تھی۔

ترایاں تو ویسے بھی سوکھ چکی تھیں، مور کے پنکھ اب جا بجا ملتے، پنیر، خربوزوں کے بیچ، سکھاں مندر کے اندر بیٹھی تھی اور وہ اس کے سامنے دوزانو تھا۔

''سکھاں...... میں دو دن بعد شہر جاؤں گا۔''

سکھاں کی نظریں زیرِ سایہ ہوئیں، اٹھ جانا محال ہوا۔ اسے ہمیشہ سے سہتی کی قسمت پر رشک آتا تھا۔ بس ٹھہرا مستقل ہجر تھا مگر ہجر اظہار کے بعد آجائے تو محبت کی عبادت کہلاتا ہے۔

''مگر میں ایک عہد کرتا ہوں سکھاں......''

''عہد نبھا نہ سکو گے سائیں۔''

''میں تم سے عہد کرتا ہوں سکھاں! کہ اس ملہار میں ملہار گاتا ہوا تمہیں اس تھر میں نکاح کر کے لے جاؤں گا۔'' تھر کی آنکھوں سے آنسو چھلک گئے۔ صحرا سے دھول اٹھنے لگی۔

''مگر...... میں اس نکاح سے پہلے سکھاں کو منکوحہ بنا لوں گا، اے شہری سائیں۔'' مندر کے احاطے میں اجرک باندھے راول تلوار کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''اٹھو سکھاں۔''

سکھاں بیٹھی رہی۔ تب بھی اور پھر بھی...... حماد نے جاتے سمے اسے گہرا لال لاکٹ دیا، یہ اس کی محبت کی پہلی نشانی تھی۔ سکار نہ آیا، سوکھا رہا۔ ایک سال تو جمع کیے ہوئے اشیائے طعام پہ گزرا ہوا۔ بکریوں نے دودھ دینا بھی بند کیا اور مور کے پنکھ پہلے سے زیادہ جھڑنے لگے۔

☆......☆

سکھاں اب سہتی بنی، سپیدگی، سحر صحرا کے سینے پراشنان کرتے سمے وہ مندر کے احاطہ میں اس جگہ بیٹھتی تھی جس جگہ حماد سائیں نے اس سے عہد کیا تھا۔ عہد شاید توڑنے کے لیے کیے جاتے ہیں۔ ایک سال گزر گیا، سکار نہ آیا ملہار ویسا رہا۔ جہاں آیا تھا لوٹ کے نہ آیا۔

شام ہونے کو تھی، صحرا کا دوزخ سماں اب ٹھنڈا ہونے کو تھا۔ اکا دکا گھروں کے ویڑھوں میں تھر جائیاں ٹھوہ زمین میں دفنائے ہوئے تھے جو سوکھ چکے تھے۔ ان کا کڑوا کسیلا آٹا بن چکا تھا اور توے پہ روٹی سینکی جا رہی تھی۔ بوڑھا ببول آج بھی خاموش تھا اور ہجر کا استعارہ تھا۔ مندر کے احاطے میں خاموش فضا ٹھہری تھی اور سکھاں بازوؤں کے گرد اجرک لپیٹے ہوئے تھی۔

راول سیڑھیاں چڑھتا آیا۔

''سکھاں! مائی ڈھونڈ رہی ہے تمہیں اٹھو۔'' وہ دھیرے سے اٹھی اور اس کے پاس سے گزری مگر......!

راول نے یکدم اس کا ہاتھ پکڑا۔

''بہت منتظر ہوا اس شہری سائیں کی، دیکھو میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔''

وہ رک گئی۔ ''راول! تم محبت نہیں کرتے، تمہاری ضد ہے اور انا کی جنگ میں تم فاتح کہلانا چاہ رہے ہو۔'' راول ہنس دیا۔

پکھے میں بیٹھی سکھاں رو دی۔ اسے پتا نہیں تھا کہ جس محبت کے بت کی وہ پوجا کرتی رہی وہ سب کذاب تھا۔ دروغ، جھوٹ منافقت۔

☆......☆

ایک سال سکار نہ آیا تو دوسرے سال کیسے آتا۔ تھر کی فضا میں گدھوں کے پروں کی پڑپڑاہٹ گونجتی تھی۔ پورے چاند میں دیوانگی حد پر ہوتی اور سارے میں موت کی خوشبو پھیلی ہوتی۔ اس سال



ہجر کے دوسرے سال ماں نے اس کا سنگ (رشتہ) سجن کے بیٹے راول کو دے دیا۔ شاید وعدہ کرنے والے بھول جایا کرتے ہیں۔ شام کے سایوں میں موت کا سایہ سارے تھر پر بسرام تھا۔

سورٹھ اس بار پھر حمل سے تھی۔ سوکھا ڈھانچہ، سوکھا پیٹ، دھنسی آنکھیں، گہرے حلقے۔ صحرائے تھر کا حسن ماند پڑ گیا تھا۔ چریا سے بچے، جو سارے تھر میں ادھم مچائے رکھتے تھے، خاموش آسمان کی اور پانی دیوتا کو دیکھتے۔

غربت، افلاس انسان کو کم عمری میں جوگی بنا دیتا ہے اور ایک جوگی ایک بزرگ کا کام بھی تو بس یہی ہوتا ہے۔ اس فانی دنیا کے رمز و رموز جاننا۔

جوگی بچے خاموش تھے۔ سکھاں مندر کے احاطے میں نیم انتا غفیل تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر صبح تک وہ نہ آیا تو وہ اسے بھلا دے گی۔ سائیں عنایت بھی تو سہتی کے لیے نہ آیا تھا۔

کیا میں ہر دفعہ تمہیں اس مندر سے لے جایا کروں گا؟ میری مٹھڑی سکھاں۔'' سینے پر ہاتھ باندھے، اجرک لپیٹے، ببول سی آنکھوں والا اسے دیکھ رہا تھا۔

''راول! وہ آئے گا ضرور، محبت کے وعدے کرنے والے، اسے کرنے سے پہلے اس کے ایفا ہونے کی قسمیں کھاتا ہے۔ میرے ایقان کا بت مسمار کرنے سے پہلے بس ایک دن کی مہلت دے دو، اگر وہ آیا تو میں اس کی اگر......'' سکھاں خاموش ہو گئی۔

''مجھے منظور ہے میری مٹھڑی سکھاں...... خیر وہ نہیں آئے گا چلتا ہوں۔'' وہ چلا گیا۔

سکھاں رو دی تھی۔ پہلے برہا کے عذاب پر، پھر اپنی قسمت پر۔ یہاں تو سوکھا پڑتا ہے، شہری کیا جانے، ان کا دکھ؟ رات کی تاریکی پھیلی تھی چاروں اور اس میں سوکھے آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

خاموش صبح اتر رہی ہے، گدھوں کے پروں کی پڑپڑاہٹ ایک بار پھر گونج رہی ہیں۔ مندر پر خاموشی کی گردائی ہے۔ سہتی کی قبر پر تھوہر کے نشانات ہیں۔ ایسے میں اگر ناک کی سیدھ میں دیکھو تو صحرا کے ریت کے ذرے اڑتے جا رہے ہیں۔

نوکوٹ کی بدحالی میں چھپے گدی نشینوں کا اسراف منہ کھولے کسی اژدھے کے مانند پھن پھنکارتا ہے۔ مٹھی اور اسلام کوٹ سے اوپر ریت کے سنہرے ذروں تپتے شمس کے بالکل عین اوپر مور آہستہ آہستہ پرواز کرتا ہے۔

اس نے جاتے سمے عہد کیا تھا۔ عہد نبھانے کے لیے کئے جاتے ہیں توڑنے کے لیے نہیں۔ پھر جب اس پر ہجر کا عذاب عبادت بن کے اترا تو اس نے عہد نبھانے کے لیے کہا تھا مور کا پنکھ ہاتھ میں پکڑے اونٹ پر بیٹھے ملہار گنگناتا، اس نے چیخ کے کہا۔

''سکھاں......!''

گھاگھرا سنبھالتے وہ مندر سے بھاگتی گئی۔

''میں نے عہد پورا کیا۔'' حماد اونٹ سے اترا۔ سکھاں کے ہاتھ پکڑے وہ مسکرایا۔

''میں نے تمہارا بہت انتظار کیا سائیں۔''

''انتظار محبت کی روح ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ رواں دواں۔''

''تم نہ آئے تو سکار بھی نہ آیا اب اوپر دیکھو آکاش پر یہ برکھا کے دھبے ہیں۔''

جب پکھے میں حماد اور سکھاں کا نکاح ہوا تو سوکھا آسمان کا دامن چھید گیا۔ تھر پر پانی دیوتا کی کرپا ہوئی، بچے ننگ دھڑنگ باہر کو بھاگے اور حماد نے سرگوشی کی۔

''محبت اڑتے، پنچھیوں کا وہ گیت ہے جو ہوا دھن اور من کا ساز ہے۔ فاخر بھی مغرور اور عاجز بھی۔''

...

ریحانہ آفتاب

# عشق کی داستاں جدا ہے میری

گزشتہ اقساط کا خلاصہ:
آئنور غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ چار بہنوں میں اس کا نمبر دوسرا تھا۔ وہ سب میں حسین تھی۔ خود سے پہلے اپنے والدین اور بہنوں کی خوشی کا سوچتی تھی۔ کم عمری میں ہی اس نے گھر کی تنگدستی دور کرنے کے لیے محنت کرنا شروع کر دی تھی۔ اپنے لیے خریدی چیزیں بہنوں کے پسند آ جانے پر انہیں دے دیتی تھی۔ وہ اپنی روتی بلکتی زندگی سے عاجز تھی اس نے ٹھان لیا تھا کہ وہ کسی امیر کبیر بندے سے شادی کر کے اپنے گھر والوں کی زندگی سنوارے گی۔ دونوں چھوٹی بہنیں اس پر جان چھڑکتی تھیں۔ اس سے بڑی درخشاں کی آئنور سے ٹھنی رہتی تھی۔ وہ طنز کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔ قدوس صاحب جو آئنور کے والد ہیں اولاد نرینہ نہ ہونے پر اپنی بیوی ہاجرہ کو ساری زندگی باتیں سناتے رہے۔ انہیں آئنور کا کالج جانا پسند نہیں تھا۔ ہاجرہ، آئنور کے پارلر (جو اس نے گھر میں ہی کھولا ہوا تھا اور محلے کی عورتیں بڑے پارلر میں پیسے بچانے کی خاطر اس کے پاس آتی تھیں کہ وہ کم پیسوں میں بہترین کام کرتی تھی) اور کوچنگ سے ملنے والی آمدنی کے گن گاتیں تو قدوس صاحب کی انا بلبلا جاتی تھی۔ آئنور بھی ان کی جلی کٹی کی زد میں رہتی تھی۔ عرشان ولی جدی پشتی رئیس ہے۔ Perfection اس کی پہچان ہے۔ ذرا بھی نقص اسے برداشت نہیں خواہ وہ چیز اسے کتنی ہی عزیز کیوں نہ ہو۔

## قسط نمبر 8

وہ اپنے کمرے سے ملحق کمرے کی زینت بنا دیتا تھا مگر خود سے جدا کرنا گوارا نہیں تھا۔عرشان ولی وجاہت کا اعلیٰ نمونہ تھا۔وہ بے حد ہمدرد دل رکھتا تھا۔ماہ پارہ بے حد نک چڑھی اور ماڈرن خاتون ہیں۔عرشان ولی کی والدہ محترمہ، فرہاد صاحب، ماہ پارہ کے مزاج کے بالکل برخلاف بہت اچھے انسان ہیں۔ماہ پارہ اور فرہاد صاحب کی تین اولادیں ہیں۔اسمارا بڑی بیٹی ہے جو اپنے شوہر راحیل اور تین بچوں کے ساتھ شارجہ میں رہتی ہے۔راحیل لالچی انسان ہے۔اسمارا، ماہ پارہ کی طرح تنک مزاج ہے۔اسمارا سے چھوٹا شاہ میر ہے۔حمنیٰ، شاہ میر کی بیوی ہے جسے کم صورتی کے باعث اکثر ماہ پارہ جلی کٹی سناتی تھیں۔حمنیٰ کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے وہ ابھی تک بے اولادی کا شکار تھی۔حمنیٰ سلجھے مزاج کی لڑکی ہے۔ماہ پارہ کی بیسٹ فرینڈ واصفہ کی دو اولادیں ہیں۔کاشان اور زویا۔کاشان بھنورا صفت انسان ہے۔فلرٹ اس کا من پسند مشغلہ ہے۔زویا نک چڑھی لڑکی ہے۔وہ عرشان ولی کو پسند کرتی ہے۔اس کی نظر کرم حاصل کرنے کے جتن کرتی رہتی ہے۔تینوں بچپن سے دوست ہیں۔آئنور نے زویا سے بڑے جتن کر کے دوستی کی تھی۔کاشان کی صورت میں محروم زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔زویا نے کاشان کو چیلنج کیا تھا کہ وہ آئنور سے فلرٹ کر کے دکھائے تو وہ استاد مان لے گی۔کاشان نے چیلنج قبول کرلیا تھا جلد ہی اس نے آئنور سے دوستی کرلی۔اسے سوٹ اور سیل فون گفٹ کیا۔جدید اسمارٹ فون استعمال کرنا آئنور کو مشکل لگ رہا تھا۔عرشان ولی، کاشان کو اس کی حرکتوں پر بے نقط کی سناتا رہتا تھا۔اسے ان لڑکیوں پر غصہ آتا تھا جو کاشان کا شکار بنتی تھیں۔وہ اپنی محبت اور جذبے اس کے لیے سنبھالے بیٹھا تھا جو صرف اس کی ہوتی۔ولید عرشان ولی کا بیسٹ فرینڈ ہے۔(اب آپ آگے پڑھیں)

☆☆☆

قدوس صاحب غصے سے ٹہل رہے تھے۔ہاجرہ کے چہرے پر پریشانی تھی۔

''گیارہ بجنے والے ہیں۔کب آئے گی تیری بیٹی؟'' قدوس کا لہجہ تیز تھا۔کمرے میں موجود روبی اور سونی پریشانی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔

''آنے ہی والی ہوگی۔گاڑی لینے آئی تھی۔چھوڑ بھی دے گی۔آپ ٹینشن نا لیں شادی میں دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔بارہ ایک سے پہلے کون سی تقریب ختم ہوتی ہے۔'' ہاجرہ منمنائی۔

''تو یعنی وہ ایک بجے آئے گی۔آفس کے نام پر یہ اچھا ڈرامہ چل رہا ہے تیری بیٹی کا۔'' قدوس صاحب کو تو موقع چاہیے ہوتا تھا جو انہیں قسمت سے مل گیا تھا۔

''خود موبائل لے کر گھومتی ہے۔یہ نہیں کہ ایک گھر میں بھی لا کر رکھ دے۔تاکہ اس کو کال تو کی جا سکے۔'' اب ان کا نشانہ موبائل بن گیا تھا۔ہاجرہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے سر ہی تھام لیتی تھیں۔

☆......☆

''اتنی دیر لگا دی تم نے آنے میں؟'' ولید کو فرصت ہوئی تو وہ عرشان ولی سے ملتے ہوئے گلہ کر بیٹھا۔

''میں تو کب کا آیا ہوا ہوں۔تمہیں ہی اب فرصت ملی ہے۔''

''آؤ، تم لوگوں کو وریشہ سے ملواؤں!'' ولید کے اصرار پر آئنور پریشانی سے سیل فون پر ٹائم دیکھنے لگی۔

''بہت دیر ہو رہی ہے مجھے گھر جانا ہے۔'' وہ پریشانی سے بولی۔

''آؤ پہلے بھابی سے مل لیں پھر میں ڈراپ کر دوں گا۔'' عرشان ولی اسے دیکھتے آگے چلنے کا اشارہ کرنے لگا۔

''ڈرائیور پہلو میں ہے اور آپ ٹینشن لے رہی ہیں۔'' ولید بے ساختہ ہنسا ہے۔عرشان ولی نے اس کے



شولڈر پر مکا مارا۔دونوں گاڑی کی طرف واک کرنے لگے۔

☆......☆

''جانے ابا نے گھر میں کتنا ہنگامہ مچا رکھا ہوگا۔بے چاری اماں صلواتیں سن رہی ہوں گی۔بہت دیر ہو گئی۔'' کار چل رہی تھی۔عرشان ولی، آئنور کے فکرمند چہرے کو بار بار دیکھ رہا تھا۔

''اتنی فکرمند کیوں ہو رہی ہو ابھی گیارہ بھی نہیں بجے۔'' وہ اس کی پریشانی بھانپ گیا تھا۔

''اکیلی اتنی رات تک کبھی باہر نہیں رہیں کبھی۔'' وہ فکرمند تھی۔فردوس صاحب کے غیض وغضب کا احساس اسے ہراساں کر گیا تھا۔

''تم اکیلی کب ہو؟'' وہ مسکراتے ہوئے ڈھارس دے رہا تھا۔

''میرا مطلب گھر والوں سے ہے۔میری فیملی۔'' وہ اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا چکی تھی لیکن وہ چاہنے کے باوجود بھی اپنے گھر کا ماحول اسے نا بتا سکی تھی لیکن وہ اتنا نا سمجھ بھی نہیں تھا کہ اس کے ہراساں چہرے کو دیکھ کر کچھ سمجھ نا پاتا۔

''یہ مراحل بھی جلد طے ہو جائیں گے پھر تمہیں میرے ساتھ ہوتے ہوئے کسی کا خوف نہیں ہوگا۔'' وہ ایک نظر اس پر ڈال کر نظر پھیرنا بھول گیا۔وہ ابھی الجھی سی بیٹھی اسے بھی الجھا رہی تھی۔وہ خاموشی سے اپنی ہتھیلی کی لکیروں کو دیکھنے لگی تھی۔گاڑی میں خوب صورت سا الاپ پھیلا تھا۔

''آئنور!'' اس نے دھیرے سے پکارا تھا۔

''جی!'' اس نے صدا پر بے ساختہ اس کی طرف دیکھا تھا۔اس کی پکار غیر معمولی تھی۔

''اپنی فیملی کو کب بھیجوں تمہارے گھر؟'' وہ اجازت طلب کر رہا تھا۔آئنور اسے بغور دیکھ رہی تھی۔عرشان ولی کی نظریں بھی اس کی نظروں سے الجھی ہوئی تھیں۔

''آپ واقعی serious ہیں؟'' وہ محتاط نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''what rubbish! تو تمہارا کیا خیال ہے flirt کر رہا ہوں۔'' وہ خفگی بھرے انداز سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ جس کلاس سے ہیں وہاں پر کچھ معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا۔'' جانے انجانے میں اسے اپنی تذلیل یاد آ گئی تھی۔وہی ڈر اسے عرشان ولی پر مکمل بھروسہ کرنے سے روک رہا تھا۔

''میں نے بڑی صاف ستھری زندگی گزاری ہے۔کوئی ایک برا حوالہ ڈھونڈے نا ملے گا۔میں نے اپنے تمام جذبے، محبت صرف ایک ہستی کے لیے بچا رکھے تھے اور جب تمہیں دیکھا تو اللہ نے دل کو مختلف انداز سے دھڑکا کے احساس دلا دیا کہ میں جس کا منتظر تھا۔وہ ہستی تم ہو۔اب جب تم مل گئیں تو میں کیونکر دیر کروں۔'' عرشان ولی ایک جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا۔آئنور ایک دم سے چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''اتنی حیرانی کیوں؟'' وہ متعجب ہوا۔اس کے انداز پر۔

''مجھے لگا میں یہ باتیں پہلے بھی کہیں سن چکی ہوں یاد نہیں آ رہا کہاں۔'' وہ ذہن پر زور دے رہی تھی مگر باوجود کوشش کے اسے کچھ یاد نا آ سکا۔

''پلیز رفتار بڑھائیں۔'' وہ وقت کی بڑھتی رفتار پر اتنی ہراساں تھی کہ سفر کو بھی ٹھیک سے انجوائے نہیں کر پا رہی تھی۔

''میں چاہتا ہوں یہ سفر کبھی ختم نا ہو۔ تم یونہی میرے سامنے بیٹھی رہو۔''

''ابا سے جوتے پڑوائیں گے؟'' وہ فکرمندی سے اسے دیکھنے لگی۔

''یہ بات ہے تو چلو اب تمہیں جلدی گھر چھوڑ دوں۔'' عرشمان ولی نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی تھی۔

''مجھے زندہ سلامت گھر پہنچنا ہے۔ رفتار نارمل کریں پلیز۔'' وہ تیز رفتاری سے دہل گئی تھی۔

☆......☆

''آپ کی کافی!'' شاہ میر LED پر اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھ رہا تھا۔ حمنہ کافی لے کر انٹر ہوئی تھی۔

''Thanks تم نے کیوں زحمت کی ملازم ہیں نا۔'' ایک نظر اس پر ڈال کر مگ سائیڈ پر رکھتا وہ دوبارہ اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔

''اور میں نے کتنی بار بتا دیا ہے کہ مجھے ایسے چھوٹے چھوٹے کام کر کے خوشی ملتی ہے۔'' حمنہ اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔

''جیسی تمہاری مرضی!' وہ ذرا سا مسکرایا تھا۔

''شاہ میر مجھے تم سے ضروری بات کرنی تھی۔'' وہ بات کرنے کے لیے کب سے موقع کی تلاش میں تھی۔ ابھی موقع ملا تو لفظوں کو ترتیب دینے لگی۔

''ہاں کرو!'' نظریں بدستور اسکرین پر تھیں۔

''پانچ سال ہو گئے ہماری شادی کو لیکن ہم ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔ لوگوں کی باتوں سے تنگ آ کر میں نے اپنا چیک اپ کروا لیا ہے اب اگر تم......'' وہ دھیمی آواز میں اسے سمجھا رہی تھی مگر اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی شاہ میر تیز آواز میں اس کی بات کاٹ گیا۔

''کیوں فضول باتیں سوچتی ہو۔'' انداز میں حد درجہ ناگواری تھا۔

''اولاد کی خواہش فضول کیسے ہو گئی؟'' حمنی کو دکھ ہوا۔

''میں چیک اپ کی بات کر رہا ہوں۔ جب اللہ نے دینا ہے دے دے گا۔ صبح و شام ایک ہی لکیر نا پیٹتی رہا کرو۔'' شاہ میر نے ناگواری سے کہا۔

''کیسے نا پیٹوں، تم تو صبح کے گئے رات کو لوٹتے ہو گھر میں لوگ ہی کتنے ہیں آنٹی سیدھے منہ بات نہیں کرتیں۔ میں اکیلی بور ہو جاتی ہوں۔ بچہ ہو گا تو سارا دن اس کے ساتھ مصروف رہوں گی۔'' حمنہ کو اس کی لاتعلقی کھل رہی تھی۔

''تم کوئی مصروفیت تلاش کرو۔ گھر بیٹھی ہو فیلڈ میں آؤ گی تو فضول باتیں ذہن میں نہیں آئیں گی۔'' شاہ میر جانتا تھا اولاد کی کمی نے اسے زود رنج بنا دیا تھا۔ ہر گھڑی وہ اسی ایک کمی کا رونا روتی رہتی تھی۔ جس کی وجہ سے اب اسے اس ٹاپک سے چڑ سی ہونے لگی تھی اور اب چیک اپ کی بات کر کے حمنہ نے جیسے اس کی مردانگی پر شک کر کے اسے چراغ پا کر دیا تھا۔

''تم چیک اپ......''

''میں نہیں کرواؤں گا چیک اپ...... تمہیں نا ہو مگر مجھے اللہ پر بھروسہ ہے۔'' اس کی بات کاٹ کر شاہ میر نے اٹل لہجے میں کہہ کر جیسے بات ہی ختم کر دی تھی۔ حمنہ خاموشی سے شاہ میر کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆



''بس ادھر ہی اتار دیں مجھے۔ کار آگے جا نہیں پائے گی۔ راستہ خراب ہے۔'' حسب معمول لوڈ شیڈنگ کے باعث پورا علاقہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ آئنور نے شکر ہی ادا کیا کہ کوئی اسے دیکھ نہیں سکے گا مگر ہیڈ لائٹس کی روشنی میں اس نے جگہ جگہ ٹولیوں میں بیٹھے مردوں، لڑکوں کو دیکھا تو گلی سے پہلے ہی گاڑی رکوا لی۔ گلی بھی اتنی تنگ تھی کہ کار کا گزر ممکن نہیں تھا۔

''کار اندر نہیں جا سکتی تو کیا ہوا۔ میں گھر تک چھوڑ آتا ہوں۔'' کار کا انجن بند کر کے عرشمان اترنے لگا۔

''نہیں لوگ دیکھ لیں گے۔ کیوں پٹوانے کے در پر ہو رہے ہیں۔ ابا نے دیکھ لیا تو میری خیر نہیں۔'' وہ گھبرا سی گئی۔ تمہاری پٹائی بھی ہوتی ہے؟'' عرشمان ولی کو جیسے صدمہ ہونے لگا۔ وہ تشویش بھری نظروں سے آئنور کو دیکھنے لگا۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے۔ یوں ہی زبان سے نکل گیا جملہ۔'' وہ اس کی تشویش پر ہنس پڑی تھی۔ دوپٹہ سلیقے سے سر پر لے کر اترنے لگی تھی لیکن اسے رکنا پڑا تھا۔ عرشمان ولی نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ بے ساختہ مڑ کر اس کے ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگی تھی۔

''جا رہی ہو؟'' وہ جیسے اس کے جانے پر افسردہ تھا۔

''جی کل پھر ملنے کے لیے آج جانا تو پڑے گا۔'' اس نے جیسے سمجھایا۔

''تم چوڑیاں، بریسلیٹ نہیں پہنتی؟'' وہ سر ہلا کر اس کی سونی کلائی کو دیکھتے بے ارادہ پوچھ بیٹھا۔

''زیادہ شوق نہیں ہے۔ الجھن ہوتی ہے ان چیزوں سے۔'' ہاتھ چھڑانے کی کوشش میں اس کا لہجہ بار حیا سے دھیما ہو گیا تھا۔

''مجھے بریسلیٹ بہت پسند ہیں اب سے عادت ڈال لو الجھن نہیں ہو گی۔'' وہ کہہ رہا تھا اور آئنور بے دھیانی میں سر ہلا کر ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی۔ ایریا کافی سنسان تھا۔ جس کی وجہ سے کوئی انہیں دیکھ نہیں رہا تھا۔ اندھیرے کے باعث گاڑی بھی چھپ سی گئی تھی۔

''جی میں خیال رکھوں گی۔'' اس نے مطمئن کرنا چاہا۔

''ارے رکو۔ تمہاری ایک امانت ہے میرے پاس۔'' اسے جیسے اچانک کچھ یاد آیا۔ وہ ڈیش بورڈ کے خانے میں تلاش کرنے لگا۔

''میری امانت......؟'' وہ حیران تھی۔ عرشمان ولی ایک کیس نکال چکا تھا۔ کیس کے اندر نازک سا لشکارے مارتا بریسلیٹ برآمد ہوا۔ جس کے ساتھ نازک سی رنگ بھی جڑی ہوئی تھی۔

''یہ!'' آئنور حیرانی سے بریسلیٹ کو دیکھ رہی تھی۔ نگوں کی ضوفشانی نے ظاہر کر دیا تھا کہ یہ چمک ڈائمنڈ کی ہے۔ اس کی آنکھیں تحیر سے پھٹی جا رہی تھیں۔ عرشمان ولی اس کی طرف گھوم کر اس کی نازک کلائی میں بریسلیٹ پہنا رہا تھا۔

''کچھ عرصہ پہلے ایک فرینڈ کے ساتھ جیولری شاپ اسے گفٹ دلوانے گیا تھا۔ پسند آ گیا تو تمہارے لیے لے لیا۔ اتفاق سے کار میں ہی پڑا رہ گیا اور دیکھو کیا موقع پر یاد آئی اس کی۔''

''آپ تو مجھ سے پہلے ملے نہیں تھے۔'' جھک کر کلائی کھینچتے وہ تحیر سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''بھلے تم نہیں ملی تھیں مگر میں نے اپنی مسز کے لیے لیا تھا اور وہ تم ہی بنو گی۔ انشاء اللہ!'' وہ اس کے ہاتھ کھینچنے پر رک سا گیا تھا۔

"برا نہ لگے تو پہنا دوں؟" وہ اجازت طلب کر رہا تھا۔

"یہ بہت قیمتی ہے عرشان!" وہ اتنا مہنگا تحفہ لیتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

"تم سے زیادہ نہیں۔" اس کے دوٹوک جواب نے اسے چپ کروا دیا تھا۔ اس نے بریسلیٹ اس کی کلائی میں پہنا دیا۔

"بہت دیر ہوگئی۔" اپنا ہاتھ چھڑا کر وہ اتر آئی تھی۔

"تو میں چلوں؟" وہ محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"جی......لیکن رش ڈرائیو نہیں، نارمل رفتار ہو۔" وہ فکر مندی سے تنبیہہ کر رہی تھی۔ عرشان ولی کو اس کا انداز جہاں کیئرنگ لگا وہیں عجیب سی خوشی بھی محسوس ہونے لگی۔

"جو حکم آپ کا اور کچھ؟" وہ مسکراتے ہوئے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم جاؤ گلی سنسان ہے۔ میں تھوڑی دیر میں چلا جاؤں گا۔" وہ سر ہلا کر دوپٹے سے چہرہ کور کرتی گلی کی سمت بڑھ گئی تھی۔

"گیارہ بج گئے لیکن تمہاری چہیتی نہ آئی ابھی تک۔" قدوس صاحب پلنگ پر بیٹھے چنگھاڑ رہے تھے۔

ہاجرہ پریشانی سے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"تب سے اب تک میرا خون ہی خشک کر رہے ہیں۔ دعا مانگیں خیر کی......خدانخواستہ کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔ ورنہ روشنی اتنی غیر ذمہ دار نہیں کہ ٹائم کا دھیان نہ ہوا ہے۔" ہاجرہ خود متفکر تھیں۔ اس پر سے قدوس صاحب کی باتیں مزید دل جلا رہی تھیں۔ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ ہاجرہ نے لپک کے دروازہ کھولا تھا۔ آئینور داخل ہوگئی تھی۔

"اتنی دیر لگا دی۔" ہاجرہ نے اسے دیکھ کر جہاں شکر کا سانس لیا وہیں استفسار بھی کرنے لگیں۔

"تقریب تو ابھی چل ہی رہی تھی مگر میں لوٹ آئی۔ پھر راستہ بھی لمبا ہے تو دیر ہوگئی۔" اس نے غیر ارادی طور پر کلائی کو دوپٹے سے چھپا رکھا تھا۔

"پریشانی تو نہیں ہوئی آنے میں؟" ہاجرہ ہی پوچھ رہی تھیں وہ مارے ڈر کے قدوس صاحب کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

"سر نے پک اینڈ ڈراپ کی بات کی تھی تو......"

"میں بتا دوں آگے سے کسی تقریب میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ گئی تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔" قدوس صاحب شاید زیادہ جھاڑ کے موڈ میں نہیں تھے۔ اس لیے حکم سنا کر اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تھے۔ ہاجرہ نے بھی سکون کا سانس لیا تھا۔

"سوری اماں! میری وجہ سے آپ کو باتیں سننی پڑی ہوں گی۔" وہ ہاجرہ کے چہرے کو فکر مندی سے دیکھ رہی تھی۔

"رہنے دو۔ کون سی نئی بات ہے۔ قدوس صاحب کو اللہ موقع دے۔ تم کپڑے بدل کر آرام کرلو۔ میں بھی کمر سیدھی کرلوں۔ صحن کا چکر لگا کر اکڑ گئی ہے۔" ہاجرہ بھی کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ اس نے دوپٹے



میں لپٹی کلائی پر غیر ارادی طور پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

عرشان ولی ڈرائیو کر رہا تھا۔ خوشی، کچھ پا لینے کے احساس سے سرشار تھا۔ اسی اثناء میں اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ سیل فون ڈیش بورڈ سے اٹھا کر اس نے اسکرین پر نظر ڈالی اور خوشگوار تاثرات سے کال پک کر لی۔ "Dad"

"کیسے ہو ڈیڈ کی جان؟" فرہاد صاحب محبت سے استفسار کر رہے تھے۔

"بہت خوش ڈیڈ!" بھرپور مسکراہٹ سے اس نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھال رکھی تھی۔

"وہ تو محسوس کر رہا ہوں۔ وجہ نہیں بتاؤ گے؟" وہ شاد تھے۔

"Dad i am in love!" مسکراتے لہجے میں کہہ کر وہ لب دانتوں تلے دبا گیا تھا۔

"what?" فرہاد صاحب کو بے حد حیرانی ہوئی۔

"yes Dad!" اس نے بھرپور مسکراہٹ سے اقرار کیا۔

"Its a sizzling news!" ان کے لہجے میں خوشگوار حیرت تھی۔

"Its a unexpected lovely accident in my life, unfortunately. I am already surprised but I can,t never ever forget this special fell, That called love!

اپنے جذبات و احساسات کو بیان کرنے میں وہ بے ربط سا ہو رہا تھا۔ فرہاد صاحب دھیمے سے مسکرا رہے تھے۔ انہیں اپنے لخت جگر کا یہ روپ بے حد خوشی میں مبتلا کر رہا تھا۔ ان فیکٹ آج سے پہلے انہوں نے کبھی اسے اتنا خوش نہیں دیکھا تھا۔ کسی لڑکی کے لیے اس طرح کے جذبات کا اظہار بھی ان کے لیے نیا تھا۔ ورنہ تو وہ صنف نازک سے دوری ہی بنائے رکھتا تھا۔

"Dad you happy na?" اسے ان کی خاموشی محسوس ہوئی۔

"of course!" "ڈیڈ کی جان تمہاری خوشی سے بڑھ کر اور کیا ہے۔ پہلی بار تمہیں اتنا خوش دیکھ رہا ہوں۔ مجھے تو اپنی بہو سے ملنے کا اشتیاق ہو رہا ہے۔ کب ملوا رہے ہو؟" انہوں نے اشتیاق سے کہا۔

"جب آپ کہیں۔" وہ مودب تھا۔

"پندرہ دن کا کام ہے لیکن میں ایک ہفتہ میں ہی مکمل کر کے آنے کی ڈیٹ کنفرم کرتا ہوں۔ تم نے اپنی ماں کو بتایا؟" انہیں ماہ پارہ کی کال یاد آ گئی۔

"نہیں......آپ آ جائیں پھر بات کرتا ہوں۔" اس نے اپنا پلان بتایا۔

"اوکے چاہو تو بہو کی تصویر واٹس اپ کر دو۔ دیکھوں تو کس نے پتھر میں جونک لگا دی۔" فرہاد صاحب چھیڑ رہے تھے۔

"Come on Dad" وہ جھینپ گیا۔ فرہاد صاحب ہنس پڑے۔

"اپنا خیال رکھیے گا۔ Miss you Dad!"

"Miss you to Dad کی جان!" اس نے مسکراتے ہوئے کال ڈسکنکٹ کر کے سیل فون ڈیش بورڈ پر رکھ دیا تھا۔ انگلیوں سے بالوں کو سنوارتے اس نے بے ساختہ فرنٹ سیٹ کو دیکھا جہاں کچھ دیر

قبل وہ اس کے ساتھ براجمان تھی۔

☆......☆

قدوس صاحب کو صحن میں دیکھ کر دونوں آئنور کی خیریت کے لیے دعا گو تھیں۔ قدوس صاحب نے سستے میں جان چھوڑی تو دونوں نے سکون کا سانس لیا۔ آئنور ان کی فکر مندی پر محبت سے مسکرائی تھی۔ وہ چینج کر کے آئی تو دونوں اس کے سر ہو گئیں۔

''کیسی رہی تقریب؟''

''اچھی رہی۔'' وہ گیلے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھی۔

''آپ کے پاس آئے تھے'' وہ کنوارے والے۔'' روبی اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔

''وہی ڈراپ کر کے گئے ہیں۔'' وہ ہنسی دبا کر بولی۔

''کیا؟'' روبی چیختی اٹھ بیٹھی۔

''کیوں ابا سے جوتے کھانے کا شوق ہو رہا ہے۔ آواز کو قابو میں رکھو۔'' دھیمی آواز میں سرگوشی کرتے اس نے احساس دلایا۔ روبی سمجھ کر بے ساختہ اپنے منہ پر انگلیاں رکھ گئی۔

''پھر!'' اب کے دبی آواز میں سوال ہوا۔

''کیا پھر؟'' وہ حیران ہوئی۔

''کوئی چانس ہے ناول والے سین کی طرح۔'' روبی نے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔

''وہ جلد ہی اپنی فیملی کو بھیجیں گے۔'' اس نے دھیمی مسکان سجاتے ہوئے کہا۔

''کیا؟'' اب کے روبی کے ساتھ سونی کی چیخ بھی بے ساختہ تھی۔ آئنور نے پیشانی پر ہاتھ رکھ لیا۔

''سچ کہہ رہی ہو؟'' سونی بے یقین تھی۔

''دیکھا میں نہ کہتی تھی۔ ناولز میں سچی کہانی ہوتی ہے۔'' روبی اپنا فلسفہ صحیح ثابت کرنے کو تلی بیٹھی تھی۔

''تم تو چپ کرو، فضول راگنی لیے بیٹھی ہو۔ دیکھنے میں کیسے ہیں۔'' سونی نے روبی کو گھورتے ہوئے اشتیاق سے پوچھا۔

''ٹام کروز جیسے؟'' روبی نے میگزین میں تصویر دیکھ رکھی تھی۔ آئنور ہنس کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

''راج پال یادو، جیسے تو نہیں؟'' روبی کو افسوس ہوا۔

''ہائے اللہ نہ کرے۔'' سونی نے جلدی سے دہل کے کہا۔ ان کے اندازوں پر آئنور ہنسنے لگی تھی۔

''بتاؤ نا آپی! مجھے تو ٹام کروز سے زیادہ ابھی تک کوئی بندہ ہینڈسم نہیں لگا۔ گڈ لکنگ بھی رج کے ہے۔''

''ٹام کروز سے تھوڑا زیادہ!'' آئنور نے شرارت سے کہا۔

دونوں چھلانگیں لگانے لگی تھیں۔ آئنور نے بریسلیٹ دونوں کو دکھایا۔

''ڈائمنڈ ہے؟'' سونی کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئی تھیں۔ آئنور نے سر اثبات میں ہلایا۔

''wow کیا ان کے پاس بل گیٹس سے زیادہ پیسہ ہے۔'' روبی کا بس نہیں چل رہا تھا ڈانس کرنا شروع کر دے۔

''یہ اتنے مشہور لوگوں کے نام کہاں سے یاد کر رکھے ہیں تم نے؟'' آئنور اس کے سر پر چپت لگا کر مسکرائی۔



☆......☆

عرشان ولی کروٹ پر کروٹ بدل رہا تھا۔ جب دائیں بائیں کر کے تھک گیا تو سیدھا لیٹ کر دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنا کر سر کے پیچھے کر لیا۔ چند ثانیے آنکھیں بند کر کے لیٹا رہا۔ پھر بھی چین نہ آیا تو سیل فون اٹھا کر بے ساختہ آئنور کا نمبر ڈائل کر بیٹھا۔

آئنور بھی سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب وائبریشن موڈ پر رکھا سیل فون وائبریٹ کرنے لگا۔ عرشان ولی کا نام دیکھ کر اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔ روبی اور سونی پر نظر ڈالی دونوں کتنی ہی دیر اسے چھیڑنے کے بعد پلنگ پر لیٹی تھیں۔

''جی!'' اس نے دھیمی آواز سے کال ریسیو کی۔

''یہ کیا بلا پیچھے لگا دی تم نے میرے؟'' عجب جھنجلایا ہوا لہجہ تھا۔

''میں نے؟ کون سی بلا؟ آپ نے شاید غلطی سے مجھے کال کر دی ہے۔'' وہ چونک کر حیرانی سے کہہ رہی تھی۔

''میں نے بقائمی ہوش و حواس میں تمہیں فون کیا ہے اور یہ جو بلا ہے محبت میں اس کے متعلق تم سے پوچھ رہا ہوں۔ حد ہو گئی یار۔ کروٹ بدل بدل کر تھک گیا ہوں۔ نیند ہے کہ آ کے نہیں دے رہی ہے۔'' اس کے لب و لہجے کی دلکشی اپنی جگہ۔ آئنور کے لبوں پر بے ساختہ شرمیلی مسکان پھیل گئی تھی۔

''توبہ ہے، آپ نے تو ڈرا ہی دیا۔'' وہ آواز دبا کر بول رہی تھی۔

''تھوڑا تیز بول لو۔ ہم باتیں نہیں سن رہے۔ ہم سو رہے ہیں۔ چادر منہ سے ہٹا کر روبی سونی نے سر باہر نکالا تھا۔ عرشان ولی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ آئنور سٹپٹا گئی تھی۔ دونوں نے دوبارہ منہ پر چادر ڈال لی تھی۔

''یہ کس کی آوازیں تھیں؟'' وہ استفسار کر رہا تھا۔

''چھوٹی بہنیں ہیں۔ آپ سے ملنے کا شوق ہے انہیں۔'' وہ غائبانہ متعارف کروا رہی تھی۔

''اچھا! میں نے بھی ڈیڈ کو تمہارے متعلق بتایا ہے۔ دیکھنے کی خواہش ظاہر کر رہے تھے۔''

''عرشان! مجھے یہ سب آسان نہیں لگ رہا۔ آپ نے اپنے ڈیڈ کو میرا بیک گراؤنڈ بتایا ہے۔'' وہ فکر مندی سے اپنی کم مائیگی کا اظہار کر گئی۔ جس کا احساس اسے ٹھیک سے خوش ہونے بھی نہیں دے رہا تھا۔

''ابھی تو نہیں لیکن تم ٹینشن نہ لو۔ عرشان ولی نے پیچھے ہٹنا نہیں سیکھا۔ تمہیں یوں ہی اپنا نہیں کہا۔ بس تم خود کو میری امانت سمجھو۔'' مضبوط لہجے میں اسے یقین دلا رہا تھا۔ اس کی پرفسوں باتیں اور لب و لہجے نے آئنور کے دل کی دھڑکنوں کو منتشر کر دیا تھا۔

☆......☆

قدوس صاحب گھر سے نکلے تھے۔ چند قدم ہی چلے تھے کہ انہیں پڑوسی وہاب مل گئے۔

''ارے کیا حال ہیں بھائی قدوس!''

''کرم ہے مالک کا۔ تم سناؤ۔'' قدوس صاحب مصافحہ کر رہے تھے۔

''کیا ہوا نوکری کا۔ کہیں بات بنی؟'' وہ ہمدرد بنے بیٹھے تھے۔

''نہیں بات تو کئی جگہ کی ہے مگر بلاوا نہیں آیا ابھی۔'' بے زاری سے تذکرہ کیا۔

''ہاں آئنور بیٹی نوکری کر رہی ہے۔ پھر کا ہے کی فکر ہو گی تمہیں۔ ہانڈی روٹی تو چل ہی رہی ہو گی۔''

وہاب کا لہجہ ذومعنی تھا۔ قدوس صاحب چونک گئے۔

''کہنا کیا چاہتے ہو؟'' غصے سے انہیں دیکھا۔

''میں نے کیا کہنا ہے بھائی۔ رات آئنور اتنا سج سنور کر کار والے کے ساتھ آئی تھی۔ اپنی چھت سے مجھے کار والے کی شکل تو نظر نہ آئی مگر اسامی اونچی تھا۔ کار کی قیمت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔'' وہاب کا لب و لہجہ قدوس صاحب کو چبھ رہا تھا۔ ان کا فون اپنے کان سے لگا تھا۔

''آئنور شادی میں گئی تھی اپنے باس کی۔ آفس کی گاڑی تھی وہ۔'' غصہ ضبط کرتے کرتے انہوں نے جواب دیا۔

''مجھے کیا پتا، سچ جھوٹ کا بھائی۔ تم باپ ہو تم کہہ رہے ہو تو سچ ہی ہوگا مگر دیکھنے والے تو کوئی اور ہی معنی نکالیں گے نا۔''

وہاب صاحب بڑے آرام سے کہتے قدوس صاحب کے قدم واپس گھر کی طرف موڑ گئے تھے اور خود وہاب صاحب استہزائیہ مسکراہٹ سجا کر اپنی راہ ہو لیے۔

☆......☆

آئنور چائے پی رہی تھی۔ ہاجرہ پاپے چائے میں ڈبو ڈبو کر کھا رہی تھیں۔ تب ہی دھاڑ سے دروازہ کھلا تھا۔ مارے ڈر کے ہاجرہ کا پاپا چائے میں گر گیا۔

''کیا آفت آ گئی؟'' ہاجرہ دہل گئیں۔ آئنور بھی چونک گئی تھی۔ قدوس صاحب غیض و غضب سے سرخ چہرہ لیے داخل ہوئے۔

''وہ بھی آ جائے گی۔ پہلے اپنی لاڈلی سے پوچھ رات کس کے ساتھ کار میں آئی ہے۔ محلے والے مجھے ذلیل کر رہے ہیں۔''

قدوس صاحب غصے سے دہاڑ رہے تھے۔ آئنور کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

''بتا کب سے ہماری آنکھ میں دھول جھونک رہی ہے۔'' قدوس صاحب آئنور کی طرف بڑھے تھے۔ وہ خوفزدہ ہو کر دیوار سے لگ گئی۔

آئنور دیوار سے لگی شاکڈ تھی۔ قدوس صاحب بگڑے تیور سے گھور رہے تھے۔

''رات بتایا تو تھا اس نے، آفس کی گاڑی تھی۔'' ہاجرہ نے اسے کٹہرے میں دیکھا تو مدد کو آئیں۔

''چپ کیوں ہے بول، ورنہ زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔'' قدوس صاحب بھڑکتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''ابا......! وہ......باس آئے تھے چھوڑنے۔'' آئنور نے اٹکتے ہوئے کہا۔

''اس کی تو مایوں تھی۔ وہ مایوں چھوڑ کر تجھے ڈراپ کرنے آ گیا۔'' قدوس صاحب غضب ناک ہو رہے تھے۔

''دو باس ہیں، شازیہ کے ابو کی طبیعت خرابی کی کال آ گئی تو وہ وہیں نزدیکی اسپتال چلی گئی۔ مجھے سر نے ڈراپ کر دیا۔'' وہ ہکلا گئی تھی۔

''کیوں بچی کے سر پر سوار ہو۔ کہہ تو دیا اس نے سچ...... محلے والے آنے جانے پر نظر رکھتے ہیں تو انہیں ہانڈی روٹی کا بھی کہہ دو۔ بٹھا لیتی ہوں اسے گھر پر۔ زنجیر پیروں میں ڈال کر۔'' ہاجرہ خشمگیں نظروں سے قدوس صاحب کو دیکھتے غصے سے کہہ رہی تھیں۔ آئنور کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ قدوس صاحب



دونوں کو گھورتے ٹھوکر سے دروازہ کھولتے باہر چلے گئے تھے۔

''چپ کر، پتا تو ہے، کیسا باپ اللہ نے متھے ڈالا ہے۔ چائے پی، وین آنے والی ہوگی۔'' ہاجرہ دکھ سے اس کے آنسوؤں کو دیکھ رہی تھیں۔ اچھا کر کے بھی وہ بری بن جاتی تھی۔

☆......☆

واصفہ نے کئی بار دروازے پر دستک دی مگر جواب ندارد تھا۔ واصفہ کو تشویش ہونے لگی۔ زویا صبح سے کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ اب تو شام بھی ڈھلنے لگی تھی۔ واصفہ بے ساختہ چابی لیے آ گئی۔ اس سے پہلے وہ کئی بار زویا کا سیل نمبر چیک کر چکی تھیں۔ بیل جا رہی تھی مگر وہ کال پک نہیں کر رہی تھی اسی تشویش نے واصفہ کو اس کے کمرے کا لاک کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔

لاک کھول کر واصفہ نے کمرے میں قدم رکھا مگر پیروں تلے کوئی چیز آ جانے پر ان کے قدم بے ساختہ ڈگمگا گئے۔ کمرا مکمل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ انہوں نے اندازے سے دائیں جانب ہاتھ مار کر سوئچ بورڈ تلاش کیا اور سوئچ بورڈ پر ہاتھ پڑتے ہی انہوں نے سارے بٹن آن کر دیئے۔

کارپٹ فلور کشن پر ہر طرف سگریٹ کے ٹوٹے بکھرے پڑے تھے۔ کشن جگہ پر نہیں تھے۔ قدموں تلے کشن کو اٹھا کر سائیڈ پر رکھتے انہوں نے ناگوار مہک کو سونگھنے کی کوشش کی۔ سگریٹ کے ٹوٹے کو اٹھا کر سونگھا۔ زویا دھت الٹی بیڈ پر پڑی ہوئی تھی۔ ٹوٹے کو سونگھتی واصفہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ دوسری نظر بے سدھ پڑی زویا پر ڈالتی اس کی طرف بڑھیں۔ زویا کے سرہانے بیٹھ کر واصفہ نے اس کے بکھرے بالوں کو اس کے چہرے سے ہٹایا۔ زویا کا ستا ہوا چہرہ ان کے سامنے تھا۔ سیاہی مائل ہونٹ سوکھے ہوئے تھے۔ واصفہ دکھ سے اسے دیکھتی رہیں۔ وہ بہت بدل گئی تھی۔

''زویا!'' بیٹی کے گال دیکھ سے تھپتھپاتے واصفہ کا لہجہ دلگرفتہ تھا۔

''ہوں!'' زویا نے پلکیں جھپک جھپک کر مسلسل پکار پر آنکھیں کھولنے کی سعی کی مگر مسلسل کوشش پر چند سیکنڈز سے زیادہ آنکھیں نہیں کھل پا رہی تھیں۔ نشہ سر چڑھ کے بول رہا تھا۔

''بہت دیر ہو گئی ہے، اٹھ جاؤ زویا۔'' واصفہ اس کی مخمور آنکھوں پر افسردہ تھیں۔ ان کی بیٹی یہ کس ڈگر پر چل پڑی تھی اگر وہ حقیقت کی نظر سے اس کی آزادانہ فطرت کا جائزہ لیتیں تو انہیں اپنی کوتاہی بھی بخوبی نظر آ جاتی جو انہوں نے بچوں کی پرورش کرتے وقت برتی تھی۔

''کیا ہے۔ جائیں آپ۔ مجھے سونے دیں۔'' نشے میں چور آواز سے کہہ کر وہ کشن دبوچ کے رخ پھیر کے سو گئی۔

☆......☆

یہ دنیا جب تک باقی ہے
میں تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا
تیرے آنچل کے اک جھونکے سے
رخ طوفان کے موڑوں گا

انٹر کام مسلسل بج رہا تھا۔ ولید راؤنڈ پر تھا۔ آئنور نے پریشان نظروں سے انٹر کام کو دیکھا۔

''اٹھا کیوں نہیں رہیں۔'' شازیہ نے اسے حیرانی سے دیکھ کر انٹر کام اٹھایا۔ اس کے والد کی طبیعت

آئنور نے اٹک اٹک کر اسے اپنی مشکل سمجھائی۔ چند ثانیے عرشمان ولی اس کے لفظوں کو تولتا رہا۔

''کہہ دیتیں میں نے پہنایا ہے۔'' چھیڑنے والا انداز تھا۔

''میرے لیے یہ کہنا اتنا آسان نہیں ہے۔ آپ مرد ہیں۔ آپ کے پاس پاور ہے، آپ سے کوئی نہیں پوچھے گا اگر کسی کو بھنک بھی پڑ گئی تو لوگ مجھ پر انگلیاں اٹھائیں گے۔ میرے کردار پر باتیں بنائیں گے۔'' آئنور کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی تیکھا ہو گیا تھا۔

''ادھر دیکھو۔'' عرشمان ولی اس کے لفظوں کی آنچ کو محسوس کرتا رہا۔ پھر ہولے سے کہا۔ آئنور چپ بیٹھی رہ گئی۔

''آئنور! میری طرف دیکھو۔'' عرشمان ولی کا محبت بھرا اصرار اسے مشکل سے دوچار کر گیا تھا مگر مانتے ہی بنی۔

''جی!'' ایک نظر اس کے وجیہہ چہرے پر ڈال کر وہ سر دوبارہ جھکا گئی۔

''کوئی ٹینشن ہے؟'' وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے چند قدموں کے فاصلے پر میز سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ آئنور نے نفی میں سر ہلایا۔

''ادھر دیکھو میری طرف۔'' اسے آئنور کا انداز پریشان کر رہا تھا۔ اس کے اصرار پر آئنور کے دل کی دھڑکن متوحش ہو گئی تھیں۔ آئنور نے اس پر ایک نظر ڈالی۔ ذہانت سے چمکتی آنکھیں اس کی آنکھوں سے لڑی تھیں۔

''تم روئی ہو؟'' عرشمان ولی کے لہجے میں حد درجہ تحیر آ گیا تھا۔ آئنور نے بے ساختہ نظریں چرا لیں۔

''آئنور!'' اپنا ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر وہ پکار رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پھر چھلکنے کو بے تاب ہو رہی تھیں۔ یہ شخص چند دنوں میں اتنا عزیز ہو گیا تھا کہ اس کے چھن جانے کے خوف سے اسے سانس لینا بھی محال لگنے لگا تھا۔ معاشرتی ڈراوے اسے بھوت بن کر ڈرانے لگے تھے۔ اس کے رخساروں پر آنسو بہہ نکلے۔

''فار گاڈ سیک! بتاؤ تو ہوا کیا ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟'' اس کے ایک دم سے رونے پر وہ استعجاب کے ساتھ پریشانی میں بھی مبتلا ہو گیا تھا۔

''بولو! کیا ہوا ہے؟'' اس کا ہاتھ تھامے وہ آنسو صاف کر رہا تھا۔ آئنور سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔ وہ بس روئے جا رہی تھی۔

''میری برداشت کی حدمت آزماؤ، بتاؤ کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ۔'' اب کے عرشمان ولی کو اس کی خاموشی غصہ دلانے لگی۔ آئنور کی چپ برقرار تھی۔ عرشمان ولی نے سخت طیش کے عالم میں مُکا میز پر مارا۔

''ارے!'' آئنور روتے روتے اسے دیکھنے لگی۔ مضبوط میز پر دراڑ پڑ گئی تھی۔ ممکن تھا دوسری بار کوشش پر میز زمین بوس ہو جاتی اور ایسا جلد ہی ہوتا کیونکہ عرشمان ولی اگین پھر عمل دہرانے کا ارادہ کر رہا تھا مگر اس سے پہلے آئنور نے اس کی کلائی سختی سے تھام لی۔

''پلیز یہ نہ کریں۔'' وہ روئی روئی آواز میں کہہ کر اس کے ہاتھ کا جائزہ لینے لگی جس پر سرخی چھلکنے لگی تھی۔

''میری وجہ سے خود کو اذیت نہ پہنچائیں۔'' وہ کرب محسوس کرنے لگی۔

''اگر تم مزید روئیں اور مجھے وجہ نہیں بتائی تو میں اس سے زیادہ خود کو نقصان پہنچاؤں گا۔'' وہ سختی سے گویا



رات سنبھل گئی تھی۔ رات ہی گھر شفٹ ہو گئے تھے جس کے باعث شازیہ آفس آ گئی تھی۔

''لیس سر!'' شازیہ انٹرکام اٹھا کر دوسری طرف کی بات سننے لگی۔ دوسری طرف ولید کے روم سے عرشمان ولی تھا جس نے آئنور کے چہرے پر پھیلی پژمردگی آتے ہی دیکھ لی تھی۔ رات وہ اسے ٹھیک ٹھاک ڈراپ کر کے لوٹا تھا پھر کیا وجہ تھی افسردگی کی۔ شازیہ کے باعث وہ اس سے پوچھ نہ سکا۔ آئنور نے اسے دیکھ کر جس طرح نظریں چرائی تھیں وہ بھی اسے عجیب سے احساس سے دوچار کر گیا تھا۔ آئنور کو بھی خبر ہو گئی تھی عرشمان ولی کا سامنا کرنا ہی پڑے گا تب ہی بجتے انٹرکام نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ وہ اس وقت اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ قدوس صاحب کے کیے سلوک نے اسے ملول کر دیا تھا۔ دل بوجھل تھا، آنکھیں بار بار گیلی ہو رہی تھیں۔

''مس آئنور کو اندر بھیجیں!'' عرشمان ولی نے پروفیشنل انداز میں شازیہ کو ہدایت دی تھی۔

''جی سر!'' شازیہ نے انٹرکام رکھتے آئنور کی طرف نظر ڈالی جو سہمی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''سر عرشمان بلا رہے ہیں تمہیں۔'' شازیہ نے اسے پیغام دیا۔

''کس لیے؟'' آئنور کی پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''What do you mean about that?''

آئنور ہم یہاں ایمپلائز ہیں اور باس ہمیں کام کے سلسلے میں کسی بھی وقت کال کر سکتے ہیں۔ اپنے دماغ میں بٹھا لو یہ بات۔'' شازیہ کو اس کا سوال عجیب لگا جس پر اس نے لیکچر جھاڑ دیا۔ آئنور خود کو کوس کے رہ گئی۔ وہ کون سا ان کے درمیان موجود جذبوں سے آگاہ تھی۔ اس نے پروفیشنلی جواب ہی دینا تھا۔

''Go! سر ویٹ کر رہے ہیں۔'' اسے اپنی جگہ پر جما دیکھ کر شازیہ نے زور دے کر کہا۔ آئنور سست روی سے ولید کے روم کی طرف بڑھ گئی۔

''Yes!'' آئنور نے تھکے انداز میں دستک دی جس پر عرشمان ولی کا جواب موصول ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ چلتی اس کی میز تک آئی۔ عرشمان ولی نے باریکی سے اس کے انداز کو دیکھا تھا بلیک کلر کے سوٹ میں الجھی الجھی نظریں چرائے اس کے سامنے انگلیاں چٹخاتی کھڑی تھی۔

''بیٹھو!'' خود وہ اپنی چیئر پر بازو موڑے کھڑا تھا۔ اسے بیٹھنے کا حکم دینے لگا۔ آئنور نے ایک نظر اس پر ڈالی اور اگلے ہی لمحے نظر پھیر کر اس کے سامنے براجمان ہو گئی۔ وہ اس کی طرف دیکھنے سے بھی پرہیز کر رہی تھی۔ وہ جو اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ عرشمان ولی چند ثانیے اسے دیکھتا رہا۔ پھر چلتا ہوا میز کی دوسری طرف آ کر اس کے قریب میز سے کمر ٹکا کر ہاتھ سینے پر باندھے اسے دیکھتا رہا۔ آئنور اس کی خاموشی پر کچھ پزل سی ہو رہی تھی۔ اس نے ذرا کی ذرا نظر اٹھائی کہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ سکے مگر نظر سینے پر بندھے ہاتھ سے آگے نہ جا سکی۔ مضبوط کلائی میں بلیک رولیکس پڑی ہوئی تھی۔ بلیک شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک فولڈ تھیں۔

''بریسلیٹ کیوں اتار دی؟'' وہ اس کی سونی کلائی پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ گھمبیر خاموشی کا پردہ چاک ہوا تھا۔

''پرس میں ہے۔'' آئنور نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

''پرس میں رکھنے کی چیز ہے؟'' وہ الٹا استفسار کر رہا تھا۔ آئنور لب کچلنے پر مجبور تھی۔

''میں کیسے پہن کر رکھ سکتی ہوں۔ کسی نے دیکھ لیا تو سوال کریں گے اور میں کیا جواب دوں گی سب کو۔''

تھا۔

''کچھ لگائیں اس پر، سوجن آجائے گی۔'' نفی میں سر ہلاتے آئنور اس کے ہاتھ کو بغور دیکھ رہی تھی۔ لہجہ روہانسا تھا۔

''سب ہو جائے گا پہلے تم رونے کی وجہ بتاؤ۔'' اس کی بھیگی پلکوں پر نظریں جمائے وہ ضدی لہجے میں گویا تھا۔

''رات پڑوسی نے مجھے آپ کے ساتھ دیکھ لیا۔ ابا نے بہت غصہ کیا۔'' آئنور کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی تھی۔ عرشان ولی کے چہرے پر تردد کی لکیریں گہری ہونے لگیں۔ اسے آئنور کے بیک گراؤنڈ کا اندازہ تھا، جہاں کسی کے ساتھ دیکھے جانے کا کیا مطلب لیا جاتا تھا یا لڑکی کو کتنی باتیں اور کیسے رویے کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ آئنور سسکی بھرتے آنسو صاف کر رہی تھی۔

''رو نہیں پلیز، ورنہ میں جانے کیا کر گزروں۔ مجھے تمہارے آنسو تکلیف دے رہے ہیں۔'' وہ اس وقت خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ اس کی اذیت تکلیف دے رہی تھی۔ وہ اس کی کلاس سے نہیں تھی جو اس کے ساتھ گھومتی پھرتی آزادانہ ہوٹلنگ کرتی۔ وہ اس طبقے سے تھی جہاں لڑکی کسی سے ضرورتاً بات بھی کر لے تو فسانہ بن جایا کرتا ہے۔

''ابا نے مارا ہے؟'' وہ اس کے مسلسل رونے پر تشویش سے پوچھ رہا تھا۔ آئنور نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''پھر رو کیوں رہی ہو؟'' اسے حیرانی ہوئی۔

''پہلے ابا کے ہاتھوں ہوئی اپنی بے عزتی پر رونا آرہا تھا۔''

''اور اب......'' سوال ہوا۔

''اب آپ کے ہاتھ کی تکلیف محسوس کر کے رونا آرہا ہے۔'' وہ ایک بار پھر رو پڑی تھی۔

''یا اللہ! کیسی جھلی لڑکی ملی ہے۔'' اس کے سر پر چپت لگاتے وہ ہنس پڑا تھا۔

☆......☆

واصفہ نڈھال انداز میں بیٹھی تھیں۔ ان کے چہرے پر دکھ و رنج کے تاثرات تھے۔ زویا کے کمرے کا منظر یاد کر کے وہ بے ساختہ اپنا سر تھام کر بیٹھیں۔ خرم کمرے میں داخل ہوئے، چند گھنٹے قبل ہی وہ لوٹے تھے۔ خرم صوفے پر بیٹھ گئے۔ واصفہ نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

''سالوں بعد لوٹا ہوں اور ایسا استقبال۔'' خرم ان کے انداز کو ناگوری سے دیکھ رہے تھے۔

''آپ اس سے کہیں زیادہ برے استقبال کے حق دار ہیں۔'' واصفہ سخت طیش میں آگئی تھیں۔ انہیں اپنی اور بچوں کی زندگی میں بے ترتیبی کی وجہ ہمیشہ سے خرم صاحب لگے تھے۔

''برسوں بیت گئے مگر تمہارا آج بھی وہی لب و لہجہ ہے۔'' خرم کبیدہ نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دوں، اب اس میں مزید کڑواہٹ آگئی ہے۔'' واصفہ نے جتاتے ہوئے کہا۔

''آخر میں نے ایسا کیا کیا ہے، دوسری شادی کرنا گناہ ہے کیا؟'' خرم برسوں پرانی بحث سے چڑ گئے۔ جب کبھی پاکستان آتے تھے یا واصفہ ان کے پاس جاتی تھیں ان کے درمیان یہ تلخ موضوع ضرور زیرِ بحث رہتا تھا۔



''بزنس کی آڑ میں انگلینڈ جا کے بس گئے۔ چند مہینوں میں وہاں شادی بھی رچا لی، چار بچے بھی کر لیے اور یہاں مجھے اور میرے دو بچوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔'' واصفہ کو برسوں پرانی میاں کی بے وفائی بھولتی نہیں تھی۔

''کیوں گھسے پٹے ڈائیلاگ بول رہی ہو۔ پیسے کی فراوانی، نوکروں کی فوج کیا نہیں دیا تمہیں میں نے۔'' خرم صاحب کو بھی غصہ آنے لگا۔

''سب کچھ دیا مگر مجھے اور میرے بچوں کو اپنے وجود کا سایہ نہ دے سکے۔ جب زویا، کاشان چھوٹے تھے اور اچانک ان کی طبیعت خراب ہو جاتی تھی تو میں اندھیری رات میں اکیلی انہیں اسپتال لے کر بھاگتی تھی۔ میرے بچوں کی کوئی محرومی آپ کو یاد نہیں۔ پیسا ہر مرض کی دوا نہیں ہے، خرم صاحب!'' واصفہ چیختے ہوئے بے حد تلخ لہجے میں انہیں حقیقت کا آئینہ دکھا رہی تھیں۔ انہیں وہ تمام وقت یاد آنے لگے جب وہ اکیلی اپنے بچوں کے لیے ہر جگہ کھڑی ہوتی تھیں۔ خرم خاموشی سے واصفہ کے غصیلے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

''آپ نے اپنا سارا وقت دوسری بیوی اور اس کے بچوں کے نام کر دیا۔ کبھی میرا اور میرے بچوں کا حق ادا کیا آپ نے؟ آج میری اولاد جس مقام کو پہنچی ہے اس کی وجہ آپ ہیں صرف آپ۔'' واصفہ نفرت و عناد کا مظاہرہ کر کے واک آؤٹ کر گئی تھیں۔ خرم صاحب چپ بیٹھے رہ گئے۔

☆......☆

وہ تیری گلی کے تیور وہ نظر نظر پہ پہرے<br>
وہ میرا کسی بہانے سے تجھے دیکھتے گزرنا!

''اب کیسی طبیعت ہے انکل کی۔'' دونوں فری بیٹھی تھیں جب آئنور نے شازیہ سے استفسار کیا۔ اس کے والد کی طبیعت پھر بگڑ گئی تھی جس کے باعث وہ تین چار دن کے بعد آفس آئی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے اب ٹھیک ہیں، تم گئی تھیں سر ولید کی شادی میں؟'' شازیہ کو شادی میں نہ جانے کا افسوس تھا۔

''مایوں میں دیر ہونے کے باعث جتنی دیر ہوئی اس کے بعد ابا نے جانے نہیں دیا۔'' خالی صفحے پر لکیریں کھینچتے اس نے سست روی سے جواب دیا۔

''آج آئیں گے سر عرشان کچھ بتایا تھا انہوں نے، کوئی میٹنگ وغیرہ؟'' شازیہ آفس کے معاملات پوچھ رہی تھی۔ ولید شادی کے سلسلے میں چھٹیوں پر تھا۔ شازیہ کے سوال نے اسے پزل کر دیا۔

''نہیں! آنے کی تو کوئی ٹائمنگ نہیں بتاتے۔ مشکل سے ایک گھنٹے کے لیے آتے ہیں۔ اصل شامت انچارج کی آئی ہوئی ہے۔'' اس نے ہزار کوشش کر کے عرشان کے ذکر پر لہجہ سرسری ہی رکھا تھا۔

''ہاں سر عرشان کو اپنا بزنس بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ میں تو ان کی روز روز کی آمد پر ہی حیران ہوں۔ ورنہ کہاں مہینوں بعد شکل نظر آتی تھی۔'' شازیہ حیرانی سے کہہ رہی تھی۔ آئنور کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی جسے چھپانے کے لیے اس نے بے ساختہ ہاتھ لب پر رکھ لیے تھے۔ آڑی ترچھی لکیریں بناتے وہ اسی کو سوچ رہی تھی۔ شازیہ آنے والی کال کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ اسی لمحے آئنور کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ اس نے اسکرین پر نظر ڈالی اور عرشان کالنگ پر بے طرح چونک گئی۔

''السلام علیکم!'' شازیہ کو دزدیدہ نظروں سے دیکھ کر اس نے دھیمے سروں میں کہا۔

”والسلام! اپنی چیزیں سمیٹ کر پرس میں ڈالو اور پارکنگ کی طرف آؤ۔“ آفس کے پارکنگ میں مرسڈیز پارک کر کے وہ باہر نکل آیا تھا۔ گاڑی سے ٹیک لگاتے اس نے آئنور کی آواز سنتے ہی حکم دیا تھا۔

”جی!“ دوسری طرف اس عجیب وغریب فرمائشی حکم پر آئنور بے طرح چونک گئی۔

”آپ نے شاید کسی اور کے بجائے مجھے غلطی سے کال کر دی ہے۔“ اس نے احساس دلایا۔

”جی نہیں، میں نے آپ ہی سے ارشاد فرمایا ہے۔ ایسی فرمائشیں میں ہر کسی سے نہیں کرتا پھرتا، اٹھو بھی۔“ عرشمان ولی نے بے حد جتاتے لہجے میں کہہ کر آخر میں دھونس سے کہا۔

”بات کیا ہے؟“ آئنور پریشان ہوگئی۔

”تم آؤ تو بتاتا ہوں۔“ وہ کچھ نہ بتاؤں گا کی تفسیر بن گیا۔

”اُف!“ آئنور کو اس کی ضدی طبیعت کی خبر ہوگئی تھی۔

”خیریت؟“ شازیہ کال سے فری ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو چکی تھی اس کے چہرے پر پھیلی پریشانی دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔

”شازیہ سے کہو گھر میں ایمرجنسی ہوگئی ہے تم آف کر رہی ہو۔“ ادھر سے پٹی پڑھائی گئی۔

”کیا؟“ آئنور کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

”کیا کیا کرتی رہیں تو اندر آکر خود ہاتھ پکڑ کر کھینچتا لے جاؤں گا، پھر دیتی رہنا شازیہ کے سوالوں کے جوابات۔“ عرشمان ولی کی دھمکی پر آئنور کو حقیقتاً ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ کچھ بعید نہ تھا وہ کر بھی گزرتا۔

”اچھا!“ آئنور نے مری آواز میں ہنکارا بھرا۔

”اٹھو فوراً۔“ وہ چڑ گیا۔ آئنور نے اپنی بکھری چیزیں پرس میں ڈالنا شروع کر دی۔

”جا رہی ہو؟“ شازیہ نے حیرانی سے اس کے عمل کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

”گھر میں ایمرجنسی ہوگئی ہے، میں آف کر رہی ہوں۔“ آئنور نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

”کیا رٹو طوطا کی طرح حرف بہ حرف دہرایا ہے تم نے۔“ دوسری طرف وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

”اوکے تم ریلیکس ہو کر چلی جاؤ، میں سر عرشمان کو انفارم کر دوں گی۔“ شازیہ نے دلاسا دیا۔

”اس سے کہو سر لائن پر ہی ہیں۔“ وہ چھیڑنے لگا۔

”آپ تو چپ کریں۔“ اس نے جھلا کے اسے ڈانٹ لگائی۔

”تم تو ابھی سے رعب جمانے لگیں۔“ اس نے مزا لیا۔ آئنور کے کان سے سیل فون لگا ہوا تھا۔ جس میں سے شگفتہ جملے ابل رہے تھے۔ آئنور نے شازیہ سے ہاتھ ملا کر اشارے سے اپنے جانے کا بتا کر واک کرنا شروع کر دیا۔

”گڈ گرل! تم نے چلنا شروع کر دیا، آواز آرہی ہے تمہارے قدموں کی۔“ وہ مرسڈیز کی ڈگی پر چڑھ کے بیٹھ چکا تھا۔

”ویری فنی!“ پرس کے اسٹریپ کو بائیں ہاتھ سے پکڑے سیل فون کان سے لگائے خارجی راستے کی طرف واک کر رہی تھی۔

”کیا چیونٹی کی رفتار سے چل رہی ہو، اسپیڈ بڑھاؤ۔“ بے حد مسکراتے ہوئے وہ چھیڑ رہا تھا۔

”اب کیا پیر سر پر رکھ لوں۔“ وہ چڑ گئی۔ اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ آئنور پارکنگ کی طرف آگئی تھی۔

بلیک جینز، بلیک ٹی شرٹ اور بلیک سلیولیس جیکٹ پہنے عرشمان ولی بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ جمپ لگا کر نیچے اتر آیا تھا۔ ٹی شرٹ کی آستین حسب معمول کہنی تک چڑھی ہوئی تھی۔ بلیک گلاسز آنکھوں پر چڑھا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر آئنور کو اپنے دل کی دھڑکنیں الگ تال پر چلتی محسوس ہوئیں۔

''فرمائیں کیا پریشانی ہوگئی آپ کو؟'' آئنور نے قریب آ کر استفسار کرتے سیل فون کان سے ہٹایا۔

''چڑ کے بھی حسین لگتی ہو۔'' گلاسز بالوں پر ٹکاتے اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ عام سے حلیے میں بھی وہ اسے بہت خاص لگتی تھی۔

''آپ کو کسی نے غلط اطلاع دی ہے کہ میں تعریف پر خوش ہو جاتی ہوں۔ کیوں بلایا ہے اس طرح؟'' وہ نروٹھی ہو رہی تھی۔

''تمہیں دیکھنے کو دل چاہ رہا تھا۔'' اس نے لب دباتے ہوئے شریر نظروں کے ساتھ کہا۔

''حد ہے۔'' آئنور کے لبوں پر شرمیلی مسکان پھیل گئی تھی۔ وہ جس پریشانی سے یہاں آئی تھی فریش فریش سے عرشمان ولی کو دیکھ کر احساسات و محسوسات بہت خوشگوار ہو گئے تھے۔ جیکٹ کی چمکتی زپ جو کھلی ہوئی تھی اس سے اوپر اس کی نظر نہ جا سکی جو وہ اس کے تاثرات دیکھتی۔

''ولید اور اس کی مسز کو ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے اور آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں۔'' اس کے شولڈر سے پرس کے اسٹریپ پکڑ کر اس نے گرفت مضبوط کی اور اس کا پرس لے لیا۔

''What? no never!'' وہ بدک کر دو قدم پیچھے ہٹی جیسے وہ زبردستی اسے ساتھ لے جائے گا اور کچھ ثانیے بعد اس کی باڈی لینگویج سے ہوا بھی یہی۔

''آپ سے رائے نہیں مانگی محترمہ! فیصلہ سنا رہا ہوں چلو'' دو قدم آگے بڑھ کر عرشمان ولی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی کی طرف کیا۔

''کیوں پٹوانے کے در پر ہیں، دیر ہو جائے گی۔'' اس نے مرسڈیز کے کھلے دروازے پر ہاتھ رکھ کر پریشانی سے کہا۔ جو عرشمان ولی نے اس کے لیے کھولا تھا۔

''ابھی پانچ بج رہے ہیں۔ سات بجے ہوٹل پہنچ جائیں گے اور ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے تم اپنے گھر پر ہو گی پرامس۔''

وہ سب پلان کیے بیٹھا تھا۔ اسے اس کی گھر پہنچنے کی ٹائمنگ پتا تھی تب ہی اس نے ڈنر جلدی پلان کیا تھا۔ وہ اسی پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ آئنور کشمکش و پیچ میں گھری ہوئی تھی۔

''Trust me na!''

وہ دروازے پر ہاتھ رکھے ذرا سا جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ آئنور چند ثانیے اسے دیکھتی رہی پھر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ عرشمان ولی نے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور گاڑی پارکنگ سے نکل گئی۔

''ڈنر سات بجے ہے تو ابھی ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' وہ رخ موڑ کر عرشمان ولی کی طرف متوجہ تھی جس کے مضبوط سفید ہاتھ اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے۔ موسٹلی وہ لیفٹ ہینڈ سے ہی اسٹیئرنگ کو ہینڈل کرتا تھا۔

''پچھلی سیٹ پر تمہارے لیے کچھ رکھا ہوا ہے، دیکھ لو۔'' عرشمان ولی نے ایک نظر اس پر ڈال کر کہا اور دوبارہ نظریں ونڈ اسکرین پر جما دیں۔



''مجھے نہیں دیکھنا۔'' اس نے منہ بنا لیا۔ مجبوری یہ تھی وہ خود کچھ بتاتا نہیں تھا۔ سب کچھ سرپرائز ہی ہوتا تھا جیسے ابھی اسے آفس سے جلدی آف کروایا اور اب ڈنر پر لے جا رہا تھا۔ اسے فکر ہونے لگی تھی۔

''ٹھیک ہے، پھر اٹھا کر پھینک دو۔'' روٹھے انداز سے آفر دی۔

''میرے ساتھ زندگی گزارنی ہے تم نے، ابھی سے مزاج سمجھ لو۔ جو چیز تمہارے لیے ہے وہ تمہارے لیے ہے، تم نے نہیں لیا تو میں اٹھا کر باہر پھینک دوں گا۔'' دوسرا ہاتھ اسٹیئرنگ پر دراز کیے وہ باور کراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ پاگل ہیں؟'' آئنور نے لمبی سانس لی۔

''For you!'' اسٹیئرنگ چھوڑ کے اس کے بازو کو ہلکا سا جھٹکا دیا تھا۔ نفی میں سر ہلا کر آئنور نے پچھلی نشست پر نظر ڈالی۔ کچھ شاپنگ بیگز رکھے تھے۔

''میرے ہاتھ قانون کی طرح لمبے نہیں ہیں خود اٹھا کر دیں۔'' اس نے منہ بسورا تو اس نے مسکرا کر بیگز اٹھا کر اس کی گود میں رکھ دیے۔ اندر سے بلیک کلر کا سمپل لیکن اسٹائلش کٹ کا ڈریس میچنگ جیولری، سینڈل برآمد ہوئی آئنور حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''پسند آئی چیزیں؟''

''بہت خوب صورت ہیں۔''

''ابھی تمہیں پارلر ڈراپ کروں گا۔ تم تیار ہو جاؤ گی تو ہم ہوٹل پہنچ جائیں گے۔'' اس نئے پلان کو سن کر آئنور کو بھی اپنے معمولی کپڑوں کا احساس ہوا تھا جو کسی طور بھی ڈنر پر جانے کے لیے موزوں نہیں تھا۔ وہ بھی ایک نیو کپل کے لیے۔ لیکن اسے یہ سب بے حد عجیب لگ رہا تھا۔ وہ محبت میں اس کی بات مان تو رہی تھی ساتھ ہی ساتھ خود کو ٹٹولتی بھی جا رہی تھی۔ وہ حریص تو نہیں ہو رہی۔ ان مادی چیزوں کی وجہ سے مرسڈیز کی چمک، عرشمان ولی کی ڈیشنگ پرسنالٹی کا سحر یا اس کے اربوں کی پراپرٹی تو وجہ نہیں تھی جو وہ اس کے قریب ہوتی جا رہی تھی لیکن جواب ہمیشہ نفی میں ملتا تھا۔ عرشمان ولی کو سوچتے ہی ایک خوش کن احساس اسے گھیرے میں لے لیتا تھا۔ اس کا تصور اس کی دلکش مسکراہٹ اس کی دلفریب باتیں اسے آسودہ کر دیتی تھیں۔ وہ کتنی ہی پژمردہ ہوتی تھی اس کے ساتھ کا احساس ہی ذہنی سکون کا باعث بن جاتا تھا۔

''کوئی الجھن؟'' عرشمان ولی اس کے چہرے پر پھیلے تردد کو بغور دیکھ رہا تھا۔

''عرشمان! آپ میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں آپ کے اصرار پر یہاں تک آ تو گئی ہوں مگر کس حیثیت سے اس ڈنر کا حصہ بنوں گی پھر یہ سب۔ پہلے ہی وہ بریسلیٹ اور اب یہ......'' وہ الجھن بھری نظریں جمائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ابھی تک بظاہر ان کے درمیان کوئی معاشرتی رشتہ نہیں بنا تھا اور وہ اسے اپنی سوشل ایکٹی ویٹی میں ساتھ گھسیٹ رہا تھا۔ عرشمان ولی نے بغور اسے دیکھا۔ وہ شاید ڈری ہوئی تھی کہ کہیں وہ بدل نہ جائے، ساتھ نہ چھوڑ دے۔ لیکن وہ شاید ابھی اچھی طرح سے عرشمان ولی کو نہیں جانتی تھی۔

''تم میرے ساتھ، میری ہونے والی مسز کی حیثیت سے جا رہی ہو۔ یہ سب تم پر احسان نہیں ہے، تمہارا حق ہے اور اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔'' اس کی آنکھیں باور کروا رہی تھیں۔

''ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میں کیسے اور کس رشتے کے بل پر آپ سے یہ سب لیتی پھروں کیا جواب دوں گی اپنی فیملی کو۔'' وہ اسے اپنی پریشانی سے آگاہ کر رہی تھی جس کا اسے بھی بخوبی احساس تھا۔

''میں بس ڈیڈ کا ویٹ کر رہا ہوں۔ وہ دو تین دن میں آنے والے ہیں۔ پھر رشتہ بھی بن جائے گا۔ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟'' وہ استفہامیہ بھری نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''مجھے وقت پر اعتبار نہیں ہے۔ ڈرنے لگی ہوں اگر ایسا کچھ نہ ہوا جیسا آپ کہہ رہے ہیں تو؟'' وہ بے حد خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ پارلر آ چکا تھا۔ بریک لگا کر اس نے اسٹیئرنگ پر بازو دراز کر کے محبت سے اسے دیکھا تھا۔

''اگر ایسا ہوا تو کیا کرو گی؟''

''پتا نہیں۔ اس سوال پر ایک سناٹا اندر اتر آتا ہے۔'' اس نے الجھن بھرے انداز میں تھک کر سر سیٹ کی پشت سے ٹکا لیا۔ عرشان ولی نے اسٹیئرنگ پر چہرہ رکھ کر اس کے تاثرات کا جائزہ لیا۔

''ایسا کسی صورت نہیں ہوگا۔ کم از کم میرے جیتے جی تو نہیں۔ اندر جاؤ میں نے اپائنٹمنٹ لے رکھا ہے تمہارے لیے۔'' اس کے یقین بھرے لہجے کو پرکھتے ہوئے وہ گاڑی سے اتر گئی تھی۔

☆......☆

بڑا ہی پرشکوہ پارلر تھا۔ یہ نام وہ صرف بڑی بڑی ہستیوں کے منہ سے ہی سنتی رہی تھی۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک دن وہ بھی یہاں سے فیض یاب ہوگی۔ ریسپشن پر لڑکی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وجہ شاید اس کے معمولی کپڑے اور جوتی تھی۔ غالباً وہ اس کی حیثیت کا تعین کر رہی تھی کہ وہ صرف باہر پارلر کا بڑا سا بورڈ پڑھ کر آ گئی ہے یا اس کے پرس میں پیسے بھی ہیں۔ وہ اس کی نظروں سے اس کا تاثر جان گئی تھی۔ اس کے قدم اس چمچماتے فرش پر آتے ہوئے ٹھٹھکے ضرور تھے مگر اسے اپنی کم مائیگی پر کوئی ندامت نہیں تھی۔ پہلے جس طرح وہ اپنی مالی حیثیت چھپاتی تھی کم مائیگی چھلکنے پر شرمندگی محسوس کرتی تھی۔ اب اس میں تبدیلی آ گئی تھی۔ اس کی کم مائیگی میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اسے شرمندگی اپنی پرانی سوچ پر محسوس ہوئی تھی اور جب سے اس نے سوچ میں تبدیلی پیدا کی تھی قسمت خود مہربان ہو گئی تھی۔

''میری اپائنٹمنٹ ہے۔'' وہ پراعتماد چال چلتی ریسپشنسٹ تک آئی تھی۔

''آپ کا نام؟'' ریسپشنسٹ کی آنکھیں ایک لمحے کو تحیر سے پھیلی تھیں اگلے ہی پل اس نے پروفیشنلزم کی ڈوری کو تھام لیا۔

''آئنور!''

''مسز آئنور عرشان!'' ریسپشنسٹ کے لہجے کے ساتھ آنکھیں بھی پھیل گئی تھیں۔ آئنور ایک ثانیے کو جز بز ہوئی تھی۔ عرشان ولی کی اس حرکت پر عجیب تحفظ کا سا احساس ہوا تھا۔ اپنے نام کے ساتھ مسز لگا کر اس نے ان لوگوں کے سامنے بے حد معتبر کر دیا تھا۔ ورنہ وہ اسے کچھ اور بھی سمجھ سکتی تھیں۔

''جی!'' بے حد اعتماد سے اس نے کہا تھا۔

''میم آپ کا پرسنلی ویٹ کر رہی ہیں۔ کئی بار پوچھ چکی ہیں آپ کا، فرسٹ فلور پر چلی جائیں۔'' وہ مسکرا کر پلٹ گئی تھی۔ بدلتا لہجہ اور ٹون اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا تھا۔

''تم کیا چیز ہو عرشان ولی؟'' وہ بے ساختہ اسے یہ جملہ ٹیکسٹ کر بیٹھی تھی۔

''اپنے دل سے پوچھ لو۔'' اگلے پل ہی اس کا محبت بھرا جواب آیا تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

(جاری ہے)

# عید کا چاند

مہرین کنول

''دادا میں آج آئسکریم کھاؤں گی چلیں شام ہوگئی۔ آپ کہہ رہے تھے شام ہوتے ہی آئسکریم کھانے چلیں گے۔'' آٹھ سال کی ماہ نور نے حسب معمول اپنے دادا سے فرمائش کی تھی۔ ان کی بیگم نازی جی بڑی پیاری شخصیت کی مالک تھیں۔ جیسی صرت ویسا ہی پیارا دل اور سیرت پائی تھی۔

''ماہ نور بیٹا پہلے حرا کو آجانے دو، دونوں بہنیں ساتھ ہی آئسکریم کھانا۔'' دادا نے ماہ نور کو ہمیشہ کی طرح حرا کے خیال میں کہا تھا۔

''دادا وہ حرا اپنے کھلونوں سے کھیل رہی ہوگی اس کے انتظار میں تو بہت دیر ہو جائے گی۔'' ماہ نور جو زیادہ تر اپنے دادا دادی کے ساتھ رہتی۔ اپنے سارا سارا دن رات گزارنے کی عادی تھی۔ اپنے سے دو سال چھوٹی حرا کو بھی بہت پیار کرتی مگر آئسکریم کے معاملے میں بہت جلدی آئسکریم پارلر جانے کو ضد کرتی کہ پارلر گھر سے دو فرلانگ پر تھا۔

''السلام وعلیکم۔'' حرا اپنے مما پاپا کے پورشن سے نکل کر دادا کی طرف لپکی۔

''وعلیکم السلام میرا بچہ!'' دادا نے اس کو بہت پیار کیا اور حرا اور ماہ نور کو لیے آئسکریم پارلر لے آئے۔ پارلر کے قریب ہی چرواہے اپنے بکرے بکریوں کے ریوڑ لے کر گزرنے لگے۔

''دادا دیکھیں بکرے! کتنے پیارے بکرے ہیں۔'' ماہ نور، حرا نے سفید بکروں کو دیکھ کر شور مچایا اور دادا نے چرواہوں کو روک لیا ان کو کسی طرح سے منایا اور دو سفید پیارے سے بکرے ماہ نور، حرا کو خرید کر دے دیے اور ماہ نور، حرا اپنے اپنے بکروں کو لے کر گھر آگئیں ان کے ساتھ کھیلتی اور انہیں گھاس کھلاتیں۔ زیادہ تر بکروں کو ان کے انو چاچو سنبھالتے تھے جنہیں جانوروں سے زیادہ لگاؤ تھا۔ دن وقت گزرنے لگے عید الفطر گزری۔ ذی العقد کا مہینہ گزرا اور عید الاضحیٰ کا چاند نظر آیا اور قربانی کے جانور لانے کی باتیں ہونے لگیں تھیں۔

''تبھی گائے تو آنے والی ہے مگر ان دو سفید بکروں کا کیا ہوگا۔'' انو چاچو نے دونوں سفید بکروں کی طرف نظر ثانی کروانی چاہی۔

''یہ دو سفید بکرے ماہ نور اور حرا کے بکرے ہیں کتنا لگاؤ رکھتی ہیں وہ ان سے۔'' نہ دادی نے کہا تھا کہ حرا نے جو وہیں اپنے کھلونوں سے کھیل رہی تھی فورا ساتھ کھیلتی ماہ نور سے کان میں کچھ کہا اور پھر اپنی دادی کے پاس آئیں۔

''دادی ہم دونوں کے بکروں کو بھی ذبح کرنا عید کو۔'' ماہ نور، حرا نے کہا تو اتنی چھوٹی سی عمر کی دونوں پوتیوں کو اپنے بکروں کو اس طرح سے خود ہی قربانی کے لیے دیتے دیکھا تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکیں۔

''ماہ نور، حرا آپ دونوں تو بکروں کو بہت پیار کرتی ہو تو کیسے آپ نے ان کو ذبح کرنے کے لیے کہہ دیا؟'' انہوں نے ان سے پیار سے پوچھا۔

''دادی مہرو پھپھو نے ہمیں قربانی کا مطلب سمجھایا ہے۔ بقرہ عید کے بارے ہمیں بتایا ہے۔ اللہ کی راہ میں اپنی پیاری چیز قربان کرنا چاہیے۔'' ماہ نور، حرا ایک ساتھ بتانے لگیں۔

''ہم بھی اپنے بکرے اللہ کی راہ میں قربان کریں گے۔ ہماری کلاس میں بھی اسلامیات کی ٹیچر نے حضرت اسمعیلؑ اور حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ پڑھایا ہے۔'' ماہ نور نے مزید بتایا تو دادا اور دادی نے اپنی پوتیوں کو فرط جذبات سے گلے لگا لیا انہیں خوشی ہوئی تھی کہ ان کی پوتیوں میں ایثار کا جذبہ جو انہوں نے دیکھا تھا کہ ان کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

☆......

نظیر فاطمہ

# شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

میں مسماۃ عابدہ کلثوم ہوں۔ مجھ جیسی بندی جس کے لیے صبح سویرے اٹھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو (اس بری عادت کی وجہ سے اکثر میری فجر کی نماز قضاء ہو جاتی ہے اور امی کے علاوہ ابو کی ڈانٹ بھی کھانا پڑتی ہے۔) آج صبح چار بجے خود بخود بیدار ہو کر یونیورسٹی جانے کی تیاری کر رہی ہو تو کسی کو مشکل سے یقین آئے گا نا۔ ارے نہیں، نہیں اس کی وجہ پڑھنے سے ”میری دلی محبت“ ہرگز نہیں ہے بلکہ ہمارے ڈپارٹمنٹ کا وہ ایک روزہ ٹرپ ہے جو آج اسلام آباد جانا ہے اور اس کے لیے تمام طلبہ و طالبات کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ صبح ٹھیک ساڑھے پانچ بجے یونیورسٹی پہنچ جائیں۔ ورنہ رہ جانے والوں کی طرف پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا جائے گا۔ اب میں نے اتنے پیسے دیئے ہیں وہ ضائع تو نہیں کرنے نا اور دوسرے میں کلاس چھوڑ سکتی ہوں ٹرپ نہیں۔ یہ بات آف دی ریکارڈ ہے، ابو کو معلوم نہیں ہونی چاہیے ورنہ...... آگے آپ خود سمجھدار ہیں۔

یہ شاید ”پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے“ والی دھمکی کا نتیجہ تھا کہ خلاف معمول سب وقت پر یونیورسٹی پہنچ گئے اور دونوں بسیں سفر پر روانہ ہو گئیں۔ اسلام آباد تک کا سفر بہت خوشگوار رہا۔ گانے سنے گئے۔ ایک دوسرے کا ریکارڈ لگایا گیا اور کچھ ٹیچرز کی پیروڈی کی گئی اس طرح ہنستے گاتے ہم لوگ اسلام آباد پہنچ گئے۔ زندگی میں یہ میرا پہلا ٹرپ تھا جو میں نے صرف جاتے ہوئے انجوائے کیا۔ اسلام آباد میں بسوں سے اترنے کے بعد سے واپس لاہور آنے تک مجھے ایک ملال ایک دکھ نے گھیرے رکھا۔ ارے یہ مت سمجھیے گا کہ کوئی عشق وشق کا چکر ہو گا اور مجھے وہاں پرانی یادوں نے گھیر لیا ہو گا۔ بخدا ایسا نہیں ہے۔ اس کی وجہ نو دس سال کی وہ بچی تھی جس نے پرانے سے قدرے میلے کپڑے پہن رکھے تھے اور وہ منرل واٹر کی ایک بوتل اٹھائے ہماری ایک نئی آنے والی ”نخریلی ٹیچر“ مس ملک کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ ڈیڑھ لیٹر پانی کی بوتل اتنی وزنی ہوتی ہے کہ اسے اٹھانے کے لیے آپ کو نو دس سال کا ایک بچہ ہائر کرنا پڑے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بچی مس ملک کے والدین نے اپنی اس بچی کی سہولت کے لیے نوکر رکھی ہوئی ہے جو اب خیر سے یونیورسٹی میں پڑھانے کے فرائض انجام دیتی ہے۔

☆......☆

اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے کہ میں کوئی بدتمیز سی اسٹوڈنٹ ہوں جو اپنے استادوں کا احترام نہیں کرتی۔ بس مس ملک وہ واحد استانی ہیں جو اپنے طالب علموں سے بہت تنگ رہتی ہیں اور طالب علم ان سے اس سے بھی زیادہ تنگ ہیں۔ آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ یونیورسٹی میں ایسے اساتذہ کے بارے میں طلبہ کی کیا رائے ہوتی ہے۔ مس ملک بہت نخریلی اپنے علاوہ باقی سب کو گدھا سمجھنے والی خاتون ارے نہیں نہیں خاتون نہیں لڑکی (مس ملک کو خاتون کہلائے جانا بالکل پسند نہیں ہے) چلتی یوں ہیں جیسے زمین کی سات پشتوں پر احسان فرما رہی ہوں اور ہر وقت اپنی تعریف سننا بہت پسند کرتی ہیں اور پڑھانے کے دوران اگر کوئی طالب علم کوئی ایسا سوال پوچھ لے جو ان کے آئی کیو لیول سے بلند ہو تو اس طالب علم کو ایسی

جھاڑ پلاتی ہیں کہ الامان الحفیظ۔ یونیورسٹی میں پڑھنے والا ہر طالب علم جانتا ہے کہ کوئی استاد ایسا رویہ کب اپناتا ہے۔ خیر تو میں بات کر رہی تھی اپنے اس ملال کی جو مجھے اس بچی کو دیکھ کر ہوا۔

نو دس سال کی وہ بچی مس ملک کے پیچھے پیچھے پھر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر سہمی ہوئی گھبراہٹ تھی اور جیسے ہی مس ملک اسے ڈانٹ کر پکارتیں اس کی آنکھیں خوف سے بھر جاتیں جس بس میں مس ملک سوار تھیں اس بس کے طلبہ نے بتایا کہ مس ملک نے اس بچی کو پورے راستے (یاد رہے ہم لاہور سے اسلام آباد آئے ہیں)۔ بس کے فرش پر بٹھائے رکھا ہے۔ حالانکہ بس کی دو سیٹیں خالی تھیں۔ ڈرائیور نے ایک دو بار کہا بھی کہ بچی کو سیٹ پر بٹھا دیں لیکن مس ملک نے نخوت سے ''یہ یہیں پر ٹھیک ہے'' کہہ کر بات ختم کر دی۔ یہ سن کر ہمارے گروپ کا خون کھول اٹھا اور سب گروپ ممبر کہنے لگے کہ اگر مس ملک اور یہ بچی ہماری بس میں سوار ہوتے تو ہم دیکھتے وہ اس کو کیسے بس کے فرش پر بٹھاتیں۔ اصل میں ہمارا گروپ یونیورسٹی میں ''اتھرے گروپ'' کے نام سے مشہور ہے جو ہر ظلم و زیادتی کے خلاف اتنا شور مچاتا ہے کہ مظلوم کا کچھ نہ کچھ بھلا تو ہو ہی جاتا تھا۔ ویسے ہم نے اس بات پر کبھی غرور نہیں کیا۔ بچی کے ساتھ اس ناانصافی کا ذکر سن کر عنبر کی آنکھوں میں باقاعدہ آنسو آ گئے۔ وہ ایسی ہی ہے دوسرے کے غم پر آنسو بہانے والی۔

☆......☆

گھومنے پھرنے کے دوران دوپہر کے وقت سب کھانا کھانے کے لیے ایک ریسٹورنٹ میں رکے۔ کھانا کھاتے ہوئے اچانک میری نظر اس بچی پر پڑی جو مس کی کرسی کے پیچھے کھڑی سب کو دیکھ رہی تھی اور پانی کی بوتل ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی۔ مس ملک اطمینان سے کھانا کھانے میں مشغول تھیں۔ اس ظلم پر (ظلم ہی ہوا نا کہ ایک بچی سب کو کھانا کھاتے دیکھ رہی تھی۔ یقیناً اسے بھی اتنی ہی بھوک لگی ہو گی جتنی ہم سب کو بلکہ ہم سے شاید زیادہ اور پتہ نہیں اس نے صبح ناشتہ بھی کیا تھا یا نہیں؟) میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے ایک پلیٹ میں کھانا نکالا اور اس بچی کے پاس جا کر اسے پلیٹ پکڑانا چاہی تو اس نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے کر لیے۔ مجھے اس کی وجہ سمجھ آ چکی تھی۔

''مس ملک آپ کو شاید یاد نہیں رہا کہ آپ اس بچی کو بھی ساتھ لے کر آئی ہیں۔ اسے کہیے نا یہ بھی کھانا کھا لے۔''

میرے کہنے پر مس ملک نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے بچی کو تیز نظروں سے گھور کر کھانے کی اجازت دے دی۔ وہ بچی پلیٹ پکڑ کر نیچے بیٹھ گئی تو میں نے پلیٹ واپس اٹھا کر اسے ایک خالی میز پر بٹھا دیا۔ اپنی میز پر اس لیے نہیں بٹھایا کہ وہ جھجک محسوس کرے گی اور ٹھیک سے نہیں کھائے گی۔

شام تک وہ بچی مس ملک کے پیچھے پیچھے پھر کر تھک چکی تھی لیکن مس ملک کو اس بات کا ذرا برابر احساس نہ تھا۔ واپسی کے سفر میں میں ایک عجیب سے احساس جرم کا شکار رہی۔ جیسے اس بچی کی اس حالت کی ذمہ دار میں خود ہوں۔ بے چاری بچی! نہ جانے ماں باپ کو کیا مجبوری تھی جو اپنے جگر کے ٹکڑے کو یوں بے رحم دنیا کے حوالے کر دیا تھا۔ مجھے یہ بھی سمجھ نہیں آئی تھی کہ مس ملک اس بچی کو ساتھ کیوں لائی تھیں۔ ان کا مقصد بچی کو تفریح کروانا تو ہرگز نہیں تھا۔ شاید وہ دوسروں کو یہ بتانا چاہتی تھیں کہ دیکھو مجھے اللہ نے اتنا نوازا ہے کہ میرے پاس پانی کی بوتل اٹھانے کے لیے بھی ایک نوکرانی موجود ہے۔ نہ جانے اس طرح بچی کو اپنے پیچھے پھرا کر ان کی کس حس کی تسکین ہوئی تھی۔ شاید ایسا کرنے سے انہیں یہ محسوس ہوا ہو گا کہ وہ انسانیت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہو گئی ہیں۔

☆......☆

اُف مس ملک کی اس حرکت نے مجھ جیسی غیر سنجیدہ بندی کو بہت دنوں تک ملال میں مبتلا رکھا تھا۔ آخر میں نے اپنے پورے گروپ سے مشورہ کر کے کوئی ایسی صورت نکالنے کی کوشش کی جس سے مس ملک کو ان کے اس رویے کا احساس دلایا جا سکے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمارا گروپ اکثر دو دو گھنٹے کی بحث کے بعد بھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچتا۔ آخر دس دن کی سوچ بچار کے بعد ہم نے یاہو پر ایک نئی آئی ڈی بنائی (تاکہ پکڑے نہ جائیں بھئی......!) اور مس ملک کو ایک ای میل بھیج دی۔

محترمہ مس ملک السلام علیکم!

ہم گھما پھرا کر بات نہیں کریں گے۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ نے جس بچی کو اپنی خدمت پر مامور کر رکھا ہے، ٹرپ کے دوران اس کے ساتھ آپ کا سلوک ملاحظہ کر کے ہم تب صدمے کی کیفیت میں ہیں۔ خدارا اپنے رویے پر نظر ثانی کیجیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے کہ اس نے آپ کو مس ملک بنایا ہے وہ بچی نہیں جو آپ کے پاس نوکرانی کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ آپ خود باشعور ہیں اور ماشاءاللہ استاد کے عہدے پر فائز ہیں۔ اسلام تو ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ جیسا خود کھائیں ویسا اپنے نوکر کو کھلائیں، جیسا خود پہنیں ویسا اسے پہنائیں۔ چلیں اس کو چھوڑیں کہ اس پر عمل کرنا ہم انا کے مارے ہوئے انسانوں کے لیے بہت مشکل ہے۔ آپ اسے صرف انسان سمجھ لیں اور ایک انسان کو زندہ رہنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسے مہیا کریں۔

یہ مال، دولت، نوکر چاکر سب ہماری آزمائش ہیں کہ ہم اللہ کی ان نعمتوں کو پا کر اس کا شکر ادا کرتے ہیں یا اسے بھول کر فرعونیت اختیار کرتے ہیں۔ ایک اور اہم بات کہ حقوق العباد کی ادائیگی میں ناکامی کی صورت میں روزِ حساب ہماری عبادات بھی ہمیں کچھ فائدہ نہ دیں گی کہ ان کا ثواب ان لوگوں میں بانٹ دیا جائے گا جن کی ہم نے حق تلفی کی ہو گی۔ سوا اپنے اردگرد رہنے والے انسانوں کے لیے آسانیاں پیدا کریں خاص طور پر ان کے لیے جنہیں اللہ نے ہمارا دستِ نگر بنایا ہے۔

اندازِ بیان گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

اُمید ہے آپ ہماری اس درخواست پر غور فرمائیں گی۔

آپ کے چند خیر خواہ

☆......☆

اگلی صبح مس ملک کی کلاس میں ہم سب دل میں قدرے ڈرے ہوئے تھے۔ اگرچہ پکڑے جانے کا کوئی خدشہ نہیں تھا لیکن مس ملک کے گرجنے اور کڑکنے کے امکانات خاصے روشن تھے۔ مس ملک وہ ای میل پڑھ چکی تھیں اس کا یقین ہمیں آپ کی ای میل پڑھ لی گئی ہے۔ کا پیغام وصول ہونے سے ہو گیا تھا۔ کلاس میں ہم سارا وقت یہ انتظار کرتے رہے کہ کب مس ملک پوری کلاس کی عزت افزائی کرتی ہیں۔ پوری کلاس کی اس لیے کہ انہیں معلوم نہیں تھا نا کہ یہ جرأت کس نے کی ہے لیکن اس وقت ہم سب حیرت سے بے ہوش ہوتے ہوتے بچے، جب پورا پیریڈ پڑھانے کے بعد وہ کلاس سے باہر نکل گئیں۔ ہمارے پورے گروپ نے یاہو کا نعرہ لگایا اور ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارے۔ باقی کلاس ہمیں یوں دیکھنے لگی جیسے ہم پاگل ہو گئے ہوں۔ ان سب کو ہماری اس حرکت کا علم جو نہیں تھا۔ خیر ہم بھی خاموش رہے کہ منظور تھا پردہ مس ملک کا۔ اب نہ جانے ہماری ای میل ان کے دل میں اتر گئی تھی یا وہ کسی مصلحت کے تحت خاموش تھیں۔ بہرحال جو بھی تھا ہمیں اس بات کی خوشی تھی کہ ہم نے اس بچی کے حقوق کے حوالے سے اپنا فرض ادا کرنے کی ایک کوشش تو کر ہی دی تھی۔ چاہے پکڑے جانے کے خوف سے گمنام رہ کر ہی سہی کیوں! آپ کیا کہتے ہیں؟

......☆......

# آج کا مسلمان

ثناء کنول

''امی! میں اپنی دوست رابعہ کے گھر جارہی ہوں، یہ کچھ سوال مجھے سمجھ نہیں آرہے تھے اس سے سمجھ کرآتی ہوں۔''

فاطمہ عبایا پہنتی نقاب لگا کر نسیمہ بیگم سے بولی تو کچن میں سبزی بناتی وہ بولیں۔ ''اچھا بیٹا! خیال سے جانا اور جلدی آنا ورنہ تمہارے پاپا غصہ کریں گے۔''

''جی اچھا امی! آپ پریشان نہ ہوں میں یوں گئی اور یوں آئی، خدا حافظ۔''

مسکراتی ہوئی وہ نقاب درست کرتی بولی اور گلی کے آخر میں بنے گھر کی طرف چلی آئی۔

''السلام علیکم آنٹی! رابعہ کہاں ہے؟''

''ہائے بیٹا! وہ لان میں ہے۔''

''آنٹی فری اپنی ساڑھی درست کرتی ہوئیں بولیں اور باہر نکل گئیں۔ تو وہ سیدھی ٹی وی لاؤنج کی طرف چلی آئی۔ سامنے ہی بڑے سے ایل سی ڈی پر کسی ڈرامے میں بھگوان کا بھجن گایا جارہا تھا جسے رابعہ بھی جھومتے ہوئے ویسے ہی کہہ رہی تھی۔

فاطمہ کے ہاتھ سے بے اختیار کتابیں زمین پر جاگریں وہ بھاگتی ہوئی آگے بڑھی اور بے اختیار کانپتے ہاتھوں سے اس نے ٹی وی بند کیا اور صوفے پر گر کر اپنی دھڑکنیں سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی جب کہ رابعہ چیخ کر بولی۔ ''یہ تم نے کیا کردیا اتنا پیارا سین آنے والا تھا۔ سارے ڈرامے کا بیڑا غرق کردیا۔''

''پلیز مائنڈ یور لینگویج، یہ تم کیا دیکھ رہی تھیں اور ساتھ بول بھی رہی تھیں۔''

''تو کیا ہوا ایک بھجن ہی تو تھا کوئی قیامت تو نہیں آگئی نا۔''

''قیامت......! ارے یہ قیامت کی نشانیاں ہی تو ہیں کہ ہم لوگ خود اپنے ہی ہاتھوں اپنا ایمان ختم کررہے ہیں اور تم کہہ رہی ہو کہ قیامت تو نہیں آگئی......!''

اس کی بات پر رابعہ پریشانی سے بولی۔ ''کیا میرا بھی ایمان ختم ہوگیا ہے، تو میں کیا کروں کہ میرا ایمان واپس آجائے۔''

فاطمہ اس کو سمجھاتے ہوئے بولی۔ ''اس کا ایک حل ہے کہ تم ایمان تجدید کرلو۔''

''وہ کیسے؟''

''اس طرح پہلے دعا کرو کہ اے اللہ میں نے کوئی کفریا کام کیا ہو یا کچھ کفر والا سنا ہو یا دیکھا ہو تو مجھے معاف کردے۔ میں توبہ کرتی ہوں اور ایمان تجدید کرتی ہوں۔ پھر تین بار کلمہ پڑھ لو اگر خدانہ کرے کہ تمہارا ایمان ختم ہوچکا ہوگا تو واپس آجائے گا۔''

''تھینک یو سوچ! یار تم نے مجھے تباہ ہونے سے بچا لیا ورنہ پتا نہیں میرا انجام کیا ہوتا۔ انسان کے لیے اس کا ایمان اس کی جان سے بھی بڑھ کر اہم ہوتا ہے اور ہمیں بعض دفعہ پتا بھی نہیں چلتا کہ ہمارا ایمان ختم ہوچکا ہوتا ہے۔''

''فاطمہ کیا کسی اور چیز سے ایمان ختم ہوجاتا ہے؟''

''ہاں، ایسے گانے جن میں انسان کو خدا کہا جائے یا اس کے برابر کہا جائے یا پھر اس سے پہلے کہا جائے تو یہ سننے سے بھی ایمان ختم ہوجاتا ہے۔ آج کل ایسے بہت سے گانے چل رہے ہیں جن میں یہ سب کہا جاتا ہے۔'' فاطمہ کے کہنے پر رابعہ نے اسے گلے لگا لیا اور بولی۔ ''تم یہ بات ہر کسی کو بتانا تا کہ آج کے مسلمان کا ایمان بچ سکے اور ہم ایک سچے اور اچھے مسلمان بن سکیں۔''

''میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں اس بات کو ضرور پھیلاؤں گی انشاءاللہ۔''

''تو آپ سب بھی آج مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ اپنا اور دوسروں کا ایمان ضرور بچائیں گے۔''

......☆......

ایقان علی

# ستارے

''وہ میرا واحد اثاثہ ہیں''۔عثمان کی پلکیں بھیگنے لگیں۔
''ابو کے بعداب میں انہیں نہیں کھوسکتا''۔
''ڈونٹ وری''۔دور صدیقی صاحب کے گھر' احمر کے کمرے میں اسکائپ آن تھی۔

''جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ! میری منگنی میں تمہیں ضرور آنا ہے''۔ندا احمر سے کہہ رہی تھی۔
''جی آپی! لیکن شاید بھائی نا آئیں' اس کے پیپرز ہونے والے ہیں اور ابو کا تو آپ کو پتہ ہے''۔
''اوہ''۔وہ دل مسوس کر رہ گئی۔
''چلو اچھی بات ہے' یہ بندر نما آدمی نا ہی آئے تو بہتر ہے''۔وہ تلملایا۔
''ہاں' ہاں وہ تمہارا والا بندر ہی کافی ہے ناں''۔ندا نے منہ چڑایا۔
''سارے جہاں کی شادیاں ہو رہی ہیں ایک میری نہیں ہو رہی''۔وہ جلا ہوا بیٹھا تھا۔
''میں ڈھونڈ دوں کوئی؟''
''ہیں جی شکریہ! مجھے کسی لڑکی سے شادی کرنی ہے اور تم کوئی اپنے جیسی مخلوق ڈھونڈ دو گی''۔

☆☆☆☆

## تیسری قسط

احمر کافی دیر سے محسوس کر رہا تھا کہ وہ کچھ پریشان ہے پر وہ ہاتھ نہیں آ رہا تھا' آج فری پیریڈ میں وہ اسے گھیر کر بیٹھ گیا۔

''جلدی بک کیا ہوا ہے؟'' عثمان نے امی کی بیماری کا سارا احوال کہہ دیا تھا' وہ افسردگی سے سنتا رہا تھا۔

''یار! تو پریشان نا ہو' انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا''۔

''ری کوری کی کوئی امید نہیں ہے''۔ وہ رو دینے کو تھا۔

''ڈاکٹرز خدا نہیں ہوتے عثمان! تو مایوس ہوئے بغیر علاج شروع کروا''۔

''ہاں میں نے ماموں سے کہا ہے کہ گھر کے لئے کوئی کسٹمر ڈھونڈیں مجھے اب مزید دیر نہیں کرنی''۔

''عثمان''۔ احمر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''تو میرے بھائی جیسا ہے'' میری مدد چاہیے ہو تو''۔ عثمان نے بات کاٹی۔

''یار! تیرا کہہ دینا کافی ہے' تو بس دعا کر دے میرے لئے بہت ہے''۔

''ٹھیک ہے' لیکن پھر بھی کبھی مدد کی ضرورت ہو تو مجھے صرف ایک بار کہہ دینا وہ میری بھی ماں ہیں''۔

''تھینک یو''۔

☆☆☆☆

انگلش کی کلاس ہو رہی تھی۔ وہ آج ذرا لیٹ تھا تو جگہ پیچھے ملی تھی' اس نے ڈیسک پر بیٹھتے ہی کتاب کھول لی تھی' برابر میں بیٹھا ہوا لڑکا ایس ایم ایس پر چیٹنگ میں مصروف تھا۔

''ڈارلنگ! آج تو ملنا ہوگا پلیز''۔ احمر نے ترچھی نظر ڈال کر پیغام پڑھا' وہ کسی ''فلک'' کو پیغام کر رہا تھا۔

''پتہ نہیں کیسے پھنسا لیتے ہیں یہ لڑکیوں کو''۔

''خدا کے لئے مجھے بخش دو''۔ جواب آیا تھا۔

''جو میں نے کہا ہے بس وہ کرو' ورنہ وہ ویڈیو تمہارے ابو کو دے دوں گا''۔ احمر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے (اف بلیک میلنگ)

''ہیلو؟'' احمر نے ہولے سے اسے پکارا۔

''مجھے ایک منٹ کے لئے موبائل دے سکتے ہو؟ مجھے اپنے فرینڈ کو ایس ایم ایس کرنا ہے' میرا سیل گھر رہ گیا ہے''۔

''شیور''۔ احمر نے موبائل لیا اور جلدی سے ان باکس میں گیا' وہ لڑکا دوسری طرف متوجہ تھا' اس نے ''فلک'' کا نمبر ازبر کیا' ایک میسج میں ٹائپ کیا اور اپنے نمبر پر سینڈ کر دیا' وہ میسج سینٹ آئٹم میں سے ڈیلیٹ کر دیا اور موبائل اسے لوٹا دیا۔

☆☆☆☆

وہ پریشانی کے عالم میں اسپتال کے کوریڈور میں ٹہل رہا تھا' زینب آئی سی یو میں تھی' حالت کافی نازک تھی لہٰذا آپریشن کرنا پڑ رہا تھا اڑھائی گھنٹے وہ وہاں ٹہلتا رہا تھا جب ڈاکٹر باہر آئے تھے۔

''مبارک ہو! اٹس بوائے''۔ اسے سمجھ نہیں آئی کہ اپنے جذبات کا اظہار کیسے کرے' تھوڑی دیر میں نرس تولئے میں لپٹا وہ وجود اسے دکھانے لائی تھی وہ اس کا بیٹا تھا اس کے وجود سے جنم لینے والا ایک وجود وہ سمجھ نا سکا کہ وہ کیسا محسوس کر رہا ہے۔



''اور زینب وہ ٹھیک ہے؟'' اس نے ڈاکٹر سے سوال کیا تھا' وہ خاموش رہ گئے تھے' پھر نزدیک آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''آئی ایم سوری! وہ نہیں رہی''۔ وہ جہاں کا تہاں رہ گیا' سانس ہی نہیں لے سکا' دل دھڑکنا بھول گیا۔

''بلیڈنگ بہت زیادہ ہو گئی تھی ہم اسے نہیں بچا پائے' سوری ینگ مین''۔ اس کے قدموں تلے فرش کھسک رہا تھا' نزدیک ہی حنائی ہاتھ تھے' مترنم سی ہنسی' گلابی رخسار' وہ مر گئی تھی۔

☆☆☆☆

گھر بک چکا تھا' رقم ماموں نے بینک میں جمع کروا دی تھی' ڈاکٹر آفندی سے بات بھی ہو چکی تھی' بلڈ کینسر کا سست ترین علاج شروع ہو چکا تھا پہلے تو ان تمام ٹیومرز کا خاتمہ ہونا تھا جو سارے جسم میں پھیل چکے تھے پھر ٹرانسپلانٹ کا مہنگا ترین عمل۔ سارا کھیل پیسے اور اعصابوں کا تھا' پیسہ جوان ماں بیٹے کے پاس بہت کم تھا اور اعصاب جو بہت کمزور تھے' لیکن امید تھی جو تپتے صحرا میں ہوا کے جھونکے کی مانند تھی' ایسا جھونکا جو صدیوں بعد چلتا ہے اور لمحوں میں کھو جاتا ہے۔

☆☆☆☆

گھر تقریباً خالی تھا' امی' ابو اور احمد سب ندا کی منگنی میں جا چکے تھے' اگلے ہفتے اس کے پیپر تھے لہٰذا وہ اکیلا گھر پر ہی تھا' شام میں کھانے کے بعد اسے ''فلک'' والے نمبر کا خیال آیا تھا' کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے نمبر ملایا تھا' کئی دفعہ کی کال کے بعد فون ریسیو کر لیا گیا تھا۔

''ہیلو! فلک بات کر رہی ہیں؟''

''کیوں؟'' نسوانی آواز اسپیکر سے ابھری تھی۔

''دیکھیں میں آپ کا خیر خواہ ہوں مجھے غلط مت سمجھئے گا کیا آپ فلک ہیں''۔

''جی''۔ کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولی تھی۔

''گڈ! دیکھئے مجھے نہیں پتہ آپ کا کیا مسئلہ چل رہا ہے لیکن مجھے اتنا ضرور پتہ ہے کہ کوئی لڑکا آپ کو بلیک میل کر رہا ہے دیکھئے آپ''۔

''سوری رونگ نمبر''۔ وہ فون بند کر دینے کو تھی۔

''دیکھئے! پلیز آپ اس سے مت ڈریں' اپنے پیرنٹس کو اعتماد میں لیں' وہ ضرور آپ کا اعتبار کریں گے' آپ دوبارہ ہرگز مت ملیں اس سے وہ آپ کو''۔ ٹوں ٹوں کی آواز آئی اور فون بند ہو گیا' وہ خاموش بیٹھا رہ گیا تھا۔

☆☆☆☆

وہ بے یقینی کے عالم میں کھڑا اس بے حس ساکت وجود کو دیکھ رہا تھا ان آنکھوں کو دیکھ رہا تھا جو ہمیشہ کے لئے بند ہو چکی تھیں پھر کبھی نا کھلنے کے لئے پھر اس نے بے یقینی سے اس ننھے وجود کو دیکھا جو اس کی گود میں مسلسل رو رہا تھا۔ ایک زندگی جس نے موت سے وجود لیا تھا۔ وہ کون تھا' کہاں تھا' کیوں تھا' وہ سب کیا ہو رہا تھا' حمزہ کریم کو ہرگز خبر نہیں تھی وہ گم صم سا نجانے کیا کیا سوچ رہا تھا۔

''آپ کا فون بج رہا ہے''۔ نرس نے بتایا تو وہ خالی الذہنی سے اسے دیکھنے لگا۔

''فون تھا کیا ہوا؟'' نجانے فون کس نے سنا اور نجانے کیا بتایا' جب تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد دادا ابو اور تایا اسپتال آئے تو وہ زینب کے اسٹریچر کے پاس زمین پر بیٹھا تھا اس کی گود میں بچہ رو رہا تھا۔

"زینب زینب مر گئی ابا"۔ تایا' دادا ابو کے گلے لگے رو رہے تھے۔

☆☆☆☆

فلک نے کال ڈسکنیکٹ کی اور خاموشی سے بیٹھی موبائل کو تکتی رہی' وہ نجانے کون تھا جس نے فون کیا تھا' وہ اسے نا ڈرنے کو کہہ رہا تھا وہ کیسے نا ڈرے؟ اس انسان کے پاس جو تھا اس کے بعد وہ کیسے نا ڈرے؟

"ہیلو جان! کل ملو"۔ ارحم کا SMS آیا تھا' لمحوں میں فلک کا دماغ گھوم گیا تھا' جواباً اسے فون کر کے فلک نے گالیاں دی تھیں' ماں بہن کی گالیاں مرجانے کی بددعائیں وہ جواباً صرف ہنستا رہا تھا جب وہ ہانپ گئی تو بولا۔

"جان! کل ملو"۔ فلک الیاس کو پچھتاوے نے آ گھیرا' وہ گالیاں جو آج اسے دی تھیں' بہت پہلے اسے دینی چاہئے تھیں' اور بددعائیں بھی' اب قبولیت کے وقت گزر چکے تھے' اب وہ جال میں تھی اور ہاتھ پاؤں مارنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"جہنم میں جاؤ تم! میں نہیں آنے والی"۔ اس نے کہہ کر فون بند کر دیا' اگلے دن وہ اسے ملنے نہیں گئی تھی' شام میں اس کا فون آیا۔

"قسم خدا کی فلک! اب تو دیکھ میں کیا کرتا ہوں"۔ فلک اس کے انداز سے دہل گئی۔

"کر لو جو کرنا ہے میں اب نہیں ملنے والی"۔

"وہ تیرا کزن ہے ناں جس کی صدر بازار میں موبائل شاپ ہے' اسے دوں گا پہلے ویڈیو' تو دیکھتی جا میں کیا کرتا ہوں"۔

☆☆☆☆

"یار! اپنے پرنس چارمنگ کی کوئی تصویر ہی دکھا دو' ہم بھی تو دیکھیں"۔ وہ اسکائپ پر ندا سے بات کر رہا تھا' ن ختم ہو چکا تھا وہ سامنے بیٹھی ہار بندے اتار رہی تھی۔

"میرے پاس پکچرز نہیں ہیں انہوں نے تصویریں بنائی تھیں اور وہ ساتھ ہی لے گئے جب ہمیں بھیجیں گے تو دکھا دوں گی"۔

"ہونہہ" احمر نے ہنکارا بھرا۔

"اور کیسا رہا فنکشن"۔

"شاندار! ویسے تم آتے تو مزا دوگنا ہو جاتا"۔

"میں کیسے آ جاتا"۔ احمر نے منہ بنایا۔

"ہمارے جلاد ابا حضور سے تو تم واقف ہو' تمہاری منگنی سے پہلے میرے قل ہو جاتے اگر میں آنے کی ضد کرتا' کبھی کبھی میں سوچتا ہوں انہیں کسی تھانے میں کوتوال ہونا چاہئے"۔ وہ کھلکھلائی۔

"توبہ توبہ' مجھے اسکائپ کال کر کے ابو کی بدخوئیاں کروا رہے ہو' اللہ توبہ"۔ اس نے گال پیٹے تھے۔

"شیطان کی چاچی! ابھی دیکھنا تم غائب ہوتیں"۔ احمر نے استغفار پڑھ کر اسکرین پر پھونک ماری اور اسکائپ آف کر دی۔

☆☆☆☆

تدفین ہو گئی تھی وہ بے یقین سا ہر شے دیکھتا رہا۔

"حمزہ پتر! صبر کر"۔ دادا ابو کا دلاسا' ایک ہفتہ گاؤں رہ کر وہ واپس آ گیا تھا' بچہ وہیں اماں کے سپرد کر آیا تھا'



"حمزہ اٹھو"۔ پانچویں پکار پر بھی وہ نہیں اٹھا تھا تو اس نے پانی کا جگ اس کے منہ پر انڈیل دیا تھا' وہ ہڑبڑا کر چونکا اور بیڈ کو دیکھا وہ خشک تھا دور اس کی ہنسی گونج رہی تھی۔

"جلدی تیار ہو جاؤ' باہر جانا ہے"۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی لپ اسٹک لگا رہی تھی وہ بار بار پھیل رہی تھی۔

"میں لگا دوں؟" وہ فٹ سے اس کی طرف مڑی اور لپ اسٹک اسے تھمادی وہ اکڑوں بیٹھا اور لپ اسٹک لگانے لگا' لپ اسٹک لگوانے کے بعد وہ گھومی اور خود کو شیشے میں دیکھا' وہ ستائشی انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"میری آج خیر نہیں"۔ وہ سب باتیں' یادیں بن چکی تھیں' وہ سانولی سی لڑکی منوں مٹی تلے دفن ہو چکی تھی۔

"عادتیں بگاڑ رہے ہو تم میری کوئی بات نہیں مجھے بگڑی بیوی بھی قبول ہے"۔ سرگوشی سی ہوئی اور اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔

"مجھ سے کبھی جدا مت ہونا"۔ حنائی ہاتھوں سے اس کے ہاتھ تھامے وہ وعدے لے رہی تھی۔

"زینب"۔ اس نے ہولے سے پکارا' آنسوؤں کی ایک لکیر سی گالوں پر بہہ نکلی تھی۔

"اگر لڑکی ہوئی تو"۔ وہ شرارتی انداز سے پوچھ رہا تھا۔

"ہونہہ"۔

"اور لڑکا ہوا تو"۔

'واہ جی! ساری پلاننگ اماں نے کر لی اور ابا سے پوچھا بھی نہیں"۔

"اپنے پتر کا نام تو رکھ دے"۔ آخری وقت جب وہ شہر آ رہا تھا تو اماں نے پوچھا تھا وہ "زین" کہہ کر رکا نہیں تھا' رکتا تو وہ مسکراتی ہوئی دکھائی دے جاتی' اسے رلا دیتی۔

"زینب!" وہ زور سے چلایا' سرگوشی پر حاضر ہونے والی اب چلانے پر بھی نہیں آنے والی تھی' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔ سرگوشی پر حاضر ہونے والی اب چلانے پر بھی نہیں آنے والی تھی' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔

☆☆☆☆

موسم کے تیور خطرناک تھے' بادل جھوم رہے تھے اور کسی بھی وقت برسنے کو تیار تھے وہ کالج سے چھٹی کے بعد ابھی گھر جا ہی رہی تھی جب بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔

"اف"۔ برستی بوندیں اسے زہر لگ رہی تھیں بارش تیز سے تیز ترین ہوتی جا رہی تھی' لمحوں میں وہ بھیگ چکی تھی۔

"آئی ڈراپ یو میم؟" بائیک رکی وہ چونکی اور اسے دیکھا وہ بارش میں شرابور مسکرا رہا تھا۔

"اف"۔ وہ واقعی پرنس چارمنگ تھا۔

"اس دن تو آپ نے غیر کہہ کر لفٹ لینے سے منع کر دیا تھا اب مت کہئے گا غالباً اب ہم غیر نہیں رہے"۔ ندا جھینپ گئی۔

"شرم بعد میں لیجئے گا محترمہ! میں اس بارش میں بس بہنے ہی والا ہوں"۔ وہ چونکی اور جلدی سے بائیک پر سوار ہوئی بارش میں بھیگے اس کے کندھے کو مضبوطی سے جکڑ لیا' ٹپ ٹپ برستی بوندیں اسے اندر تک سرشار کر رہی تھیں۔

☆☆☆☆

رات ہو چکی تھی' تایا ابو اور فرقان بک جھک کر نیچے چلے گئے تھے' اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا' اندر بیٹھی وہ آگے کے لائحہ عمل طے کر رہی تھی صبح ابو نے آ جانا تھا اور پھر اس سے آگے وہ سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ یونہی رات کے ڈیڑھ بجے وہ ایک نتیجے پر پہنچی تھی۔ ہولے سے اٹھ کر وہ باہر آئی اور ابو کے کمرے میں آ گئی' الماری

شہر میں کیسے رکھتا اسے''۔

''اس کا نام تو بتا دے''۔اماں نے جاتے وقت پوچھا تھا۔

☆☆☆☆

ابو کے کسی دوست کی شادی تھی وہ اور چھوٹی بہن نمرہ صبح ہی جا چکے تھے وہ گھر پر اکیلی ہی تھی عجیب سی بے چینی اور خوف حواسوں پر سوار تھا' صبح سے کسی کام میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا' شام تقریباً 5 بجے کا وقت تھا جب بیرونی دروازہ دھاڑ سے کھلا تھا۔

''فلک' فلک''۔ نیچے صحن میں تایا ابو کا بیٹا فرقان چلا چلا کر اسے پکار رہا تھا' وہ جو بے دلی سے کتاب لئے برآمدے میں بیٹھی تھی چونک پڑی' ایک انجان سا ڈر۔

''فلک''۔وہ اب دھاڑتا ہوا سیڑھیاں چڑھتا اوپر آ رہا تھا' وہ جلدی سے اٹھی اور کمرے میں گھس کر کنڈی لگالی۔

''فلک چاچو نمرہ''۔وہ اوپر آ چکا تھا' اب انہیں پکارتا ہوا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔

''دروازہ کھولو''۔ایک لہر اس کے وجود میں سنسنی مچاتی دوڑ گئی تھی' تبھی اس کے موبائل کی بیپ بجی تھی' ارحم کا ٹیکسٹ تھا۔

''پیار سے مان جاتی تو تیرا ہی فائدہ تھا''۔وہ اندر تک لرز گئی تو کیا وہ ویڈیو فرقان کے پاس آ گئی تھی۔ باہر اب تایا ابا فرقان سے پوچھ رہے تھے۔

''کیا ہوا ہے' کیوں سارا گھر سر پر اٹھا رکھا ہے؟''

''چاچو کہاں ہیں؟''

''فیصل آباد گیا ہے شادی پر ہوا کیا ہے؟''

''ابو! عزت رل گئی ہماری' پتہ نہیں کسی نے مجھے یہ ویڈیو بھیجی ہے اس میں یہ''۔وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا تھا اندر کھڑی فلک تھر تھر کانپ رہی تھی۔

☆☆☆☆

''آنٹی کیسی ہیں؟'' وہ اور عثمان کلاس سے ساتھ ساتھ باہر نکلے تھے۔

''بس ویسی ہی ہیں' ٹریٹمنٹ چل رہا ہے' دیکھو کیا ہوتا ہے''۔وہ دونوں کینٹین میں آ گئے تھے' جہاں ایک خالی میز پر خاموش حمزہ بیٹھا تھا۔

''حمزہ بھائی''۔احمر بے تکلفی سے پاس آ بیٹھا۔

''کافی دنوں سے غائب تھے' خیریت تھی ناں؟'' وہ بشاشت سے پوچھ رہا تھا۔

''اور بھابی کیسی ہیں؟'' حمزہ کی آنکھیں جلنے لگی تھیں' وہ لب کاٹنے لگا تھا۔

''شی از ڈائیڈ''۔ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور باہر نکل آیا' وہ دونوں شاکڈ بیٹھے رہ گئے تھے۔

☆☆☆☆

وہ خاموشی سے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا' ہر طرف سناٹا تھا دو کمروں کا وہ گھر اس کے بعد اب مکان میں بدل چکا تھا۔

''زینب زینی''۔تصور کے پردے پر وہ سانولی سی لڑکی نمودار ہوئی تھی۔

''اٹھ جاؤ نو بج گئے ہیں''۔وہ جلدی جلدی اس کے سامنے ناشتہ رکھ رہی تھی۔



سے وہ باکس نکالا جس میں امی کی جیولرزی تھی' کچھ کیش رقم تھی کچھ اور قیمتی اشیاء بھی باندھ لیں کچھ اس کی اپنی سیونگز تھیں' چند جوڑے اور کچھ کھانے کی اشیاء بیگ میں باندھ لیں' اپنا عبایا لے لیا' خود کو اچھی طرح لپیٹ لپاٹ کر وہ باہر نکل آئی سیڑھیاں اترنے سے پہلے اس نے ایک آخری نظر اپنے اس گھر پر ڈالی تھی۔

''فلک آپی فلک بیٹا فلک جان''۔ہولے ہولے وہ سیڑھیاں اترنے لگی تھی۔

''فلک بیٹا اپنے باپ کی عزت کی لاج رکھنا''۔

''ہیلو جان خادم کو ارحم شاہ کہتے ہیں' مجھ سے دوستی کرو گی؟ آئی لو یو''۔

''فلک کس سے بات کر رہی ہو؟ ابو دوست ہے''۔قہقہے' سرگوشیاں' اور اب آنسو' صرف خسارے ہاتھ آئے تھے' نیچے خاموشی اور تاریکی تھی وہ ہولے ہولے چلتی دروازے تک آئی آہستگی سے دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔

''فلک! لڑکیاں سیپ میں چھپے موتی جیسی ہوتی ہیں''۔ابو کی آواز اسے ڈرا رہی تھی۔

''یہ چھپی اچھی لگتی ہیں' یہ چھپی ہی محفوظ ہوتی ہیں' ایک دفعہ موتی سیپ سے باہر آ جائے پھر وہ محفوظ نہیں رہتا' اسے کوئی پا لینا چاہتا ہے' ہاتھوں میں رول لینا چاہتا ہے' بیچ دینا چاہتا ہے''۔باہر گلی میں سناٹا اور تاریکی تھی' وہ ہمیشہ کے لئے اس تاریکی میں نکل آئی تھی۔

''مجھے معاف کر دیجئے گا ابو! سمجھ لیجئے گا کہ آپ کی فلک ہمیشہ کے لئے مر گئی''۔چند فقرے لکھ کر وہ ابو کے کمرے میں چھوڑ آئی تھی۔

☆☆☆☆

احمر نے فون کان سے لگایا' دوسری طرف ندا تھی۔

''آن لائن کیوں نہیں آئے؟ میں نے تمہیں ارسل کی تصویریں دکھانی تھیں''۔

''ہمارے کوتوال ابو نے نیا حکم صادر کر دیا ہے جب تک پیپرز نہیں ہو جاتے ہر شے بند کمپیوٹر' ٹی وی' نیٹ ہڑتال بس' مارشل لاء لگ گیا ہے' لگتا ہے تمہارا ارسل منحوس ہے' مجھے نہیں دیکھنا اسے''۔

''شٹ اپ''۔وہ چلائی۔

''اچھا گیس واٹ آج کیا ہوا؟''

''تم ہی بک دو''۔

''آج میں اس کے ساتھ ہی آئی کالج سے''۔احمر بدمزہ ہوا۔

''محترمہ اسے کوئی کام نہیں آوارہ گردی کے علاوہ؟''

''بکواس مت کرو' وہ تو بائی چانس ادھر سے گزر رہا تھا' پڑھتا ہے وہ''۔

''ارسل نامہ''۔شروع ہو چکا تھا' چونکہ احمر کو اس میں رتی برابر بھی دلچسپی نہیں تھی لہٰذا۔

''ندا ہیلو ندا آواز نہیں آ رہی''۔کہہ کر کال کاٹ دی۔

☆☆☆☆

فرسٹ ایئر کے پیپرز ختم ہو چکے تھے اس نے اپنا بیگ باندھا اور گاؤں آ گیا اکیلے گھر میں سناٹا اسے کھانے کو دوڑتا تھا۔حویلی کا بیرونی دروازہ کھلا تھا' وہ خاموشی سے اندر آ گیا تھا' بڑے صحن میں ایک طرف جھولا رکھا ہوا تھا' ہوا سے آہستہ آہستہ ہلتا ہوا وہ جھولے کے نزدیک آ گیا تھا' وہ ننھا سا وجود بے سدھ سو رہا تھا' وہ دم سادھے

کھڑا ایک ٹک اسے دیکھتا رہ گیا تھا' اسے پتہ نہیں کتنا وقت گزرا یونہی اسے دیکھتے دیکھتے زینب کا بیٹا اس کا اپنا بیٹا۔ وہ کتنا قیمتی تھا ناں۔

''ارے حمزہ پتر!'' اماں نے حیرت سے اسے پکارا تو وہ چونکا' اماں نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا تھا۔ عثمان کی امی کا علاج شروع ہوئے چار ماہ بیت چکے تھے' روزانہ چیک اپ ہوتا تھا اور ہر چھوٹے دن خون تبدیل ہوتا تھا' نتیجہ ابھی تک زیرو تھا' جتنے ٹیومرز نکال دیئے جاتے تھے اس سے دوگنا بن جاتے' اعصابوں کی ایک طویل اور سست جنگ میں سب سے پہلے شکست کھانے والے ماموں اور ممانی تھے وہ ڈائریکٹ کچھ نہیں کہتے تھے لیکن ان کی چڑچڑاہٹ' بلاوجہ کا غصہ اور چلانا بہت کچھ کہہ دیتا تھا' امی کے لئے پرہیزی کھانے بنانا ممانی کو عذاب دکھائی دیتا' گھر بھر کی صفائی' جو پہلے امی کر دیتی تھیں اب انہیں کرنا دوبھر ہو جاتی' عثمان کو بہت غصہ چڑھتا لیکن وہ خاموش رہ جاتا' جیسی بھی تھی وہ آخری جائے پناہ تھی۔

☆☆☆☆

جھولے میں ننھا زین نجانے کب سے رو رہا تھا' ہر بندہ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھا' تائی اماں سبزی بنانے میں' اماں کپڑے دھونے میں سب کے اپنے اپنے کام تھے' حلق پھاڑ پھاڑ کر روتے بچے کو چپ کروانے سے زیادہ اہم کام۔ حمزہ نے اسے جھولے سے نکالا اور گود میں لے لیا' چار ماہ کا وہ بچہ وزن میں روئی کے گالے جیسا تھا' وہ اسے تھپکنے لگا تھا۔

''نی مریم! زین کو فیڈر دے دے''۔ تائی اماں نے باورچی خانے میں مصروف بہو سے کہا تھا۔

''اماں میں ویلی نہیں''۔ وہ باورچی خانے سے ہی چلائی' حمزہ اس بچے کو تھپک تھپک کر چپ کروانے کی ناکام کوشش میں لگا تھا' بچہ بس بھاں بھاں کر رہا تھا شاید بھوکا تھا۔

''ریحانہ تو اٹھ جا فیڈر بنا دے''۔ ریحانہ شاید کانوں میں روئی ڈالے ڈائجسٹ میں مگن تھی وہ زین کو گود میں لئے خود ہی باورچی خانے میں آیا۔

''بھابی فیڈر کہاں ہے؟'' مریم نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور مکھیوں سے بھنبھناتا فیڈر اسے تھما دیا' وہ بس دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆☆

بس رواں تھی وہ کھڑکی سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی تبھی کنڈیکٹر آیا۔

''باجی! کہاں جانا ہے؟'' اس نے ایک لمحے کے لئے کنڈیکٹر کو دیکھا۔

''بس کہاں جا رہی ہے؟''

''خانیوال''۔ اس نے خاموشی سے کرایہ اسے تھما دیا' یادوں اور سوچوں کا وہ سلسلہ پھر سے جڑ گیا۔

''ابو آ گئے ہوں گے' وہ ویڈیو بھی دیکھ لی ہوگی' ہائے ابو کہیں مر نا جائیں وہ ویڈیو اس میں ارحم بھی ہے وہ اسے ڈھونڈیں گے' لیکن نہیں' اس نے خود کو ویڈیو میں سے ڈیلیٹ کر دیا ہوگا' ہائے ابو کیا سوچیں گے؟'' زندگی بذات خود ایک سوالیہ نشان بن چکی تھی۔

☆☆☆☆

رات میں کسی وقت بچے کے رونے کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی تھی بچہ اماں کے ساتھ چارپائی پر تھا' مسلسل روتا بچہ اور بیزار سی اماں۔



''چپ کر جا بس چپ کر''۔

''نی اسے چپ کرواؤ''۔ کسی کمرے سے بیزار دادا ابو کی آواز آئی تھی' وہ اماں کی چارپائی کے پاس آیا اور بچہ گود میں لے کر باہر صحن میں نکل آیا۔

''میرا بیٹا بس بس پاپا آ گئے ہیں''۔ وہ ہولے سے اسے تھپکتا صحن میں پھرتا رہا' وہ اس کا بچہ تھا' اس کا بیٹا اس کے دنیا میں آنے کی وجہ وہ خود تھا' تو پھر وہ اس کی ذمہ داری تھا' نادادی نادادی کی صرف اس کی ذمہ داری' وہ صحن میں اسے لئے پھرتے ہوئے فیصلے کر چکا تھا' زینب کی اولاد ان حالوں میں نہیں رہے گی وہ خود اسے پالے گا' اگلی صبح اس نے اپنا اور ننھے زین کا سامان باندھ لیا تھا۔

''میں اسے اپنے بیٹے کو ساتھ لے جا رہا ہوں''۔ ناشتے کے دوران اس نے کہا تھا۔

''اسے رکھے گا کیسے؟ کیسے پالے گا اتنی سی جان کو؟'' تائی اماں فکرمند ہوئیں۔

''یہ میرا مسئلہ ہے''۔ وہ آہستگی سے بولا۔

''یہ صرف تیرا مسئلہ نہیں ہے یہ ہماری بھی اولاد ہے' ہمارا خون ہے یہ' اس کی بہتر پرورش ہمارا بھی فرض ہے''۔ وہ ان کی بات پر ہولے سے مسکرایا۔

''بہتر پرورش میں خود کر لوں گا' دن کے لئے کوئی آیا رکھ لوں گا' کالج سے آنے کے بعد خود دیکھ بھال کر لوں گا''۔ دادا ابو کو غصہ چڑھ گیا۔

''اب غیر عورتیں پالیں گی ہمارا بچہ' ہوش میں ہے تو؟''

''جی! ابھی ہوش میں آیا ہوں''۔

''یہاں کیا مسئلہ ہے اسے؟''

''یہ مر جائے گا اماں یہاں''۔ وہ پھٹ پڑا۔

''چار مہینے یہ کیسے جی لیا مجھے حیرت ہونے لگی ہے اسے جن حالوں میں آپ نے پھینک رکھا ہے اسے بہت پہلے مر جانا چاہئے تھا خیر میں بحث نہیں کرنا چاہتا' میں اسے لے جا رہا ہوں اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے''۔ وہ ہولے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہائے! میری زینب کی نشانی! اب شہر میں رل جائے گی''۔ اس نے اندر آ کر سوتے ہوئے زین کو اٹھایا' تبھی اماں اندر آ گئیں۔

''غیر عورتوں کے ہاتھ میں دے دے گا میرا بچہ؟''

''جی کیونکہ اپنے اسے لینے کو تیار نہیں ہیں' آپ چلیں میرے ساتھ''۔ وہ خاموش رہ گئیں۔

''مجھے پتہ ہے اپنے شوہر کا گھر آپ چھوڑیں گی نہیں اور اپنا بچہ میں اب یہاں نہیں چھوڑوں گا''۔ وہ باہر آیا۔

''میں نہیں لے جانے دوں گی''۔ تائی اماں بولیں۔

''بس کر دیں! خدا کے لئے بس کر دیں' پہلے ایسی ہی باتیں اور وسوسے ڈال کر آپ سب نے مجھے اکیلے شہر نہیں جانے دیا تھا' اب بس کریں''۔

''اسے یہیں چھوڑ کر جا''۔

''نہیں! زینب کے بعد اب میں اسے بھی کھونا نہیں چاہتا''۔ وہ آپے سے باہر ہو گئیں۔

''تو زینب کو ہم نے مارا ہے''۔

''نہیں''۔ وہ زور سے چلایا۔

''نہیں اسے میں نے مارا ہے''۔ وہ ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''اسے میں نے مار دیا اماں! جس عمر میں اسے گڑیا کے گھر بنانے سجانے تھے' آپ نے اسے میرا گھر بنانے اور سجانے میں لگا دیا' گڈے گڑیا کی شادی کرانے والی آپ نے مجھ سے بیاہ دی تب جب اسے عقل تھی ناں مجھے ایک فضول سی ضد کے پیچھے' شہر نے آپ سے آپ کا بیٹا نہیں چھینا لیکن آپ نے مجھ سے میری زینب چھین لی' آپ سب نے نہیں مارا اسے میں نے مار دیا اسے''۔ بولتے بولتے اس کی سانسیں پھولنے لگیں۔

''سولہ سال کی صحت مند لڑکی کے بدلے میں یہ چند ماہ کا لاغر بچہ دیکھ کر بھی آپ کو کچھ نہیں ہوتا ہے واقعی گھاٹے کا سودا تھوڑی ہے' بیٹی مر گئی تو کیا ہوا بیٹا مل گیا''۔

''تو سمجھائے گا ہمیں؟'' دادا ابو غرائے۔

''صدیوں سے ایسے ہی ہوتا آ رہا ہے''۔

''اور صدیوں تک ایسے ہی ہوتا رہے گا ہے ناں دادا ابو''۔ وہ تھکن سے مسکرایا۔

''کیونکہ ہمیں قدر نہیں ہے نا زندگی کی' نا لڑکی کی' نا علم کی' جہالت ہمیں پسند آ گئی ہے لیکن میں یہ اور ہونے نہیں دوں گا' میرے ساتھ میری زینب کے ساتھ جو ہونا تھا' ہو گیا' میرے بیٹے کے ساتھ نہیں ہو گا' میرے بیٹے کی زندگی کا مقصد کمانا' شادی کرنا اور بچے پیدا کرنا نہیں ہو گا' ایک انسان بننا مقصد ہو گا میرے بیٹے کی زندگی کا ایسے وسوسے نہیں ڈالوں گا میں اس کے دل میں' وعدہ کرتا ہوں''۔ اس نے روتے ہوئے زین کو تھپکا اور بیگ اٹھا لیا۔

''خدا حافظ''۔

☆☆☆☆

بس اسے اتار گئی تھی وہ خانیوال بس اسٹیشن پر ساکت کھڑی تھی۔ منزل بے نشان تھی اور مسافت تا حیات' اسے اب بس چلتے رہنا تھا' خالی بینچ پر بیٹھ کر اس نے پیچھے کا سوچا تھا اور پھر آگے کا' بڑے بڑے سوالیہ نشان تھے اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا پہلے کس کو حل کرے' نیا دن طلوع ہو چکا تھا' فلک الیاس سر جھکائے ساکت سی بیٹھی تھی' کیسی بے قدری ہو گئی تھی ناں وہ' پر گلہ کس سے کرتی' مجرم بھی تو وہ خود ہی تھی' سارے قصور اس کے اپنے ہی تھے اس نئے شہر میں سب سے پہلا کام رہائش کا انتظام کرنا تھا' چھت جو کہ ایک انسان خصوصاً ایک لڑکی کی ترجیحات میں اول مقام پر آتی ہے' ایک پرائیویٹ ہاسٹل میں اسے کمرہ مل گیا تھا' خانیوال کے ایک گمنام سے وومن کالج میں دوبارہ ایڈمیشن بھی لے لیا تھا۔ ایک قیمتی سال وہ کھو چکی تھی لیکن یہ تو بہت کم تھا آئندہ زندگی میں اسے اور بہت کچھ کھونا تھا۔

☆☆☆☆

سیکنڈ ایئر کی کلاسز شروع ہو چکی تھیں' زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو چکا تھا حمزہ نے شہر آ کر سب سے پہلے ایک ''آیا'' کا انتظام کیا تھا جو اس کے کالج جانے کے بعد دن کے صرف چھ گھنٹے زین کو سنبھالتی تھی' بعد میں وہ خود اسے سنبھالتا تھا۔

☆☆☆☆

دونوں بھائی ویک اینڈ پر لانگ ڈرائیو پر نکلے تھے واپسی پر ایک پڑاہٹ پر احمر نے بائیک روکی تھی۔



''چل پارٹی کرتے ہیں''۔ وہ احمد کو لئے اندر آیا تھا' ایک کونے والی میز پر صرف ایک لڑکی بیٹھی تھی وہ ادھر ہی آ گیا۔

''ایکسکیوز می! کیا ہم یہاں بیٹھ سکتے ہیں؟'' لڑکی نے انہیں دیکھا۔

''نہیں''۔ ٹکا سا جواب ملا۔

''کیوں جی یہ کونسا آپ کی ذاتی ملکیت ہے' ہم تو یہیں بیٹھیں گے''۔ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا' ایک کرسی احمد کے لئے بھی کھینچی۔

''یہاں سے دفع ہو جاؤ''۔ وہ لڑکی غصے سے چلائی۔

''کیوں بھئی؟'' احمر نے شوخی سے پوچھا اور پاس سے گزرتے ویٹر کو آرڈر دیا۔

''جسٹ گو ٹو ہیل!'' وہ لڑکی تن فن کرتی اٹھی اور دوسری میز پر چلی گئی احمر زور سے ہنسا تھا' احمد البتہ خاموش تھا۔

''بھائی پلیز یہاں پنگا مت لیں''۔ لیکن اسے شاید پتہ نہیں تھا کہ اس کا بھائی پنگا لینے میں انٹرنیشنل چیمپئن تھا تھوڑی دیر میں ایک اور لڑکا اس لڑکی کے پاس آ بیٹھا تھا' وہ لڑکی اسے کچھ بتانے لگی۔

''اوہ ہیلو! اسے کیوں تنگ کر رہے تھے؟'' وہ لڑکا احمر کے سر پر آ کھڑا ہوا۔

''کیوں؟ تمہیں بل آیا ہے تنگ کرنے کا؟'' اس نے انتہائی معصومیت سے پوچھا۔ جواباً اس لڑکے نے احمر کو اٹھا کر میز پر پٹخ دیا تھا' احمد گھبرا کر اٹھا تھا' اس لڑکے نے جھک کر احمر کو کالر سے اونچا کیا اور ناک پر مکا رسید کیا۔

''اپنی اوقات میں رہا کر!'' کچھ دیر بعد وہ بائیک پر گھر جا رہے تھے۔

''ابو نے کچھ پوچھا تو یہ کہنا بائیک سے گر گیا تھا''۔

☆☆☆☆

کسی شے میں دل نہیں لگتا تھا' ایک عجیب سی کیفیت حواسوں پر چھائی رہتی تھی' کالج سے ہاسٹل آ کر وہ کمرہ بند کئے پڑی رہتی تھی کچھ اور کرنے کو دل ہی نہیں کرتا تھا۔

''ابو پتہ نہیں کیسے ہوں گے' نمرہ پتا نہیں کیا کر رہی ہو گی' پتہ نہیں آج کیا پکا ہو گا''۔ ذہن ''پتہ نہیں'' میں اٹکا رہتا تھا۔

''میرا بیٹا بس پاپا آ گئے بس''۔ وہ جلدی سی کچن سے فیڈر لے کر آیا اور ننھے زین کے منہ میں دیا' بستر گیلا محسوس ہوا تو جلدی سے زین کے کپڑے بدلے اور بستر صاف کیا' اتنی دیر میں دودھ پیتے پیتے وہ سو چکا تھا' اس نے گندے کپڑے اکھٹے کئے اور دھونے لگا اس سے فارغ ہو کر ابھی کتاب اٹھائی ہی تھی کہ وہ اٹھ گیا' کتاب رکھی اور چھوٹے نواب کو لے کر بالکونی میں آ گیا۔

''میں تو ایک کام بھی نہیں کروں گا' تم اماں ہو گی' صرف تم سنبھالو گی''۔ ایک دفعہ یہیں کھڑے اس نے زینب سے کہا تھا۔

''ہاں' ہاں سنبھال لوں گی وہ صرف میرا ہو گا' تمہیں میں ہاتھ بھی نہیں لگانے دوں گی''۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا زینب اور زینب کی باتیں۔

☆☆☆☆

ندا نے اس کی سوجی ہوئی ناک دیکھی تو بے ساختہ قہقہہ مار کر ہنسی۔

''اچھی ہوئی ویسے تمہارے ساتھ ایسی ہی ہونی چاہئے زندگی حرام کی ہوئی ہے تم سب نے ہم لڑکیوں

کی‘‘۔احمر نے منہ بنایا۔
’’میں اس لڑکی کی جگہ ہوتی تو بذات خود تمہارا سر توڑ دیتی‘‘۔
’’ہنس لو ہنس لو ہر ایک کا دن آتا ہے‘‘۔
’’اچھا تمہارا کب آئے گا؟‘‘
’’جلد‘‘۔ندا نے ٹھینگا دکھایا‘ پھر جیسے کچھ یاد آنے پر بولی تھی۔
’’میں نے تمہیں ارسل کی پکچرز دکھائی تھیں لیکن گم ہو گئیں‘ خدا جانے میں کہاں رکھ کر بھول گئی‘‘۔
’’دیکھ لو پھر! کیسی کالی بلی ہے تمہارا فیانسی‘‘۔
’’شٹ اپ‘‘۔وہ چلائی۔

☆☆☆☆

وہ امی کے پیر دبا رہا تھا‘ ان کی حالت اب قدرے بہتر تھی۔
’’مجھے تمہاری فکر ہے عثمان! میرے بعد تمہارا کیا ہوگا بیٹے‘‘۔وہ فکر مندی سے کہہ رہی تھیں‘ وہ پریشانی سے انہیں دیکھنے لگا۔
’’امی کیسی باتیں کر رہی ہیں؟‘‘
’’ٹھیک تو کہہ رہی ہوں‘ ایک مکان تھا اب وہ بھی بک گیا‘ نا زمین جائیدادیں ہیں نا بینک بیلنس! آگے تم نے ایم بی بی ایس کرنا ہے‘ کہاں سے ہوگا‘ اپنے ماموں کا تمہیں پتہ ہے ایک دمڑی تک نہیں دیں گے‘‘۔
’’امی! کیوں پریشان ہو رہی ہیں‘‘۔اس نے رسان سے ان کے ہاتھ تھامے۔
’’اللہ تعالیٰ ہے ناں ہمارے ساتھ! فکر مت کریں‘‘۔وہ خاموش رہ گئیں۔
’’آپ ہیں میری جائیداد میرا اثاثہ میری زندگی بس آپ ہیں‘ آپ میرے ساتھ ہیں بس کافی ہے‘‘۔
’’ڈاکٹر بننا خواب ہے تمہارا‘‘۔وہ ایک لمحے کے لئے خاموش رہ گیا۔
’’خواب اور بھی دیکھے جاسکتے ہیں‘‘۔

☆☆☆☆

وہ کچھ چیزیں خریدنے نزدیکی اسٹور پر آیا تھا‘ زین کے لئے دودھ ڈائپرز وغیرہ۔
’’حمزہ بھائی!‘‘ چہکتی آواز پر وہ مڑا سامنے احمر کھڑا تھا۔
’’آپ تو عید کا چاند ہو گئے ہیں‘ نظر ہی نہیں آتے‘ کدھر غائب رہتے ہیں؟ اور یہ کون ہے آپ کا بھائی؟‘‘ حمزہ نے پہلے اسے دیکھا پھر گود میں زین کو ہولے سے مسکرایا۔
’’میرا بیٹا‘‘۔آنکھیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
’’حمزہ بھائی! مجھے کیوں لگتا ہے کسی دن میری موت ہارٹ اٹیک سے ہوگی‘ رپورٹس بتائیں گی کہ شاکڈ کی وجہ سے دل بند ہو گیا‘‘۔وہ ذرا رکا۔
’’اور تفتیش سے پتہ چلے گا کہ ہارٹ اٹیک سے پہلے مرحوم کسی ’’حمزہ‘‘ سے بات کر رہا تھا‘‘۔وہ اب مال سے باہر نکل آئے تھے۔
’’آپ اسے خود سنبھالتے ہیں؟‘‘
’’جی‘‘۔



’’واہ! گریٹ ہیں آپ‘‘۔
’’سارے والدین اپنے بچوں کو خود ہی پالتے ہیں سب گریٹ ہوتے ہیں‘‘۔

☆☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں تھی جب ملازمہ نے وہ پیکٹ اسے لا کر دیا۔
’’یہ جی آپ کے نام کوریئر سے آیا ہے‘‘۔ندا نے اچنبھے سے پیکٹ کو دیکھا اور اسے کھولنے لگی‘ ایک ڈبی تھی جس میں نازک سی بریسلیٹ تھی اور ساتھ میں ایک کارڈ۔
’’اس حسین جادوگرنی کے نام جس نے کوئی سحر پھونک کر مجھے اپنا اسیر بنا لیا ہے میری نیندوں‘ خوابوں‘ حواسوں پر حاوی ملکہ کے لئے حقیر سا تحفہ‘ ہیپی برتھ ڈے‘‘۔وہ ہولے سے مسکرائی‘ موبائل اٹھایا اور اس کا نمبر ملایا۔
’’تم نے مجھے جادوگرنی کہا؟‘‘ چھوٹتے ہی سوال کیا۔
’’میں نے تمہیں حسین بھی کہا‘‘۔بے ساختہ جواب آیا تھا۔
’’خدا تمہیں زندگی دے‘‘۔وہ کہہ رہا تھا۔
’’میری زندگی تو تم ہو ارسل!‘‘

☆☆☆☆

’’یار! پریشان مت ہوا کرناں‘‘۔وہ گھر جا رہے تھے جب احمر نے اس سے کہا تھا۔
’’میں ڈپریس ہو جاتا ہوں اپنی جان کو پریشان دیکھ کر‘‘۔عثمان نے اسے ٹھوکا جڑا۔
’’بے غیرت کوئی مل نہیں رہی تو مجھ پر لائن مار رہا ہے‘‘۔
’’آئیڈیا اچھا ہے‘‘۔احمر نے قہقہہ لگایا‘ سامنے سے آتی لڑکیوں کے نزدیک جا کر رفتار آہستہ کی اور ’’ہائے‘‘ کہا جواباً انہوں نے اسے ماں بہن کی گالیوں سے نوازہ تھا۔
’’اف! میرا تو پیٹ بھر گیا‘‘۔دونوں ہنسے تھے۔
’’ہنستے رہا کر‘ اچھا لگتا ہے‘‘۔اسے دروازے پر اتار کر احمر نے کہا تھا۔
’’تیری دوستی میرے لئے زندگی ہے احمر‘‘۔عثمان نے ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سلام جھاڑا تھا۔

☆☆☆☆

کچھ تو تھا جو ٹھیک نہیں تھا‘ اتنے دنوں سے وہ جس کیفیت کو گھر سے دوری سے جوڑ رہی تھی وہ صرف یاسیت نہیں تھی اس دن جب وہ صبح بیدار ہوئی تو سر پنکھے کی مانند گول گول گھوم رہا تھا‘ متلی کی سی کیفیت تھی دو گولیاں کھا کر وہ کالج چلی گئی تھی کالج میں سارا دن سر چکراتا رہا تھا‘ واپس آ کر بستر سے لگ گئی‘ رات کو کسی لمحے الٹی آئی تھی اور سب کچھ باہر اگلے دن نقاہت حد سے زیادہ تھی۔ مرتے کھپتے وہ نزدیکی اسپتال پہنچی تھی اور وہ سب واقعی پچھتاوا‘ یاسیت‘ اداسی نہیں تھا‘ کچھ اور بھی تھا جسے سننے کے بعد وہ حقیقت میں مرجانا چاہتی تھی‘ وہ ماں بننے والی تھی۔

☆☆☆☆

آیا ایک ہفتے کی چھٹی پر تھی۔ وہ ایک ہفتہ وہ کالج سے غیر حاضر رہا تھا‘ پڑھتا خاک‘ سارا دن اس کے نخرے اٹھانے میں گزر جاتا تھا‘ وہ دانت نکال رہا تھا‘ سارا دن روتا رہتا اور چڑچڑا ہوا رہتا‘ وہ پورا ہفتہ اس نے ایک جوڑے میں گزارا تھا اپنا ہوش تلک نہیں تھا۔
’’زین بیٹا‘ دودھ‘ زین بیٹا چپ‘ زین پاپا کی جان‘‘۔ان سب سے فرصت ملتی تو کسی اور شے کی باری آتی

نا‘ اس رات اسے سلا کر وہ لیٹا تو اس کا اپنا جسم ٹوٹ رہا تھا۔

’’میرے بیٹے کا خیال رکھتے ہونا‘‘۔ تخیل کے پردوں پر وہ سانولی سی صورت سوال کناں تھی۔

’’تمہارا بیٹا میری زندگی ہے‘ اس کا خیال نہیں رکھوں گا تو مر جاؤں گا‘‘۔

☆☆☆☆

’’امی اٹھیں صبح ہوگئی ہے‘‘۔ وہ انہیں کہہ کر خود چینج کرنے واش روم میں چلا گیا‘ واپس آیا تو وہ ہنوز لیٹی ہوئی تھیں اس نے بال بنائے‘ کتابیں بیگ میں ڈالیں اور جوتے پہننے لگا۔

’’اللہ حافظ امی‘‘۔ بیگ کندھے پر ڈال کر وہ کمرے سے نکلا اور بیرونی دروازے پر آیا احمر بائیک لئے انتظار میں تھا‘ وہ ذرا ٹھٹک کر رکا‘ کچھ انہونی کا سا احساس کیا ہوا‘ یہاں کیوں رک گیا‘ چل بیٹھ‘‘۔ احمر نے حیرت سے اسے دیکھا وہ واپس اندر کی طرف دوڑ گیا تھا۔

’’عثمان کیا ہوا؟‘‘ عثمان ماں کو پکارتا ہوا کمرے میں آیا‘ لحاف ہٹایا۔

’’امی‘ اٹھیں‘‘۔ بند آنکھیں کھلی نہیں تھیں‘ اس نے کلائی تھامی‘ دھڑکنیں خاموش تھیں‘ زندگی کی نازک ڈور ہمیشہ کے لئے ٹوٹ چکی تھی۔

’’امی‘‘۔ وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔

☆☆☆☆

’’ہیلو جان! کل ملیں‘ ٹھیک ہے یہ تمہارا گھر ہے؟ میں بکھر رہی ہوں ارحم‘‘۔ وہ ساکت چت چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی یہ ان دنوں میں سے ہی کسی دن کا واقعہ تھا جب وہ ٹوٹی تھی بکھری تھی‘ کسی کی باہوں میں چکنا چور ہوئی تھی پھر جب سمٹی تھی تو ساتھ میں ایک نئی زندگی بھی جڑ گئی تھی یہ ان ہی دنوں کا ذکر ہے جب وہ راتوں میں ہولے ہولے سرگوشیوں میں باتیں کرتے تھے جب خمار چڑھے ہوئے تھے جب نشے اترنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

وہ خاموشی سے لیٹی روتی رہی تھی اپنے گزرے کل پر ماتم کرتی رہی تھی حدیں پار کرنے والے پھر ایسے ہی روتے ہیں حد پار کرتے وقت ذرا بھر بھی شک نہیں ہوتا کہ بعد میں کیا ہوگا‘ بعد میں کیا ہوگا یہ بعد ہی بتاتا ہے۔

☆☆☆☆

زین کی طبیعت کئی دنوں سے خراب تھی‘ وہ مسلسل چیک اپ کروا رہا تھا نمونیا‘ نزلہ‘ کھانسی‘ زکام‘ بدلتے موسم کی سوغاتیں۔ وہ کالج سے مسلسل آف تھا‘ دن رات ہر وقت اسے ساتھ رکھتا تھا‘ ہر بار گیلے کپڑے بدلوانا‘ بستر صاف کرنا‘ اسے بذات خود ایک سو تین بخار ہو چکا تھا‘ چھینکیں کھانسی اس کا برا حال کر چکی تھی لیکن وہ ہر شے بھلائے اسے سنبھالنے میں لگا ہوا تھا۔ اس رات اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا‘ زین پھر سے خود کو اور بستر کو گیلا کر چکا تھا‘ گھومتے سر کے ساتھ اس نے زین کے کپڑے بدلے اور بستر صاف کیا‘ درمیان میں اسے الٹی آ گئی تھی‘ منہ صاف کر کے وہ جلدی سے پلٹا اور چکنے فرش پر پھسل گیا۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی تھی ٹانگ کے مسلز بری طرح کھنچ گئے تھے وہ بمشکل اٹھا‘ زین رو رہا تھا۔

’’بس میری جان بس‘‘۔ وہ اسے گود میں لیئے ٹہلنے لگا‘ ٹانگ میں درد کی شدت سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے‘ ڈیڑھ گھنٹے تک وہ اسی تکلیف میں بچے کو لیئے ٹہلتا رہا تھا‘ جب وہ سو گیا تو اسے لٹا کر وہ کارپٹ پر گرا تھا‘ تکلیف کی شدت‘ سر درد‘ وہ اٹھنا چاہتا تھا لیکن اٹھنے کی ہمت نہیں تھی۔

☆☆☆☆



اس نے اپنی جمع پونجی کو گنا تھا‘ خرچ کرنے پر تو قارون کا خزانہ بھی ختم ہو جاتا ہے یہ تو پھر چند ہزار روپے تھے‘ وہ کچھ سوچنے لگی اسے کچھ ٹیوشنز لینی ہوں گی لیکن پہلے اسے اس مصیبت سے جان چھڑوانی تھی اگلے دن وہ نزدیکی سرکاری اسپتال آ گئی تھی۔

’’مجھے‘ مجھے ابارشن کروانا ہے‘‘۔ تھوک نگلتے ہوئے وہ بمشکل بولی۔ لیڈی ڈاکٹر نے طنزیہ اسے دیکھا وہ روزانہ ایسے سینکڑوں کیس دیکھتی تھیں‘ گلٹ اور پریشانی کی ماری لڑکیاں جو عزت بچانے کے لئے ذلت کی آخری حد تک جاتی تھیں۔

’’یہ آسان نہیں ہے‘ رسک ہے‘ تمہاری جان بھی جا سکتی ہے بی بی‘‘۔

’’کاش چلی جائے‘‘۔ وہ بڑبڑائی۔

☆☆☆☆

احمر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

’’آنٹی کا افسوس ہوا‘‘۔ عثمان نے سر جھکا لیا تھا۔

’’ڈونٹ وری‘ حوصلہ رکھو اور مجھے ہمیشہ اپنا بھائی سمجھنا‘ کوئی بھی مسئلہ ہو تو مجھے ضرور بتانا‘‘۔ اس دن عمر بھی تعزیت کے لئے آیا تھا۔ امی کے بعد زندگی ہرگز پہلے جیسی نہیں رہی تھی پیپرز سر پر تھے لیکن اس کا دل ہر شے سے اچاٹ ہو چکا تھا‘ امی کی یادیں ہر وقت بے چین کیے رکھتی تھیں وہ ہر ممکن کوشش کرتا کہ یکسوئی سے پڑھے لیکن بے سود‘ امی کے بعد وہ اس گھر میں ویسے بھی بے وقعت ہو چکا تھا‘ ممانی کی ڈانٹ ڈپٹ چلانا ہر وقت‘ ہر سہارا چھن گیا تھا جیسے۔

☆☆☆☆

زندگی عجیب سی ہوگئی تھی۔ زین کی طبیعت بگڑتی جا رہی تھی‘ نمونیا شدید تھا‘ روز چیک اپ ہوتا لیکن نتیجہ پھر وہی زیرو‘ چھوٹا سا بچہ کھانس کھانس کر بے حال ہوا رہتا تھا۔ دوسری طرف فلک الیاس تھی جو خود کو ذہنی اور جسمانی لحاظ سے ابارشن کے لئے تیار کر چکی تھی‘ دنوں میں وہ سوکھ کر کانٹا ہو چکی تھی‘ سیکنڈ ایئر کے پیپرز نزدیک تھے سو گھر میں کرفیو لگ چکا تھا‘ ٹی وی نیٹ سب بند‘ کتابیں اور صرف کتابیں‘ احمر کو کتابیں دیکھ دیکھ کر ابکائی آنے لگتی تھی۔

ارسل تین سال کے لئے امریکا جا رہا تھا‘ ندا اس لئے پریشان تھی۔

☆☆☆☆

وہ آپریشن تھیٹر میں تھی نشہ آور ادویات کے باوجود وہ مکمل بے ہوش نہیں تھی اپنے وجود کو کاٹتے نشتر اسے محسوس ہو رہے تھے درد کی شدت جیسے اس کی روح قبض کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ اسے اپنے وجود پر بہتے پسینے کی دھاریں بھی محسوس ہو رہی تھیں اور وہ تیز دھار آلہ بھی جو کچھ اندر تک کاٹ رہا تھا‘ اس کے حلق میں چیخیں اٹک رہی تھیں ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ مرنے والی ہے‘ جلد ہی موت کہیں آس پاس ہی تھی سرد اور انتہائی تکلیف دہ سی۔

’’فلک میری عزت کا خیال رکھنا‘‘۔ کوئی سرگوشی سے کہہ رہا تھا۔ دو دن بعد اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا ڈاکٹرز نے دو ہفتے کا بیڈ ریسٹ کرنے کو کہا تھا اور وہ پژمردہ بھی سنا پایا تھا۔

’’فلک! آپ کبھی ماں نہیں بن سکیں گی‘‘۔ وہ بمشکل چلتی ہوئی ہاسٹل آئی اور بے دم سی ہو کر اپنے کمرے کے فرش پر ہی چت لیٹ گئی کچے ٹانکے تکلیف دینے لگے تھے۔

''ہیلو جان من کل یلیس شیوز''۔اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''کیوں نہیں جھڑک دیا تھا اسے؟ کیوں نہیں جھٹک دیا تھا اس کا بڑھا ہوا ہاتھ؟ جب پتہ تھا سب تو کیوں بنی انجان؟ اسے بتاتی رہی کہ یہ سب غلط ہے' خود کو کیوں نہیں بتایا؟ سارے قصور اس کے اپنے تھے' رونا تو بنتا ہی نہیں تھا کہا گیا تھا ناں اسے کہ وہ محافظ ہے' پھر نقب لگانے والے کو کیوں دی اجازت کہ لوٹ مار کرتا پھرے؟ جب ہم کسی کو ایک قدم کی اجازت دیں وہ ایک قدم تب ہی اٹھاتا ہے' شکست ماننے والوں کو انت میں ہار ہی ملتی ہے' جیت ڈٹ جانے والوں کی ہوتی ہے' وہ کیوں نا ڈٹی؟ وہ کیوں شکست کھا گئی؟'' فرش پر لیٹے' بے آواز روتے فلک الیاس نے حساب کتاب کیئے تو سارے جرم اس کے اپنے ہی نکلے تھے سزا بھی اسے ہی بھگتنا تھی۔

''تمہاری قسم فلک! میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں''۔اس کے بعد وہ اس کی محبت کو یاد کر کے نہیں' اپنی محبت کو یاد کر کے رو رہی تھی۔

☆☆☆☆

رات تاریک اور سرد تھی' وہ زین گود میں لئے بیٹھا تھا جب اس بچے نے خون کی الٹی کردی تھی' حمزہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا تھا' تھر تھر کانپتے اپنے ہاتھوں سے اس نے بچے کو صاف کیا۔

''مجھے چھوڑ کر مت جانا بیٹا' میں مرجاؤں گا' تم میرے بیٹے ہو' مجھے اکیلے چھوڑ کر مت جانا''۔وہ روتے ہوئے اسے کمبل میں لپیٹ کر باہر آیا اور اسپتال پہنچا' خود جرسی سے بے نیاز کڑکڑاتی جنوری میں وہ ایک شرٹ اور جینز میں تھا۔

''ڈاکٹر اسے بچالیں ڈاکٹر پلیز''۔بچہ اکھڑی اکھڑی سانسیں لے رہا تھا' وہ اس کی آخری متاع تھا ڈاکٹر اسے حوصلہ دیتے رہے تھے سخت سردی میں کوریڈور میں ٹہلتے ہوئے وہ سردی سے نہیں خوف سے کانپ رہا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد اسے بچہ واپس تھما دیا گیا تھا۔

''ڈونٹ وری مسٹر حمزہ! خطرے کی کوئی بات نہیں ہے' انفکشن کی وجہ سے ایسی صورتحال پیدا ہوجاتی ہے' جلد ٹھیک ہوجائے گا''۔اس نے گود میں سوئے زین کے ماتھے کو خشک ہونٹوں سے چوما تھا' وہ پرسکون نیند سو رہا تھا۔

''پاپا کی جان! پاپا کی جان مت نکالے رکھا کرو''۔گھر آ کر اس نے احتیاط سے اسے لٹا دیا تھا۔

''یہ تمہاری آخری نشانی ہے زینی! اسے میرے پاس ہی رہنے دو ناں' تمہارے بعد کوئی صرف میرا بھی تو ہو''۔

☆☆☆☆

آج پہلا پیپر تھا وہ عثمان سے پیپر کے بعد ملا تھا۔

''کیسا ہے؟''

''فائن''۔وہ اسے عجیب بجھا بجھا سا لگا تھا۔

''کیا ہوا یار؟'' اس کے ساتھ ہال سے باہر آ گیا۔

''میرا دل نہیں لگ رہا' امی کے بعد میرا جینے کو بھی دل نہیں کررہا میں کیا کروں؟'' احمر نے اس کے کندھے پر تھپکی دی تھی۔

''حوصلہ کر یار''۔

''اور کتنا حوصلہ کروں؟ اب ہمت نہیں ہے مجھ میں''۔

''ہمت کیوں نہیں ہے' ہمت ضرور ہے' ضرور ہوگی' انسان کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا خدا' تو اسے سہہ



سکتا ہے تبھی یہ آزمائش تجھ پر اتاری گئی ہے''۔عثمان خاموش رہ گیا۔

''میں ہوں ناں یار! تیرا بھائی' دوست' اماں' جو مرضی سمجھ لے مجھ سے شیئر کیا کر جو بھی تیرے دل میں ہو' رات کے ڈھائی بجے بھی مجھے آواز دے کر دیکھنا' میں حاضر ہوجاؤں گا''۔

''پراؤڈ آف یو''۔احمر ہنسا۔

''چل اب سموسے کھلا دے مجھے' اتنی انرجی ویسٹ ہوگئی بھاشن دینے میں''۔

☆☆☆☆

''حمزہ بھائی! کدھر غائب ہیں' امتحانی ہال میں بھی نہیں دکھائی دیئے؟ اور آپ بھوت بنے کیوں پھر رہے ہیں''۔احمر نے اسے دیکھتے ہی سوالوں کی بوچھاڑ کردی تھی۔

''میں نظر کیسے آتا' میں وہاں تھا ہی نہیں''۔

''مطلب؟ آپ نے پیپرز نہیں دیئے؟'' احمر حیرانی سے فوت ہونے کو تھا۔

''نہیں''۔

''کیوں؟'' وہ چلایا۔

''ہٹلر صرف ہمارے ابا ہیں کیا؟''

''میرے بیٹے کی طبیعت خراب تھی''۔

''تو اسے کچھ دنوں کے لئے اپنی مدر کے پاس چھوڑ دیتے''۔

''وہ میری ذمہ داری ہے احمر! میری مدر کی نہیں''۔وہ دونوں اب سڑک پر چل رہے تھے۔

''تو سال ضائع کرلیا؟''

''سو تو ہے پر آتا جاتا کچھ نہیں تھا پیپر دیتا تب بھی فیل ہوجاتا''۔

''اب کیسا ہے آپ کا بیٹا؟''

''فائن! چلو تمہیں چائے پلواؤں''۔پارکنگ میں پہنچ کر احمر بائیک لینے جانے لگا تھا۔

''میں ضرور پیتا لیکن ذرا جلدی میں ہوں ادھار رہی کسی دن ضرور آؤں گا''۔وہ مسکرایا۔

''میں اپنی زندگی میں آپ جیسے بندے سے ملا' اب شاید کوئی اور شے مجھے حیران نہ کرے''۔

☆☆☆☆

رات کے کسی پہر اس کی آنکھ کھلی تھی' پیاس کی شدت سے اس کے حلق میں کانٹے اگ آئے تھے نچلے دھڑ میں ہونے والی درد کی شدت اسے حرکت سے روک رہی تھی۔

''پانی پانی''۔وہاں کون تھا جو پانی کی بوندیں اس کے حلق میں ٹپکاتا' بمشکل گھسٹتے ہوئے وہ میز تک آئی جگ خالی تھا۔

''ابو پانی پانی''۔وہ بے دم سی ہوکر فرش پر لیٹ گئی' پلکیں بند ہونے لگی تھیں' بے ہوشی میں ڈوبتے ڈوبتے اس نے ابو کی شبیہہ دیکھی تھی وہ اسے نہیں دیکھ رہے تھے اسے نظر انداز کیئے بڑھتے چلے جارہے تھے۔

''ابو ابو''۔وہ پکارتی جارہی تھی چلتے چلتے وہ نظروں سے اوجھل ہوگئے آگ لاوے کی وادی تھی شعلے ہی شعلے بھڑک رہے تھے فلک الیاس اس وادی کے کنارے کھڑی تھی دوزخ کی وادی کے کنارے۔

☆☆☆☆

''آپ بھوت بنے کیوں پھر رہے ہیں؟'' احمر کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی' اس نے آئینے میں خود پر ایک نظر ڈالی وہ حقیقت میں بھوت جیسا نظر آ رہا تھا' بکھرے الجھے بال' اندر کو دھنستی آنکھیں' سوکھی کھال اور گندمی سے سیاہ ہوتی رنگت' اس نے بے یقینی سے خود کو دیکھتے ہوئے کنگھا اٹھایا اور سر میں پھیرنا چاہا بال تانبے کی مانند ہو چکے تھے کنگھا سر میں کہیں الجھ گیا' اس نے زور سے کھینچا تو بالوں کا گچھا بھی اتر آیا۔ اندر کمرے میں زین اٹھ چکا تھا' اس نے کنگھا رکھا اور اندر آ کر زین کو اٹھا لیا' اپنے بیٹے پر وہ ہر شے تیاگ چکا تھا۔

☆☆☆☆

پیپروں کے بعد ایک ہفتے کے لئے دونوں بھائی ندا کے گھر رہنے کے لئے آ گئے تھے' ندا انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی' ویسے بھی ارسل کے امریکا جانے کے بعد وہ بہت اکیلی ہو گئی تھی ان کے ساتھ خوب موج مستی ہوئی تھی۔

''ہم تمہارے ارسل کو لائیو دیکھنے آ گئے ہیں''۔

''وہ تو امریکا گیا ہوا ہے؟'' ندا نے بتایا تھا۔

''لو جی پیا جی سات سمندر پار گئے! کہیں کوئی گوری نا پھنسا لائے''۔

''نہیں جی! میرا ارسل ایسا نہیں ہے''۔

''کہیں تم نے اس پر جادو تو نہیں کر دیا؟ کہ وہ کسی اور کو دیکھے تو بھسم ہو جائے''۔

''شٹ اپ احمر''۔

''ہاں تو اور کیا' تمہاری بھنڈی جیسی صورت پر صرف وہی انسان فدا ہو سکتا ہے جس پر کالا جادو کیا گیا ہو''۔

''احمر بس''۔

''کہیں وہ اندھا تو نہیں؟''

''احمر میں تیرا خون پی لوں گی؟''

''اندھا نہیں' پھر کیسے تمہارے پکوڑے جیسی ناک کو حسین کہہ دیتا ہے؟''

''اب تم پٹو گے مجھ سے''۔ ندا نے کشن اس پر اچھالا تھا۔

☆☆☆☆

''کیا مطلب تو انٹری ٹیسٹ نہیں دے رہا؟'' اس نے حیرانی سے عثمان کو دیکھا۔

''نہیں''۔

''کیوں؟''

''فیس کون بھرے گا میری تیاری کی' اور اگر سب کلیئر ہو گیا تو میں کہاں سے لاؤں گا میڈیکل کی فیسیں؟''

''ہو جائے گا یار''۔ احمر نے رسان سے کہنا چاہا۔

''کیسے؟''

''میں ہیلپ''۔

''نہیں اب دوبارہ یہ بات مت کرنا''۔ احمر برا مان گیا لیکن چپ رہا۔

''میڈیکل تیرا خواب ہے یار''۔

''میرے خواب اور بھی بہت تھے''۔ وہ سر جھکا کر بولا۔

''میں نے سوچ لیا ہے رزلٹ آنے تک ٹیوشنز دوں گا' کچھ پیسے جوڑ لوں' کچھ ماموں سے کہوں گا بی ایس



کروں شاید آ گے''۔ احمر اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''مجھے اچھا لگتا تیری مدد کر کے''۔

''تو نے کہہ دیا' مجھے سن کر اچھا لگا دوست''۔

''دوست بھی کہتا ہے اور پھر پرایا بھی کر دیتا ہے''۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے کیفے سے باہر نکل آئے تھے۔

☆☆☆☆

اس کی حالت اب قدرے بہتر تھی' زخم سوکھنے لگے تھے' تبھی وہ کالج آ گئی تھی' وہیں اسے پتہ چلا کہ فرسٹ ایئر کے ایڈمیشن ہو چکے ہیں وہ دھک سے رہ گئی' ایک اور سال ضائع ہونے کو تھا' وہ کلرک کے پاس آئی۔

''سر میں بیمار تھی' اسی لئے نہیں آ سکی' آپ پلیز میرا ایڈمیشن بھی بھیج دیں''۔ آدھا گھنٹہ کلرک کی منتیں کر کے وہ اس قابل ہو گئی کہ۔

''آن لائن رجسٹریشن آپ خود کر لیں ہارڈ کاپی میں بھیج دوں گا''۔ یہ بھی بہت تھا وہ نزدیکی نیٹ کیفے آ گئی اور وہیں اس نے وہ ویڈیو دیکھی تھی رجسٹریشن کے دوران سائیڈ کے پیج پر' وہ ساکت رہ گئی۔

''سامنے ویڈیو چل رہی تھی اور وہ گم صم خاموشی سے بیٹھی تھی' ارحم نے خود کو اس ویڈیو میں سے ڈیلیٹ کر لیا تھا' اب اس ویڈیو میں صرف وہ رہ گئی تھی ٹوٹتی' بکھرتی اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے' ہر زخم رسنے لگا تھا' اندرونی' بیرونی' جسمانی' روحانی ہر زخم ہر گھاؤ۔

''تو فلک الیاس یہ پایا تم نے محبت کے نام پر تف ہے تم پر اور تمہاری محبت پر''۔ روتے روتے وہ بھول گئی کہ وہ ہے کون' ہے کہاں' ہے کیوں' یاد رہا تو بس اپنا ماضی وہ پل یاد رہ گئے جو اس کے گناہ تھے اور اتنے انسانوں کی بھیڑ میں بھی وہ اس کے پاس لوٹ آئے تھے۔

''اللہ میرے اللہ''۔ خسارے پورے ہوئے تو اللہ یاد آیا تھا۔

''میں کمزور ہوں مالک! بشر ہوں ناں' بھٹک جانا' پھسل جانا میری عادت ہے' بھٹک گئی' پھسل گئی' تیری ذات کے ساتھ شرک کر گئی' کسی اور کو پوجنے لگی' اب معافی مانگوں تو کیا معاف کر دے گا''۔ وہ بلکنے لگی۔

''اپنے سب گناہوں کی معافی' ایک نامحرم سے ملنے کی محبت کی خطاء کی معافی' جنت سے نکلنے کی غلطی کی معافی' ایک معصوم زندگی کے قتل کے گناہ کی معافی' مانگوں تو کیا تو معاف کر دے گا؟'' سامنے کمپیوٹر کی اسکرین پر اس کے اعمال چل رہے تھے ہر ہر منظر اسے خطا کار بنا رہا تھا خلا کار بتا رہا تھا۔

''میں جتنی رسوا ہو چکی ہوں' مجھے اس سے زیادہ رسوا مت کر مجھے اب اس دلدل سے نکال لے میں سیاہ کار ہوں' بدکار ہوں' خطا کار ہوں پر تیری بندی ہوں تو میرا مالک ہے مجھے معاف کر دے''۔ کافی دیر رونے اور آنسو بہانے کے بعد اس نے اس ویب سائٹ کو وہ ویڈیو ہٹانے کے لئے ای میل کی تھی' ویڈیو سورس فیس بک تھی اس نے فیس بک کے علاوہ بھی کئی اہم ویب سائٹس کو میلز کی تھیں۔

☆☆☆☆

احمر ایم سی اے ٹی (میڈیکل کالج ایڈمیشن ٹیسٹ) کی تیاری میں لگا ہوا تھا ابو نے اسے تیاری کے لئے اسلام آباد بھیج دیا تھا' نئی چیزیں اسے تھکاتی نہیں تھیں وہ ہر شے انجوائے کرتا تھا اور MCAT تو گیم ہی ذہانت اور لک کی تھی اور یہ دونوں خوبیاں احمر صدیقی کے پاس تھیں۔ عثمان اکرم ایڈمیشن سے پہلے کے تین ماہ مختلف جگہوں پر ٹیوشنز دے کر پیسے جمع کرنے میں لگا ہوا تھا' ایک ایک دن میں وہ دس دس جگہ ہوم ٹیوشن دیتا' 5th اور

8th کے بچے اس کی ناک میں دم کر دیتے۔ زین کی حالت قدرے بہتر ہو رہی تھی وہ بیٹھنا سیکھ رہا تھا' حمزہ اب دوبارہ سے سیکنڈ ایئر میں تھا' مارچ میں دادا ابو کی وفات پر وہ گاؤں گیا تھا' زین اس کیس اتھ تھا' وہ اس گندے سندے کمزور بچے سے بہت مختلف تھا' جسے وہ اپنے ساتھ شہر لایا تھا' وہ اب بغیر سہارے بیٹھ جاتا' بات بات پر کھلکھلاتا' وہ ایک باپ کی مسلسل 365 دن کی محنت تھا اور محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ ارسل کے واپس آنے کے میں دو سال تھے ندا ایف اے کے بعد بی اے میں داخلہ لے چکی تھی۔ فلک نے بھی ہوم ٹیوشنز شروع کر دی تھیں' کالج کے بعد وہ پڑھانے جایا کرتی تھی۔

''میں نے آپ کو نیوز پیپر پر دیکھا تھا''۔ وہ جس بچی کو پڑھانے جاتی تھی ایک دن اس نے فلک سے کہا تھا' فلک دھیمے سے مسکرا دی' گزرے دنوں کا ایک قصہ یہ بھی تھا کہ فلک الیاس بورڈ میں دوسرے نمبر پر تھی وہ اب کہاں تھی؟

☆☆☆☆

''ماموں''۔ شام کے کھانے کے بعد اس نے کہا' ماموں سے پہلے ممانی کے کان کھڑے ہو گئے۔

''کچھ پیسے چاہئے تھے ایڈمیشن کے لئے''۔

''کہاں سے دے دیں''۔ ممانی جان۔

''تمہیں بتایا تھا ناں کہ تمہارے ماموں کا کاروبار خسارے میں جا رہا ہے چند ہزار کی منتھلی انکم بھی نہیں ہو رہی''۔ اس نے لمبی سانس لی۔

''لون کے طور پر دے دیں''۔ دونوں کے تاثرات بدلے۔

''ہوتے تو دے دیتا بیٹے''۔ عثمان آگے کو ہوا۔

''ماموں تقریباً 50 ہزار کا خرچہ ہوگا' 20 ہزار میرے پاس ہیں آپ 30 ہزار روپے ادھار دے دیں میں ایک سال کے اندر اندر لوٹا دوں گا' کسی دوست سے لے دیں''۔ وہ سوچ میں پڑ گئے۔

''اچھا دیکھتا ہوں کرتا ہوں کچھ''۔

☆☆☆☆

احمر صدیقی ایک دفعہ پھر لاہور بورڈ پر چھا گیا تھا' FSc کا رزلٹ آؤٹ ہو چکا تھا وہ بورڈ میں اول تھا' دوسری طرف انٹری میں اس کے 96 فیصد مارکس تھے میرٹ 93 فیصد بنی تھی۔ KEMU اس کے انتظار میں تھی۔ FSc سے دو ہفتے پہلے آنے والے میٹرک کے رزلٹ میں احمد صدیقی صرف پاس ہوا تھا' کسی پوزیشن کے بغیر 71 فیصد نمبروں کے ساتھ۔

☆☆☆☆

اس خوبصورت سے گھر کے لان میں پھر سے جشن کا سماں تھا' احمر کے دوست اور عزیز و اقارب مدعو تھے' اس کی کامیابی کی خوشی میں جشن تھا' وہ ابو کے ساتھ داخلی دروازے پر موجود تھا۔

''ابو احمد اکیلا بیٹھا ہے''۔ ابو نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا' ایک کونے والی میز پر سر جھکائے احمد مجرموں کے سے انداز سے بیٹھا تھا۔

''بیٹھا رہنے دو''۔

''ابو! خدانخواستہ وہ فیل نہیں ہو گیا''۔

''میں اسے فیل ہی سمجھتا ہوں''۔ وہ آنے والے مہمان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے صدیقی صاحب آنے



والے مہمانوں کے ساتھ آگے بڑھ گئے تو وہ کونے میں آ گیا احمد خاموشی سے بیٹھا تھا۔

''ادھر کیوں بیٹھے ہو یار! آؤ میرے ساتھ''۔

''میں یہیں ٹھیک ہوں''۔ وہ افسردگی سے بولا تھا۔

☆☆☆☆

وہ کچھ ضروری اشیاء خریدنے بازار آئی تھی جب اس نے ایک دکان سے فرقان کو نکلتے دیکھا تھا فرقان اس کا تایازاد۔ وہ دھک سے رہ گئی اور جلدی سے عبایا ٹھیک کر کے رش میں گم ہو گئی۔

☆☆☆☆

زین کمرے میں بیڈ پر بیٹھا کھلونوں سے کھیل رہا تھا' وہ کچن میں برتن دھو دھو کر ریک میں لگا رہا تھا' اس سے فارغ ہو کر ہاتھ صاف کر کے کمرے میں آیا اور خود کو شیشے میں دیکھنے لگا۔

''پاپا''۔ وہ بے یقینی سے مڑا' بیڈ پر بیٹھا زین اسے دیکھ کر کھلکھلایا۔

''پا...... پا''۔ وہ دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے اٹک اٹک کر بول رہا تھا' حمزہ اپنی جگہ جامد اسے دیکھ کر رہ گیا۔

وہ پھر سے وہی ٹوٹے پھوٹے لفظ دہرا رہا تھا' حمزہ کا سحر ٹوٹا' وہ جلدی سے بیڈ کی طرف بڑھا اور اسے گود میں اٹھا لیا۔ ننھے بچے نے جھک کر اسے چوما تھا' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

''جی جی پاپا کی جان جی''۔ بچے کی غوں غاں جاری تھی اور وہ اسے بے تحاشا چومتے ہوئے رو رہا تھا۔ اسے اپنا آپ بے تحاشا قیمتی محسوس ہو رہا تھا' وہ کسی کی زبان سے ادا ہونے والے پہلے لفظ کا مطلب تھا اس خوشی کا کوئی حساب تھا بھلا؟ آنسو ابھی تک اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے آنسو جو ہر احساس کی ترجمانی کے لئے بہترین معاون ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆

ماموں نے وہ پیکٹ اسے دیا تھا۔

''تیس ہزار روپے ہیں میرے ایک جاننے والے نے دیئے ہیں دو سال کے اندر اندر لوٹا دینا''۔ وہ کھل اٹھا تھا۔

''تھینک یو ماموں''۔ اس نے پی یو میں بی ایس آنرز میں داخلہ لے لیا تھا۔ دوسری طرف ندا احمر سے بات کر رہی تھی۔

''یار انکل کو سمجھاؤ ایسے مت کریں وہ ان کی سگی اولاد ہے''۔

''میں نے کئی بار کہا ہے پر وہ نہیں مانے اسے FSc پری میڈیکل کروا رہے ہیں' میں نے کہا بھی کہ سمپل FA کروا دیں' پر نہیں وہ انٹرسٹڈ نہیں ہے میڈیکل میں''۔ ندا خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

''یہ زیادتی ہے اب اگر وہ تمہاری طرح ذہین نہیں تو اس کا کیا قصور ہے؟''

☆☆☆☆

وہ بے یقینی سے ای میل پڑھ رہی تھی جو کہ ایک معتبر ویب سائٹ کی طرف سے تھی اس کی درخواست پر وہ ویڈیو ہٹا دی گئی تھی اسے یقین دلایا گیا تھا کہ اب دوبارہ وہ ویڈیو اپ لوڈ نہیں ہونے دی جائے گی' فلک الیاس کو لگا اس کی توبہ قبول ہو گئی ہے کسی نے اسے اندھیروں سے روشنی کا راستہ دکھا دیا تھا' وہ کئی گھنٹوں تک وہ ای میل بھیگی پلکوں سے پڑھ کر مسکراتی رہی تھی دوسری طرف احمر اپنے چھوٹے بھائی کو کہہ رہا تھا۔

''تم ابو سے خود کہو تمہیں FSc نہیں کرنی ہے' منع کر دو''۔

''وہ سن لیں گے میری......؟ وہ مان لیں گے میری؟'' احمر استہزائیہ انداز سے ہنسا تھا۔ (جاری ہے)

صدف سعد

# رداکی ڈائری

## سیدہ عروج فاطمہ کی ڈائری سے

### ناہید اختر بلوچ کی نظم

سنو، اے نادان لڑکی
اب عشق کی
گلیوں میں
کسی عام سی
لڑکی کے لیے
کوئی شہزادہ
نہیں آتا!!
سنو اب ایسا نہیں ہوتا
کسی زمین زادی
سے ملنے
فلک کی سیڑھیاں اتر کر
کوئی فلک نہیں آتا!!

## شہلا گل سحر کی ڈائری سے

### ایک خوب صورت نظم

بیتے دنوں کو
من کی ڈائری میں
لاکھ سنبھال کے رکھوں
مگر!
یادوں کی پون جب بھی چلے
ماضی کے اوراق بکھر جاتے ہیں
جگنو، تتلی اور خوشبو کی طرح
ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں

بھی بھی یادوں کی ہوا
انہیں
آنکھوں کے دریچوں تک بھی
لے آتی ہے
جہاں پہ یہ
شبنم کے قطروں کی طرح چمکتے ہیں
مگر!
انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا
کوئی نہیں پڑھ سکتا
سوائے اپنی ذات کے
سوائے اپنے دل کے

## کرن ناز کی ڈائری سے

### پروین شاکر کا کلام

ایک خوب صورت ڈرائیو
اسی راستے پر
میں کب سے سفر کر رہی تھی
کبھی نیم تنہا
کبھی دوستوں کی معیت میں
اور کبھی
اس طرح بھی
کہ چلتی رہی اور ذرا سمت تک
جاننے کی ضرورت نہ سمجھی
دلآویز کم بولتے ساتھ ہیں
ستمبر کی تپتی ہوئی دوپہر میں



میں نے پہلی دفعہ یہ بھی دیکھا
کہ اس راستے پر
دورویہ گلابوں کے تختے بچھے ہیں

## نائلہ جبیں کی ڈائری سے

### ایک غزل

تاروں کی نمائش میں خلل پڑتا ہے
چاند پاگل ہے اندھیرے میں نکل پڑتا ہے
ایک دیوانہ مسافر ہے میری آنکھوں میں
وقت بے وقت ٹھہرتا ہے چل پڑتا ہے
اپنی تعبیر کے چکر میں میرا جاگتا خواب
روز سورج کی طرح گھر سے نکل پڑتا ہے
روز پتھر کی حمایت میں غزل لکھتے ہیں
روز شیشوں سے کوئی کام نکل پڑتا ہے
اس کو یاد آئی ہے دھڑکن ذرا آہستہ چل
دل کی دھک دھک سے تصور میں خلل پڑتا ہے

## پروین اختر کی ڈائری سے

### پروین شاکر کی غزل

مرنے سے بھی پہلے مر گئے تھے
جینے سے کچھ ایسے ڈر گئے تھے
رستے میں جہاں تلک دیے تھے
سارے میرے ہم سفر گئے تھے
آنکھیں ابھی کھل نہیں سکی تھیں
اور خواب میرے بکھر گئے تھے
جب تک نہ کھلا تھا اس کا وعدہ
موسم میرے بے ثمر گئے تھے
گرداب سے بچنے والوں کی سمت
ساحل سے کئی بھنور گئے تھے
اب تک وہی نشہ پذیرائی
کل خواب میں اس کے گھر گئے تھے
ملتا نہ تھا واپسی کا رستہ
کیا جانیے ہم کدھر گئے تھے

## فوزیہ گیلانی کی ڈائری سے

### حمیرہ افضاء کی نظم

محبت کے اسیر اکثر
محبت تسخیر نہیں کر پاتے
ہتھیلی پر دمکتی، ہیرے جیسی چاہت
کوئلہ سی لکیروں میں بدل ڈالتے ہیں
محبت کے مطلب، معانی، معیار سے عاری
اپنی سوچوں کے قافلوں کو
ہر سمت دوڑاتے رہتے ہیں
جذبے پرکھتے ہیں، وفائیں تولتے ہیں
کبھی اِس سے کبھی اُس سے ملاتے رہتے ہیں
یہ محبت کی شدتیں ہی اکثر
اِس کی روح کو گھائل کر جاتی ہیں
یہ دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانے والا ”عشق“
اپنی مات کا اکثر خود ہی سبب بنتا ہے
منور نور دل کی
لامتناہی خواہشیں، بے پناہ حسرتیں
جو پیار کے رستوں پر بھی
پُر جوش قدم چاہتی ہیں
اور خفگی کے محاذ پر بھی
جنگ کی قائل ہیں
پھر وہ خود کو سزا کیسے سنائے؟
جو محبت! خود اپنی ہی قاتل ہے
اپنی عجلت، کم ہمتی، ناقدری سے اکثر
انمول سپنے تعبیر نہیں کر پاتے
عہد ناموں کے محل والے
اعتبار تعمیر نہیں کر پاتے
محبت کے اسیر اکثر، محبت تسخیر نہیں کر پاتے

☆......

نورین ملک

# اشعار

سباس گل ــــــــ رحیم یار خان

درد ہوتا ہے تو احساس یہ ہوتا ہے مجھے
زندگی اب بھی مجھ میں کہیں باقی ہے

فرزانہ شوکت ــــــــ کراچی

ہر سمندر کا اک ساحل ہے
ہجر کی رات کا کنارہ نہیں
وہ ملتا نہیں ایک بار ہمیں
اور یہ زندگی دوبارہ نہیں

سیدہ عروج فاطمہ ــــــــ ملتان

بچھڑتے وقت کی صدائیں یاد رہتی ہیں
باوفا شخص کی وفائیں یاد رہتی ہیں
خوشی کے تہواروں پر نجانے کیوں
قسمت کی سزائیں یاد رہتی ہیں

ملک عامر نواز ــــــــ ڈی آئی خان

اشک ہی رہ گئے آنکھوں میں
داغ محرومیوں کے دھونے کو

مہرین کنول ــــــــ ڈی آئی خان

سرفروشوں کے جہاں بکتے تھے سر
عمر گزری وہ دکانیں بند ہیں

ملک ناصر جمیل ــــــــ ڈی آئی خان

نئی نسلیں تحفظ مانگتی ہیں
شجر خود اپنا پھل کھانے لگے ہیں

ملک جواد نواز ــــــــ ڈی آئی خان

عہد انصاف آ رہا ہے منیر
ظلم دائم ہوا نہیں کرتا

سیما ناصر ــــــــ ڈی آئی خان

اگرچہ سعد رستے میں بڑے دلکش جزیرے تھے
مجھے ہر حال میں لیکن سمندر پار جانا تھا

حنا علی ــــــــ ملتان

اس شخص سے فقط اتنا سا تعلق ہے فراز
وہ پریشان ہو تو ہمیں نیند نہیں آتی

نگہت توقیر ــــــــ چیچہ وطنی

میں ریزہ ریزہ تو ہوتا ہوں ہر شکست کے بعد
مگر نڈھال بہت دیر تک نہیں رہتا
جواب مل ہی تو جاتا ہے ایک چپ ہی نہ ہو
کوئی سوال بہت دیر تک نہیں رہتا

رابعہ منیر ــــــــ سرگودھا

ملے گا تو روئے گا اب بھی وہ لگ کے سینے سے
کہ اپنے حال کا ماضی سے فاصلہ نہ رہے
اتار کے تجھے دل میں، میں پھوڑ لوں آنکھیں
پلٹ کر جا بھی سکے تو وہ راستہ نہ رہے

نوربانو ــــــــ کوئٹہ

ایک سیدھی بات ہے ملنا نہ ملنا عشق میں
اس پر سوچو گے تو یہ بھی مسئلہ بن جائے گا
میرے سینے میں اک جذبہء بے نام ہے
ضبط کرتے کرتے حرف مدعا بن جائے گا



صبا سحر ــــــــ ہارون آباد

اس جگہ عقل نے دھوکے کھائے
جس جگہ دل ترے فرمان گئے
کوئی دھڑکن ہے نہ آنسو نہ امنگ
وقت کے ساتھ یہ طوفان گئے

نوشین مدثر ــــــــ لاہور

میں اس کو بھول گیا ہوں وہ مجھ کو بھول گیا
تو پھر یہ دل پہ کیوں دستک سی ناگہانی ہوئی
کہاں تک اور بھلا جاں کا ہم زیاں کرتے
بچھڑ گیا ہے تو یہ اس کی مہربانی ہوئی

امبرین حیدر ــــــــ اسلام آباد

عشق سمجھے تھے جس کو وہ شاید
تھا بس اک نارسائی کا رشتہ
میرے اور اس کے درمیان نکلا
عمر بھر کی جدائی کا رستہ

دھنک ناز ــــــــ کراچی

برباد کرنے کے اور بھی رستے تھے فراز
نجانے کیوں انہیں محبت کا ہی خیال آیا

عانیہ نیازی ــــــــ ربوہ

میں محبت میں اس مقام پر ہوں جہاں
میری ذات میں رہتی ہے تیری ذات مسلسل

نگہت توقیر ــــــــ چیچہ وطنی

تنی رہتی ہے جھالر آنسوؤں کی
یہ کیسی بارشوں میں آ گئے ہیں
کسی سے پوچھ کر رستہ ہمارا
سنا ہے لوگ منزل پا گئے ہیں

رابعہ منیر ــــــــ سرگودھا

سیم اور تھور ہو گیا ہوں میں
کوئی بادل برس نہیں سکتا

صدف منیر ــــــــ سرگودھا

امر واقعہ ہے یہ، چاہتوں کے پیڑوں پر
بارشوں کے موسم میں آشیانے لگتے ہیں

عاصمہ رشید ــــــــ فیصل آباد

سیلاب کے جاتے ہی چلے آئے ہو تم بھی
جب اپنی تباہی پہ میں رویا تو کہاں تھے

دھنک ناز ــــــــ کراچی

ہم سنا نہیں سکتے تم سمجھ نہیں سکتے
بے دیار لوگوں کے دکھ عجیب ہوتے ہیں

فرح تنویر ــــــــ ملتان

میں یاد بن کر ہی ترے ساتھ ہوں تو کاش مجھے
ہزاروں سال تجھے جیتنے میں لگ جائیں

نیناں علی ــــــــ گجرات

عشق میں اذیت کی کوئی انتہا بھی ہے
در نہیں رہا تیرا پھر بھی دل سوالی ہے
تجھ سے ربط قائم ہے، خود کو یاد رکھا ہے
رسم کو نبھایا ہے ریت بھی تو ڈالی ہے

مریم نواز ــــــــ فیصل آباد

کچھ کھو دینے کا اک دھڑکا کچھ نہیں کرنے دیتا
دل سے لپٹے رہتے ہیں اندیشے گزری عمروں کے

نور فاطمہ ــــــــ ملتان

تمہارا ذکر اگر دن میں بھول جاؤں تو
قضا سمجھ کہ میں راتوں کو جاگ لیتا ہوں

رملہ علی ــــــــ پشاور

ہو گیا اپنی ذات میں گم
روشنی جیسے رات میں گم
تیرے درد کا کچا گھر
آنکھوں کی برسات میں گم

......☆......

نورین ملک

# اس ماہ میں

## اس ماہ کے اقتباس

سکون: ''میں انسان کے اندر ایسا اضطراب پیدا کروں گا جو اسے ہر وقت بے چین و بے قرار رکھے گا۔ اس اضطراب کو دور کرنے کے لیے کبھی وہ زمین کی تہوں کو کھو ڈالے گا کبھی پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کرے گا اور کبھی چاند ستاروں تک پہنچ جائے گا۔ اس کو سکون نہیں ملے گا'' بڑی سرکار نے جواب دیا۔

''اور سکون اسے کہاں ملے گا'' انتہائی حیرت سے سوال کیا گیا۔

بڑی سرکار نے جواب دیا۔

''اگر میں سکون پہاڑ کی چوٹیوں اور زمین کی تہوں اور سمندروں کی گہرائی میں رکھوں تو انسان اسے وہاں بھی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا مگر میں سکون کو انسان کے اندر رکھوں گا جس کے بارے میں وہ بہت کم سوچے گا۔''

قیصرہ حیات۔ الف اللہ اور انسان

عانیہ نیازی۔ ربوہ

## عورت

مزے کی بات یہ ہے کہ جتنا مردوں نے عورتوں کو سمجھنے کا دعویٰ کیا ہے اتنا عورتوں نے مردوں کے متعلق کبھی کوئی قول اپنی عقل سے نہیں بنایا۔ مردوں نے کہا۔ ''مرد ظالم ہوتا ہے۔'' وہ چپ چاپ ظلم سہنے لگیں۔

مردوں نے کہا۔ ''عورت ڈرپوک ہوتی ہے۔'' وہ چوہیا تک سے ڈرنے لگی۔

پھر فرمایا۔ ''وقت پڑے تو عورت جان پر کھیل جاتی ہے۔'' بس جھٹ جان پر کھیل گئی۔

''ماں کی ممتا کا ساری دنیا ڈھول پیٹتی ہے باپ کی باپتا کا کوئی رونا نہیں روتا۔

عصمت چغتائی

دھنک ناز۔ کراچی

## اس ماہ کی رباعی

میرے چہرے پہ لکھی تحریر یہ نہ جانا اے دنیا والو
صدیوں کا فاصلہ طے کر کے اس فن کو سیکھا
کہاں کس لمحے، کس سے چھپانا کس پہ ظاہر کرنا
اپنے دکھ درد کو ہے کیسے مسکراہٹ کا لبادہ دینا

مریم ماہ منیر۔ لاہور

## اس ماہ کی نظم

عید

عید بھی آئے گی اور آ کے گزر جائے گی
مندمل زخم مگر پھر سے لگیں گے رسنے
یاد بے ساختہ آئے گا کوئی جان حیات
اک اداسی سارے ماحول پہ چھا جائے گی
دل بھی ایام گزشتہ کی نئی یاد لیے
یاد کر کے اُسے روئے گا بہت دیر تلک

شاعر: فیضان عارف

صبا سحر۔ ہارون آباد

## اس ماہ کی خوب صورت بات

جو چیز اللہ نہ دے، اسے انسانوں سے نہیں



مانگنا چاہیے ورنہ انسان بڑا خوار ہوتا ہے۔

نور بانو۔ کوئٹہ

## اس ماہ کی ہری مرچیں

شوہر نے کار چلاتے ہوئے بیگم سے کہا۔ ''ذرا کار کی کھڑکیاں تو کھول دو گرمی سے برا حال ہو رہا ہے۔''

بیوی نے جواب دیا۔ ''چپ چاپ بیٹھے رہو۔ پیچھے ہمارے پڑوسی اسلم صاحب کی کار آ رہی ہے انہیں پتا چل جائے گا کہ ہماری کار میں ایئر کنڈیشنڈ نہیں ہے۔

☆

ایک ماں نے اپنے بچے کو اسکول میں داخل کرواتے ہوئے کہا۔ ''میرا بچہ حساس ہے اسے سزا ہرگز نہ دیجیے گا اگر یہ اتفاق سے شرارت کر بیٹھے تو اس کے برابر والے بچے کو زور سے تھپڑ مار دیجیے گا یہ خود بہ خود سمجھ جائے گا۔

☆

ایک خاتون نے ٹریفک سارجنٹ کو اپنی تیز رفتاری کی وجہ بتاتے ہوئے کہا۔

''میری گاڑی کے بریک خراب ہو گئے ہیں اس لیے میں چاہتی ہوں کہ کسی حادثے کے بغیر گھر پہنچ جاؤں۔''

سیدہ امبر ہاشمی۔ کراچی

## اس ماہ کی مزاحیہ غزل

میری محبت کو اپنے دل میں ڈھونڈ لینا
اور ہاں آٹے کو بھی اچھی طرح گوندھ لینا
مل جائے اگر پیار تو کھونا نہیں
پیاز کاٹتے وقت رونا نہیں
مجھ سے روٹھ جانے کا بہانہ اچھا ہے
تھوڑا سا کھلا دو اگر کھانا اچھا ہے
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ
بچے دو ہی اچھے بیویاں بے شک چار رکھ
آپ کی کشش سرفروش ہے
آپ کا نشہ مدہوش ہے
کیا کہیں تم سے اے دوست
جس کتے نے تم کو کاٹا وہ اب تک بے ہوش ہے

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

## اس ماہ کچھ خاص

☆ رشتے اور رستے زندگی کے دو پہلو ہیں۔ کبھی کبھی رشتے نبھاتے نبھاتے راستے کھو جاتے ہیں اور کبھی کبھی راستوں پر چلتے چلتے رشتے بن جاتے ہیں۔ کسی کو رشتے راس آ جاتے ہیں تو کسی کو راستے، فرق صرف اتنا ہے راستوں کے دکھ برداشت ہو جاتے ہیں مگر رشتوں کے نہیں ہوتے۔

☆ انسان محبت ایک بار ہی کرتا ہے اور باقی محبتیں اس محبت کو بھلانے کے لیے کرتا ہے۔

☆ محبت اور نفرت دونوں اگر حد سے بڑھ جائیں تو جنون کی حد میں داخل ہو جاتی ہیں۔

☆ دکھ کی دراڑیں چہروں سے تو رخصت ہو جاتی ہیں مگر دل کے نہاں خانوں میں جا کر کسی ایک گوشے کو ویران کر دیتی ہیں اور یہ کسی مخصوص شخص کے لیے ہوتا ہے۔

☆ خود غرضی میں انسان پاگل ہو جاتا ہے۔

☆ جن میں خوبی ہوتی ہے وہ باتیں نہیں کرتے اور جن میں خوبی نہیں ہوتی وہ باتیں کرتے ہیں۔

☆ ہم خیال لوگ ہم سفر ہو جائیں تو زندگی آسان ہو جاتی ہے۔

☆ زبان کو شکوہ سے روکو خوشی کی زندگی عطا ہوگی۔

ماہ رخ خان۔ کراچی

☆......

## نورین ملک

# خوشبو

### حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کچھ رشتے ہیں، میں ان سے احسان کرتا ہوں اور وہ برائی کرتے ہیں۔ میں ناتا ملاتا ہوں اور وہ توڑتے ہیں جو میں صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ جہالت کرتے ہیں۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر حقیقت میں تو ایسا ہی کرتا ہے تو ان کے منہ پر جلتی راکھ ڈالتا ہے اور ہمیشہ اللہ کی طرف سے تیرے ساتھ ایک فرشتہ رہے گا جو تجھے ان پر غالب رکھے گا جب تک تو اس حالت میں رہے گا۔'' (صحیح مسلم)

سیدہ نورین۔ کراچی

### اچھی بات

رشتے اور موسم دونوں ایک جیسے ہوتے ہیں۔ کبھی حد سے زیادہ اچھے اور کبھی برداشت سے باہر۔ فرق صرف اتنا ہے کہ موسم جسم کو تکلیف دیتا ہے اور رشتے روح کو۔ (حضرت علیؓ)

گل بانو۔ پشاور

### لفظوں کی روشنی

☆ جس شخص کو عبرت حاصل کرنے کا شوق ہو اس کے لیے ہر ایک نئی چیز موجب عبرت ہے۔ (حکیم بقراط)

☆ زیادہ گفتگو کرنا ہر چند کہ اچھی باتیں ہوں، دلیل دیوانگی ہے۔ (ارسطو)

☆ زمانہ پیری نہایت حسرت ناک ہے بشرطیکہ صحت اور سچا دوست میسر ہو۔ (حکیم سقراط)

☆ دنیا کی مصیبتیں بظاہر زخم ہیں مگر درحقیقت ترقیوں کا موجب ہیں۔ (مجدد الف ثانی)

☆ علم دل کو اس طرح شاداب رکھتا ہے جیسے خشک زمین کو بارش۔ (حکیم لقمان)

☆ سچائی کا نام حسن ہے اور حسن کا نام سچائی ہے۔ (کسیٹس)

☆ محبت پانا ہر کسی کے لیے ممکن نہیں مگر محبت پھیلانا ہر ایک کے لیے ممکن ہے۔

☆ بددعا کبھی زبان سے نہیں دی جاتی وہ جو آنسو پلکوں میں اٹکا رہ جائے بذات خود ایک بددعا ہوتا ہے اور دکھا ہوا دل خود ایک بددعا کی گزرگاہ بن جاتا ہے۔

عانیہ نیازی۔ ربوہ

### میٹھی زبان

حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ زندگی کو سادہ رکھو مگر خیالات کو بلند۔ ظلم کرنا آسان ہے مگر سہنا بہت ہی مشکل۔ میٹھی زبان بے شمار دشمنوں سے بچاتی ہے۔

### دیوار

میاں بیوی میں لڑائی چل رہی تھی۔ بیوی نے شوہر سے کہا۔ ''اگر میں تمہارے رستے کی دیوار



ہوں تو اسے گرا کیوں نہیں دیتے۔''

شوہر بولا۔ ''جی تو بہت چاہتا ہے مگر دوسری دیوار بنانے میں خرچہ بہت آئے گا۔ بس یہ سوچ کر رک جاتا ہوں۔

نوشین مدثر۔ لاہور

### چوری

لڑکا۔ ''جان تم اب بدل گئی ہو۔''

لڑکی۔ ''وہ کیسے؟''

لڑکا۔ ''اب تمہارا ہاتھ پکڑتا ہوں تو تم شرماتی نہیں ہو۔''

لڑکی۔ ''پچھلی بار شرما کے آنکھیں بند کیں تو پرس سے 500 کا نوٹ غائب ہو گیا تھا۔

امبرین حیدر۔ اسلام آباد

### برنارڈ شا نے تقریر کرنا کیسے سیکھی

ایک اخباری رپورٹر نے جارج برنارڈ شا سے پوچھا۔ ''آپ بہت اچھی تقریر کرتے ہیں آپ نے یہ فن کیسے سیکھا؟''

''میں نے یہ فن اس طرح سیکھا جیسے لوگ سائیکل چلانا سیکھتے ہیں۔ کبھی ادھر گرتے ہیں کبھی اُدھر گرتے ہیں، لوگ ان پر ہنستے ہیں اور بالآخر وہ اس ہنسی اور تمسخر کے عادی ہو جاتے ہیں۔''

سیدہ عروج فاطمہ۔ ملتان

### تیرنا سیکھ لو

ایک دفعہ بہت بارشیں ہوئیں۔ دنیا بھر کے ماہرین موسمیات نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ چونکہ بارشیں بند ہونے کا امکان نہیں لہٰذا تین دن میں پانی کی سطح اتنی بلند ہو جائے گی کہ پوری دنیا ہی غرق ہو جائے گی۔ مسئلہ پورے کرۂ ارض کا تھا جب کوئی حل نظر نہ آیا تو پوری دنیا کے رہنماؤں نے فیصلہ کیا کہ دنیا تو اب غرق ہو رہی ہے۔ اس لیے تمام مذہب کے رہنماؤں کو ٹی وی پر خطاب کا موقع دیا جائے اور یہ خطاب پوری دنیا میں براہ راست دکھایا جائے تاکہ ہر مذہب کے رہنما اپنے ماننے والوں کو اپنی عاقبت سنوارنے کی تلقین کرسکیں۔ ہنگامی بنیادوں پر انتظامات ہوئے، تمام مذاہب کے چوٹی کے عالموں کو خطاب کا موقع دیا گیا۔ ہر کسی نے دنیا والوں کے سامنے اپنے مذہب کو سچائی اور اس پر ایمان لے آنے کی تلقین کی۔ سکھ سردار کی باری سب سے آخر میں تھی۔ دوسروں کی تقریریں ہو چکیں تو سردار صاحب کیمرے کے سامنے آئے چند لمحے خاموش کھڑے رہے اور پھر بولے۔ تین دن رہ گئے ہیں۔ ''ہن وی پانی وچ تیرنا سیکھ لو۔''

نائلہ جبیں۔ کھاریاں

### نمک

نمک چار ہزار سال قبل مصر میں استعمال میں لایا گیا۔ اس کے بعد اس کا استعمال یونان اور روم میں ہوا۔ کرنسی کے استعمال سے قبل روم میں نمک لین دین کے معاملات میں کام آتا تھا۔ نمک، سفید، ہلکے گلابی اور ہلکے سرمئی رنگ کا ہوتا ہے۔ نمک کو سوڈیم کلورائیڈ بھی کہتے ہیں۔ نمک کو کھانوں میں ذائقے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ نمک ذائقے میں پانچ طرح کا ہوتا ہے۔ نمکین، میٹھا، ترش، کڑوا اور خوشبودار۔

منزہ جبیں۔ حیدرآباد

### یہ دل...... ہائے دل!

رکتا بھی نہیں ٹھیک سے چلتا بھی نہیں ہے
یہ دل کہ تیرے بعد سنبھلتا بھی نہیں ہے

ہمارے دل...... میرا مطلب ہے کہ ہمارے
پیارے جسم میں دل کا جو کام ہے ہمارا مقصد اس پر کسی قسم کی بحث کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ مخصوص کاموں پر بحث کرنا ہے۔ مقصود ہمارا بہت دور کا رشتہ کہلاتا ہے جو بغیر مقصد کے کوئی بات نہیں کرتا۔ خیر ہم بات کررہے تھے دل کی یہ مقصود خوامخواہ ہی بیچ میں ٹپک پڑا۔ دل ہمارے جسم کی واحد چیز ہے جو اگر کسی کو دے بھی دی جائے تو بھی اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کی دھڑکنوں کو محسوس کیا جاسکتا ہے بعض اوقات یہ ضد پر اتر آتا ہے اور اڑنے کو مچلنے لگتا ہے کہ میں تو اڑ کر ہی اپنے پیاروں کے پاس پہنچوں گا، ایسے میں اسے کنٹرول کرنا عام آدمی کے بس کی بات نہیں البتہ ہوائی جہاز میں بٹھا کر اس کی خواہش پوری کی جاسکتی ہے۔

بعض اوقات بلکہ اکثر یہ بغاوت پر بھی اتر آتا ہے۔ ایسے میں اسے سچے جھوٹے دلاسوں سے بہلایا جاسکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ دل کا کیا بھروسہ ہے تو جب اپنی پر آجائے تو پہاڑ سے بھی ٹکر لے سکتا ہے، ایسی صورت میں اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ البتہ مقابل کا سر ضرور کھل سکتا ہے چونکہ یہ نادان بھی ہے اور بے وقوف بھی، اسی لیے کبھی کبھی یہ چاند کو چھونے کی خواہش کرتا ہے۔ ظاہر ہے اس کے لیے اسے چکور بننا پڑتا ہے۔ اکثر عاشقوں کی یہ شدید خواہش ہوتی ہے کہ کاش ہمارے سینے میں دو دل ہوتے اگر ایک ٹوٹ جاتا تو دوسرے سے کام چلا لیتے لیکن ہم اسے دیوانے کی بڑ کہیں گے کیونکہ اتنی شدید مہنگائی میں ایک ہی دل کا سنبھالنا مشکل ہوتا جارہا ہے اگر دو ہوتے تو ہمارا کیا ہوتا۔ کہتے ہیں کہ دل تو کانچ کی مانند ہوتا ہے ذرا ٹھیس لگے تو فوراً چکنا چور ہو جاتا ہے۔ کوئی کارنامہ انجام دینے کے لیے دل کے ساتھ گردے کو بھی ملانا پڑتا ہے ورنہ کام ادھورا رہتا ہے۔ کبھی کبھار یہ ٹوٹ کر بکھر بھی جاتا ہے چونکہ یہ بڑے حوصلے کا مالک ہوتا ہے اس لیے اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اکثر و بیشتر اس کو خون کے آنسو بھی رونے پڑ جاتے ہیں۔ ایسے میں یہ بڑا قابل رحم لگتا ہے۔ یہ جب اداس ہوتا ہے تو لگتا ہے کہ پوری کائنات اداس ہے۔ البتہ یہ خوشی سے بلیوں بھی اچھلتا ہے۔ کوئی اس میں آکر رہ بھی سکتا ہے، بغیر کرایہ ادا کیے۔ اس میں بہت گنجائش ہوتی ہے البتہ کبھی کبھی یہ تنگ بھی پڑ جاتا ہے مگر فکر کی کوئی بات نہیں اسے بدلا بھی جاسکتا ہے، میرا مطلب آپریشن سے بدلنا نہیں ہے۔ کچھ لوگ اس کو لے کر مکر بھی جاتے ہیں ایسے لوگ بہت خودغرض ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ شیر دل بھی ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے دل شیر کے لگے ہوتے ہیں بلکہ اس کی وجہ ان کی بہادری ہے۔ کہتے ہیں کہ دل کا کوئی بھروسہ نہیں۔ یہ کسی بھی وقت کچھ بھی کرسکتا ہے۔ کچھ بھی مانگ سکتا ہے کسی پر بھی آسکتا ہے۔ یہ دل ہی ہے جو آپ کے ہاتھوں سے نکل بھی سکتا ہے پھر اس کو واپس لانے کے لیے بہت پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ یہ پتھر کا بھی ہوسکتا ہے یہ بہت بڑا شہنشاہ ہے جو مرضی میں آئے وہ کام کرتا ہے بس تھوڑا سا نادان ہے اس لیے اکثر لوگ اپنے دل سے نالاں نظر آتے ہیں۔ ایسے میں ان کا لہجہ بڑا جارحانہ ہوجاتا ہے، وہ اس معصوم سے سخت سوال کرنے لگتے ہیں۔ ''دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے''
مگر دل کے پاس ان کے سوال کا کوئی جواب



نہیں ہوتا۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

## بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

☆ جس طرح چاند کے بغیر رات ادھوری ہے اسی طرح علم کے بغیر ذہن۔ (سرسید احمد خان)

☆ وہی صحیح معنوں میں آزاد ہیں جو خواہشوں کے غلام نہیں ہیں۔

☆ کامیابی کا دارومدار آپ کی محنت اور کوشش پیہم پر ہے۔ (شیکسپیئر)

☆ لگن کے بغیر کسی میں بھی عظیم ذہانت پیدا نہیں ہوسکتی۔ (ارسطو)

☆ انسان ہو کر ایسے کام نہ کرو جس سے انسانیت داغدار ہو۔ (وکٹر ہوگو)

☆ مسائل جہالت کے ذریعے طے نہیں ہو سکتے۔ (بنجمن ڈسٹرائیلی)

☆ جہاں صرف جہالت ہی خوش رکھ سکتی ہو وہاں عقل مند ہونا بے وقوفی ہے۔ (تھامس گرے)

☆ فتنہ انگیز سچائی سے مصلحت آمیز جھوٹ بہتر ہے۔ (شیخ سعدی)

☆ مسکراتا چہرہ معمولی کھانے کو بھی دعوت بنا دیتا ہے۔ (جارج ہرلوٹ)

☆ ترتیب، کائنات کا پہلا اصول ہے۔ (پوپ)

☆ اپنے آپ پر اعتماد رکھنے والے ہی فتح حاصل کرتے ہیں۔ (ول کاکس)

محبوب خان۔ دبئی

## سائنسی معلومات

☆ انسان کے مرنے کے بعد اس کا دماغ دو سے چار گھنٹے تک کام کرتا ہے۔

☆ انسانی دل کے چار خانے ہیں۔

☆ انسان کا دل ایک منٹ میں 72 مرتبہ دھڑکتا ہے۔

☆ انسان کے خون میں 90 فیصد پانی ہے۔

☆ نارمل انسان کے جسم کا درجہ حرارت 98.4 فارن ہائیٹ ہوتا ہے۔

سمیرہ عباس۔ کراچی

## ابتلا

درویش دنیاداروں میں پسندیدہ نہیں ہوتا اور دنیادار درویشوں میں ناپسندیدہ رہتا ہے۔ سورج کی روشنی کو چمگادڑ، الو، چور اور ڈاکو ناپسند کرتے ہیں۔ بہرحال شہرت ایک مستقل ابتلا ہے۔ جہاں انسانوں کی خوبیاں مشہور ہوتی ہیں وہاں ان کی خامیاں بھی مشہور ہونے لگتی ہیں۔ ایک معمولی انسان کا گناہ بھی معمولی ہوتا ہے لیکن ایک مشہور کا گناہ ایک مشہور گناہ ہوتا ہے۔

واصف علی واصف کی کتاب ''دل دریا سمندر'' سے اقتباس

افسانہ حیدر۔ جھنگ

## وہ بھی نہیں، میں بھی نہیں

دل سے دور وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
دونوں انسان ہیں خدا وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
وہ مجھے اور میں اسے الزام دیتا ہوں
مگر غلط اپنی جگہ وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
محبت تو ہم دونوں کرتے ہیں دل سے
محبت کا گناہ گار وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
عمر بھر ساتھ اگر ہم جی لیں تو کیا ہوگا
پر ہاتھوں کی لکیروں میں وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
اس کے علاوہ میں کیا مانگوں اس خدا سے
اور کسی چیز کا طلب گار وہ بھی نہیں میں بھی نہیں

خضرت حیات۔ لاہور

☆......☆......

# ذرا پیار سے کہنا

## محبت خوب صورت ہے

نہ دن لگتا ہے اچھا
نہ رات میں سونے دیتی ہے
محبت کب کسی کو
تنہا ہونے دیتی ہے
وہ چہرہ پھر اکثر
دکھائی دیتا ہے چہار سُو
یوں لگتا ہے کہ جیسے
ہے پھولوں میں بھی اُس کی خوشبو
میں نے سنا تھا یہ
جُدائی جان لیتی ہے
مگر میرے لفظوں میں
یہ جو رنگ سے بکھرے ہیں
ہجر کا احسان ہے مجھ پر
اُداسی مہربان ہے مجھ پر
تمہیں جب سوچتی ہوں میں
خود کو کھوجتی ہوں میں
یہ نام یہ شہرت
تمہاری بدولت ہے
محبت خوب صورت ہے

سیدہ عروج فاطمہ

## غزل

دفا میرے کام تو آیا آئے ہیں اپنانے لوگ
شمع امید کی جلانے آئے ہیں انجانے لوگ
کتنی سحر نو آئی ہیں کتنے سورج ڈوب گئے
چڑھتے سورج پہ آئے ہیں پھولوں کو برسانے لوگ
پیار کا منظر کیا دیکھیں گے پھولوں کے بدلے کانٹے پائیں ہیں
کل تک جن کو اپنا جانا آج ہیں وہ بیگانے لوگ
رکھیں کیوں آس چاہت کی ہم ان سے اپنا رشتہ کیسا
کام کسی کے کب آئے ہیں دولت کے دیوانے لوگ
کس کو دل کا درد سناؤں کون اپنا کون پرایا
جانے کہاں سے آجاتے ہیں محفل میں تڑپانے لوگ
دل اپنا اب یہ کہے کہ دشت کو ہم پھر آباد کریں
شہر میں تیرے جیسوں کو کہتے ہیں دیوانے لوگ
آنکھوں دیکھا حال کہو سنی سنائی بات نہ کرنا
سنتے ہیں کہ غم کو بھلانے جاتے ہیں میخانے لوگ
حسن پہ تجھ کو ناز ہے اپنے تم کو کسی سے کیا نسبت
ڈھونڈو گے تو پا نہیں سکتے جاوید جیسے مستانے لوگ

جاوید اسلم

## سردی کا سماں

یہ سرد ہوا
ہے چھو رہی
میرے دل کی در و دیوار
ہے عجب شان سے
کھڑے میرے کان
کچھ اندر سے بوجھل بوجھل
میرا دماغ



ہے عجب رنگت
میرے رنگ و روپ کی
ہے کچھ سفید، کچھ گلابی
کچھ لالی میرے روپ کی
پر لطف ہے پھر بھی یہ
سردی کا سماں
ہے اُجالا دے رہا فلک
سرِ شام سے ہی، ہیں پر
تاریک میرے مکین و مکاں
نہ برداشت ہے ٹھنڈ
نہ بن اس کے مزاج
پُر لطف ہے پھر بھی یہ
سردی کا سماں
ہے سرد فضاء میں
مہک رہی
گرم گرم مونگ پھلیاں
ہے عجب کشمکش
موسم سرما
پر لطف ہے پھر بھی یہ
سردی کا سماں

زروہ وصمان

## نظم

ایک نیلے نینوں والی لڑکی
سرخ چوڑیوں کو کھنکھناتی تھی
شوخ من چلے دل میں
کئی خواب سجاتی تھی
دھانی چنری سے لپٹا بدن
شرم و حیا کا پیکر تھا
نظروں کی جھالر ہمہ وقت
جھکی رہتی تھی
پر پھر کیا ہوا
یہ شیشہ دل لڑکی
پیا دیس سدھار گئی
بابل انگنے کی سبھی خواہشیں
یہیں میں مٹی اتار گئی
خواب زندگی حقیقت کا
روپ دھارنے لگی
یہ نیلے نینوں والی لڑکی
اس حقیقت سے ہارنے لگی
خواب جو اس کے خوشنما
تتلی رنگ تھے
سب یہاں چکنا چور ہو گئے
زمیں بوس ہو گئے
شوخی رعنائی کہیں گم ہونے لگی
نیلے نینوں والی لڑکی جیسے اپنے
آپ کو بھولنے لگی
چوڑیوں کی کھنک اب ماند پڑ گئی
کلائیوں میں سسرال کی چوڑیاں سج گئیں
بابل انگنا شدت سے یاد آنے لگا
پر کیا کرے دنیا دستور سامنے آنے لگا
ہر جانب یہی گونج آنے لگی
لڑکیاں پرایا دھن ہیں
مگر یہ آہ یہ آواز
نیلے نینوں والی لڑکی
کے من میں ہی دب گئی
کہ پرائے دھن کا کچھ
محبت پر بھی حق ہے
کچھ مان کچھ عزت
پر بھی حق ہے
پر یہ آہ فقط آہ ہی رہ گئی

نیلے نینوں والی لڑکی
دنیا کے رواجوں میں رُل گئی

آسیہ مظہر چوہدری

## نظم

کبھی کبھی
سب کو یونہی تنہا
بے وجہ بے مصرف بیٹھے
ہلکی نمی کی بے رنگ چادر
بینائی کے پار کے سارے اُجلے
منظر دھندلاتی ہے
دِل میں اک بے نام اذیت
ڈار سے بچھڑی کونج کی مانند کرلاتی ہے
اس پر حاکم دردو چھوڑا
اک بھرپوری انگڑائی سے جاگ اُٹھتا ہے
تو اس لمحے کیوں لگتا ہے جیسے وہ بھی یوں تنہا
بے وجہ بے مصرف بیٹھا ہوگا
میری یاد میں رویا ہوگا

فرزانہ شوکت

## غزل

اپنی بستی کے سب کچے مکاں اچھے تھے
ان یقینوں سے تو وہم و گماں اچھے تھے
چھوڑ آئے تو یہ محسوس ہوا شدت سے
ہم جہاں بھی تھے بہرحال وہاں اچھے تھے
نامور ہیں تو ہر اک گام سے دل ڈرتا ہے
بات تو یہ ہے کہ بے نام ونشاں اچھے تھے
جب جوانی تھی تو ہر بات بھلی لگتی تھی
اب یہ معلوم ہوا ہم بھی کہاں اچھے تھے
ان کی خاطر تو یہ انجام ہوا ہے اپنا
کون کہتا ہے کہ وہ شیریں بیاں اچھے تھے

ایس امتیاز احمد

## ذرا سوچو تو......!

ذرا سوچوں تو میری جان
کسی خاص فرد کے بن رہنا
جو بہت اپنا ہوتا ہے
جسے بالکل اپنا سمجھتے ہیں
جسے اپنے آپ سے بڑھ کر چاہتے ہیں
وہ اک پل کے لیے نظروں سے اوجھل ہو جائے
دائمی داغ مفارقت دے جائے
ہماری دسترس سے بہت دور ہو جائے
خالقِ کی رضا پر راضی ہو جائے
سوچوں تو دماغ کی تمام تر سوچنے سمجھنے
کی صلاحیت مفلوج ہو جاتی ہے
سانس ٹھہر جاتی ہے
دھڑکن تھم سی جاتی ہے
کوئی بھی شخص کسی کا ساتھ دائمی نبھا نہیں سکتا
یہ دنیاوی محبتیں دنیا میں ہی رہ جاتی ہیں
ماں و باپ، بہن بھائی، میاں بیوی بچے
عزیز و اقارب، کسی کے لیے بھی انسان
دنیا میں ٹھہر نہیں سکتا
آ جائے قضا تو مہلت لے نہیں سکتا
یہ تو برحق ہے کہ قضا آنی ہے
پیچھے رہ جانے والوں کی بھی دُکھی کہانی ہے
نہ کوئی مرکزِ چاہت ہوتا ہے
نہ کوئی دل کا دریچہ دیکھتا ہے
کسی خاص فرد کے جانے سے
زندگی اجڑی ویران ہو جاتی ہے
دعا ہے ملک الملک سے اپنے رب کریم سے
وہ سبھی کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھے
وہ سبھی کو حادثات و ناگہانیوں سے محفوظ رکھے
نہیں کسی کو بھی خبر کہ کب تک کی ہے زندگی



## میں تمہاری ہوں

تم مجھ سے دور تو ہو
مگر میرے دل کے اندر بستے ہو
اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ!
ہم خوابوں میں نہیں ملیں گے
کیونکہ سپنے کبھی سچ نہیں ہوتے
مگر اک بات یاد رکھنا
تم میرے ہو اور میں تمہاری ہوں

فیضان احمد فیضی

## نظم

او جاناں! سنا ہے یہ پڑھ بھی لو نا
کچھ دنوں سے دل میں میرے کھلبلی مچی سی ہے
میرا دل ہر پل یونہی بے کل سا رہتا ہے
کچھ ان کہا سا اک سوال ہے پوچھنا تم سے
کچھ لمحے کچھ وقت ہو تمہارے پاس او جاناں!
تو دل میں ابھرتا سا سوال یہ پوچھ لوں تم سے
کچھ انجانا سا تعلق تمہارے میرے بیچ میں ہے
عرصے سے آشنائی کا جو رشتہ ہم نبھاتے ہیں
تم اپنے دل کی دھڑکنوں کو تھام کر جواب دو نا
تمہارے دل میں جاناں! میرا کیا ہے نا؟
اگر تم نہ بھی کہہ پاؤ تو میں نے کہہ دیا آخر
تم خط میں یہ نظم پڑھنا اور پھر مسکرا دینا
اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر
بہت چپکے سے دھیرے سے
لبوں کو جنبش دے کر یہ کہنا، او جاناں!

مریم ماہ منیر

## غزل

کچھ قسمت میں لکھی جدائی بہت تھی
کچھ اس شہر کے لوگوں میں بے وفائی بہت تھی
اب کے خیالات میں ذرا بھی عکس نہیں ملتا
کبھی اس شخص کے ساتھ ہمنوائی بہت تھی
اب اس سے بچھڑ کے سوچتی ہوں میں
بس حال احوال تک ہی شناسائی بہت تھی
وہ بات کیا تھی کچھ یاد نہیں ہے اب
مگر اس ایک بات میں رسوائی بہت تھی
جسے سن کے تیرا دل موم ہوا تھا
میرے اس لفظ میں گہرائی بہت تھی
آج جس شخص کی موت کا چرچا ہے شہر میں
اس شخص کے گھر میں تنہائی بہت تھی

حفصہ کنول

## نظم

اشتہار بن گئی ہے جرأت میری
کبھی ہم بھی تھے تم سب میں
جو پلٹ کے سزا دی تو جواباً مسکرائی
اب مسکرانے کے بھی فسانے بننے لگ گئے
کہا جو کچھ سنا کچھ اور ہی
تھی مجبوری جو کچھ میری
اب لگا دو اشتہار میری باتوں کا
کہ پرواہ نہیں ہمیں اب اپنی رسوائی کا

سحرش فاطمہ

## نظم

کچھ یہ وقت ایسا
کچھ یہ حالات ایسے
کچھ آگے رستہ ہے دشوار
منزل نہیں کوئی اپنی
مجھے ہے پہنچنا
ساتوں آسماں کے پار

نور الصباء

جب تک کی ہے اپنوں کے سنگ
جی بھر کر جی لو زندگی
ذرا سوچوں تو میری جان
کسی کی جان بننے سے کسی کو جان بنانے سے
زندگی کتنی حسین و دلکش لگتی ہے
گر وہ جان نہ رہے جس کو جان کہتے ہو
زندگی کچھ نہیں بس راکھ لگتی ہے

ریما نور رضوان۔ کراچی

## نظم

ابھی وہ درد باقی ہے
ہجر کے بے درد لمحوں میں
جو ہمیشہ دل میں اٹھتا تھا
ابھی وہ خواب زندہ ہیں
کہ جن کی تعبیر پانے میں آنکھوں کو جھلسایا تھا
ابھی وہ راستہ ہے یاد
جس پر بچھے کانٹوں نے پیروں کو لہو میں نہلایا تھا
ابھی وہ عشق تازہ ہے
سرمست روح کو جس نے زندان میں ڈالا تھا
ابھی تو دل کی دنیا میں کہیں تو نام اس کا ہے
ابھی بیتے دنوں کی سب یادیں سلامت ہیں
وہ سب گھاؤ بھرنے میں ابھی تو وقت باقی ہے
یہ قیامت جھیل گئے تو
پھر بیٹھ کے سوچیں گے
اگر زندہ بچے تو
پھر تم کو بتائیں گے
دوبارہ کب اجڑنا ہے

سحر مبین

## تیری یاد

تیری یاد کا تپتا سورج
روح کو جھلساتا ہے
تیری یاد کا جاڑا
پل پل دل کو تڑپاتا ہے
تیرے ہجر کا ساون
کن من برستا ہے
تیری یادوں کے پت جھڑ میں
میرا دل ہر لمحہ بھٹکتا ہے
تیری بے وفائی کے گلاب
میری روح میں مہکتے ہیں
تیری کج ادائی کی دھند میں
زخم دل سلگتے ہیں
اشکوں کی برسات میں
دل سوز رہتے ہیں
اداس اداس خاموش رہتے ہیں
تیری یاد کے موسم میں جاناں
ہم ہر لمحہ ہر گھڑی مدہوش رہتے ہیں

شہلا گل سحر صالح

## غزل

اے حسنِ ناتمام ذرا آنکھ تو ملا
خالی پڑے ہیں جام ذرا آنکھ تو ملا
جلتے نہیں چراغ ستاروں میں دم نہیں
مغموم ہے یہ شام ذرا آنکھ تو ملا
ہم بھی ہیں تیری دید کے مشتاق اے ندیم
ہو ہم سے ہمکلام ذرا آنکھ تو ملا
ان کشتگانِ عشق کی روداد کیا ہوئی
لالب پہ ان کا نام ذرا آنکھ تو ملا
اے حسنِ نو بہار تجھے دیکھنے قمر
آیا ہے تیرے بام ذرا آنکھ تو ملا
تو گلشنِ حیات میں نازو ادا کے ساتھ
گل ہیں تیر غلام ذرا آنکھ تو ملا

حکیم خان حکیم

صالحہ محمود

# سندیسے

**گیتی آراء ـــــ کراچی**

پیاری آپی! آپ کی اور نورین کی خدمت میں ہمارا ڈھیروں سلام دعائیں اور پیار اور ایک بار پھر آپ سب کو ردا کی، آپی کی اور جشن آزادی کی سالگرہ کی دلی مبارک باد اور ساتھ ہی بقر عید کی بھی۔ 8 اگست کو ہمیں ہمارا دلعزیز ردا ملا۔ دیکھ کر طبیعت ہمیشہ کی طرح خوش اور باغ باغ ہوگئی۔ سب سے پہلے حسب معمول گوشۂ آگہی کی طرف بڑھے تو ہمیشہ کی طرح اچھا رہا۔ قمروش کا سلسلے وار ناول ''صحرا کی گلیوں میں عشق'' میں بلقیس آراء کی مفلسی اور غربت کی داستان قابل رحم ہے۔ تہمینہ بانو کی ''مکافات عمل'' بھی کمال تحریر تھی۔ شہلا گل سحر نے ''میرا خواب میری خوشی ہو تم'' میں کیا خوب کہا ہے کہ ''محبت آسمانی اور الوہی جذبہ ہے۔ اس کے جادو سے ہی ایک شخص دوسرے کے لیے ساری دنیا سے منفرد نظر آنے لگتا ہے۔'' حورالعین ہر لحاظ سے اس ماہ کی سب سے منفرد اور زبردست تحریر رہی۔ جویریا بانو نے تو کمال کر دیا۔ تہمینہ چوہدری کی ''بلاعنوان'' مختصر مگر خوب صورت انداز تحریر لیے ایک اچھی تحریر تھی۔ ریحانہ آفتاب کا ناول ''عشق کی داستاں'' میں کہانی تیزی سے دلچسپ موڑ اختیار کرتی جا رہی ہے آئنور کو اس کے خوابوں کا شہزادہ ملنے والا ہے۔ ایقان علی کی ''یا قادر'' پڑھ کر خدا کی قدرت اور دعاؤں کی طاقت پر ایمان لائے بغیر نہ رہ سکی۔ ماریہ خان کی ''محبت یقین کامل'' میں سونی کا شوخ و چنچل کردار اچھا لگا۔ مریم فاطمہ کی ''خالی ہاتھ'' اچھی تحریر تھی۔ سیدہ عروج کی ''عشق سید ہے'' نظم اچھی لگی۔ فضا الرحمٰن کی ''دلوں کے ملن'' اچھی رہی۔ سعدیہ عابد ''ایک تھا حنظلہ'' ایک اچھی اور سبق آموز تحریر تھی۔ پڑھ کر دل ہول گیا کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ ''ماں'' مریم علی کی ماں نے دکھی کر دیا۔ ایقان علی ''ستارے'' میں بھی اپنے جداگانہ انداز تحریر کی وجہ سے میدان مار لے گی۔ شازیہ جی تو پہلے ہی اپنے ناولز کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکی ہیں اور کر رہی ہیں۔ ''ردا کی ڈائری'' کے سبھی انتخاب اچھے تھے خاص کر رابعہ افضال اور ایم جے قریشی کا انتخاب۔ ''اشعار'' میں شاہ گل، مہرین کنول، حنا علی، عبدالغفار نے خوب لکھا۔ ''اس ماہ میں'' اور ''خوشبو'' ہمیشہ کی طرح زبردست رہے۔ ''دوستوں کے نام پیغام'' میں ریحانہ آفتاب ہمیں یاد رکھنے کا شکریہ۔ ''سندیسے'' دیکھ کر خوشی ہوئی۔ ''کچن'' بقر عید کے حوالے سے لاجواب تھا۔ ''سنگھار'' میں بالوں کے متعلق ٹپس بہترین تھی۔

**افشاں علی ـــــ کراچی**

محبتوں کے پھول اور دعاؤں کے خزانے لیے افشاں علی ایک بار پھر سے سندیسے کی محفل میں جلوہ گر ہیں۔ گو کہ یہ غیر حاضری تھوڑی طویل ہو چلی تھی اس لیے مصروفیت کے اژدھے کو چاک کر کے فرصت کے

لمحات نکال ہی لیے۔ سب سے پہلے پیاری سی صالحہ اپیا آپ کو سالگرہ مبارک ساتھ ہی ردا اور پاکستان کی بھی سالگرہ مبارک ہو۔ دعا گو ہوں کہ اللہ آپ کو صحت وتندرستی ڈھیروں خوشیاں اور درازی عمر عطا فرمائے، (آمین) اور ردا بھی یوں ہی ترقی کی راہوں پر گامزن درخشاں ستارہ بن کر چمکتا رہے، (آمین)۔ جب کہ پیارے وطن کے لیے تو ہمارا رواں رواں دعا گو ہے کہ اللہ اسے برے لوگوں کی نظر بد سے بچائے اور دین اسلام و پاکستان کا جھنڈا ہمیشہ عالم اسلام میں سرخرو رہے، (آمین)۔ جون میں میرے افسانے ''رنگ عید تحقیقی خوشیوں کے سنگ'' کو جگہ دینے کے لیے بہت شکریہ۔ جون اور جولائی دونوں ہی عید نمبرز بہت ہی زبردست رہے اس میں بلاشبہ ردا ٹیم و صالحہ آپی کا ہی ہاتھ ہے اور ہماری پیاری رائٹرز کا بھی جن کی تحریروں نے عید نمبرز پر چار چاند لگائے۔ عید سروے بھی خوب رہا۔ اپنے نام کی کمی تھوڑی محسوس ہوئی (ہاہاہا)۔ جون میں شہلا گل سحر کے پیغام میں اپنا نام پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ جولائی میں دوستوں کے نام پیغام میں شازیہ مصطفی کی والدہ کا سن کر ازحد افسوس ہوا اللہ انہیں جنت الفردوس اور گھر والوں کو صبر و حوصلہ عطا فرمائے، (آمین)۔ اس کے علاوہ عانیہ نیازی اور پیاری ثناء کنول کا پیغام اپنے نام دیکھ کر ازحد خوشی ہوئی۔ پیاری سی لڑکی تمہارا نام تمہارا پیغام دیکھ کر ہمیشہ دلی مسرت ہوتی ہے۔ جیسا تمہارا حال ہے کچھ ایسا ہی ہمارا بھی حال ہے۔ تم سے ملنے کی خواہش اتنی ہی شدید تر ہے جتنی ہر ماہ ردا ملنے کی ہوتی ہے تمہاری دوستی تمہارا پیغام تمہاری نظم تمہاری دعا اور تمہارا مخاطب کرنا میرے لیے باعث خوش قسمتی ہے۔ نصیبوں سے دوست ملتے ہیں اور پرخلوص و ہمدرد دوست تو قسمت کی بات ہے میری بھی خواہش ہے کہ تم سے ملوں یا کم ازکم پیاری لڑکی تم سے بات ہی کرسکوں تمہاری آواز ہی سن سکوں تب تک کے لیے ہم ردا کے توسط سے یوں ہی قلمی تعلق سے وابستہ رہیں گے دعا ہے کہ خدا تمہاری ہر دلی خواہش پوری فرمائے اور ڈھیروں خوشیوں سے نوازے، (آمین)۔ اب آتے ہیں جناب آزادی وسالگرہ نمبر کی طرف ''گوشۂ آگہی'' میں صالحہ اپیا آپ کی باتوں سے ہم بھی متفق ہیں۔ باقی آپ نے پیغام میں بالکل بجا فرمایا۔ آن لائن کے بجائے ہمیں کتاب کو اہمیت دیتے ہوئے کتابی شکل میں ہی اپنے ادب کو فروغ دینا چاہیے۔ اب بات ہو جائے کہانیوں کی مکمل ناول ''گلشن ہے معطر ہوائے عید'' نام کی طرح بہت ہی زبردست ناول اسٹوری و منظر نگاری شاندار رہی۔ ''مکافات عمل'' ناولٹ بھی دنیا میں ہی سزا و جزا کو ظاہر کرتا اچھا تھا۔ افسانے تو سبھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ شہلا گل سحر کا افسانہ عید کے رنگ میں خوشیوں بھری سوغات لیے اچھا لگا۔ خالی ہاتھ، حورالعین، بلاعنوان، عشق سید ہے خیال رکھنا، ماں، یہ سبھی افسانے بھی اچھے تھے مگر اپنے اندر ایک اداسی سموئے ہوئے تھے۔ ''دلوں کے ملن'' بھی خوشگوار اختتام کے ساتھ اچھا افسانہ تھا جب کہ ''عشق سید ہے خیال رکھنا'' نام کی طرح اس میں شامل نظم دل کو بھا گئی۔ اس ماہ جو افسانہ دل کو چھو گیا وہ تھا ''یا قادر'' کے خوب صورت عنوان کے ساتھ ایقان علی کا افسانہ جس میں ایمان ویقین پختہ ہو تو ناممکن بھی ممکن ہو جاتا ہے اور بے شک اللہ ہی قادر مطلق ہے کا سبق بخوبی دیا گیا۔ ویل ڈن ڈیئر باقی ہر سلسلے وار ناول کی قسط اچھی رہی۔ تفصیلی تبصرہ آخری قسط میں ہی دوں گی۔ مستقل سلسلے ہمیشہ ہی خوب سے خوب تر ہوتے ہیں سندیسے کی محفل کو سائرہ مشعال، سیدہ عروج، شہلا گل، سحر مبین، گیتی آراء اور انیتا اختر نے سجایا مگر عانیہ نیازی، دھنک ناز، فریدہ فرید، صبا سحر، نور بانو، ثناء کنول، رابعہ افضال آپ سب کی کمی شدت سے



محسوس ہوئی پیاری سائرہ مشعال آپ نے بہ خوبی اندازہ لگایا ''میں بھولی میرا آشیاں'' میں نے ہی تحریر کی ہے اور حقیقتاً یہ اسٹوری میرے دل کے بے حد قریب تر ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے بھی یہ تحریر پڑھی۔ پیاری ریحانہ آفتاب دوستوں کے نام پیغام میں ہمیں یاد کرنے کے لیے شکریہ زندگی نے وفا کی فراغت نے نبھا کی تو انشاء اللہ پھر سندیسے کی محفل میں حاضر ہوں گے۔ تب تک اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا شکریہ۔ جانے سے پہلے سبھی پڑھنے والی بصارتوں کو عید قرباں کی مبارک باد قبول ہو۔

## عانیہ نیازی ——— ربوہ

پیاری آپی! ردا قارئین و رائٹرز کو محبتوں بھرا سلام امید ہے سب خیریت سے خوش باش ہوں گے اور جشن آزادی منا کر عید کی تیاریوں میں ہوں گے۔ سب کو ردا کی پاکستان کی آپی کی سالگرہ مبارک اور ساتھ ہی عید کی خوشیاں بھی بہت بہت مبارک۔ اب بات ہو جائے اگست کے ردا کی تو سب سے پہلے ہم نے سلسلے وار سے شروع کیا کہ تجسس کی بیماری میں بری طرح مبتلا میں ہم اور ناولز کی اقساط کا بے صبری سے انتظار ہوتا ہے۔ قمروش آپی کا ''صحراؤں کی گلیوں میں عشق'' بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ شازیہ آپی کا ناول خاندانی رشتوں کی آپس کی الجھنوں کے ساتھ دلچسپی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ ریحانہ جی کا ''عشق کی داستان جدا ہے میری'' ایک مڈل کلاس فیملی کے پرابلم اور خوابوں کی داستاں لیے بہت زبردست جارہی ہے۔ ایقان علی کا ''ستارے'' مجھے اس لیے پسند ہے کہ یہ آج کل کے نوجوانوں کے احساسات وجذبات کی ترجمانی کرتا حقیقت کے قریب ترین ہے۔ مکمل ناول میں نبیلہ نازش نے پہلی بار لکھا اور کمال لکھا۔ ناولٹ میں تہمینہ بانو نے بھی خوب رنگ جمایا۔ افسانوں کی طویل فہرست اس بات کی گواہ تھی کہ سب نے اپنے اپنے انداز میں ہمیں زندگی کی تلخیوں اور حقیقتوں سے روشناس کرایا۔ پھر بات ہو حورالعین کی، یا قادر، خالی ہاتھ، عشق سید ہے، یا ایک تھا حنظلہ سب ہی بہت اچھے تھے۔ مستقل سلسلوں میں سبھی سلسلے زبردست تھے اوور آل اگست کا شمارہ بیسٹ تھا۔

## دھنک ناز ——— کراچی

ڈیئر صالحہ آپی اور سوئیٹ سی قارئین سب سے پہلے آپ کو سلام عرض ہے اس کے بعد ردا کی سندیسے کی محفل میں شرکت کی اجازت لیے ہم بھی شامل محفل ہونا چاہتے ہیں۔ دلکش تحریر اور خوب صورت نگارشات کا گلدستہ لیے ردا ہر بار کی طرح اس بار بھی بہت ہی خوب صورت رہا۔ تمام رائٹرز نے بہت اچھا لکھا اور سب سے زیادہ میرے لیے سلسلے وار ناولز کی اقساط دلچسپی لیے ہوتی ہیں۔ جن کا بے صبری سے مجھے انتظار ہوتا ہے اور سبھی سلسلے وار ناولز اس بار بھی اچھے رہے۔ مستقل سلسلوں میں مجھے پیغام، سندیسے اور کچن سب سے زیادہ اچھا لگتا ہے سب کے پیغام پڑھ کے بہت اچھا لگتا ہے اور سندیسہ میں نصف ملاقات بھی دلچسپ رہتی ہے۔ کوکنگ سے مجھے دلچسپی بہت زیادہ ہے اس لیے میں ضرور ٹرائی کرتی ہوں اس میں سے کچھ نہ کچھ۔ آخر میں میری دعا ہے ردا یوں ہی ترقی کرتا رہے اور ہمیں مزے مزے کے ناولز، ناولٹ پڑھنے کو یوں ہی ملتے رہیں۔

☆

عائشہ حمد

# دوستوں کے نام پیغام

## قمروش کے نام

ہماری بہت ہی پیاری اور سینئر رائٹر قمروش شہک کے والد کا انتقال ہوگیا ہے۔ ادارہ اور ہم ان کے غم میں برابر شریک ہیں۔ رب تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کے درجات بلند ہوں اور ان کا جنت الفردوس میں مقام ہو۔ قارئین و رائٹرز سے دعا کی التماس ہے۔ اللہ تعالیٰ قمروش اور ان کی فیملی کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

آپی

## صالحہ آپی کے نام

آپ کے جنم دن کی آپ کو بہت بہت مبارک باد۔ خوشیوں کا جمِ غفیر ہر لمحہ آپ کا منتظر ہو اور محبت کی وادی کی ہر راہ گزر آپ کی منتظر ہو اور آپ اللہ کی رحمتوں کے حصار میں ہوں۔ آپ کی زندگی میں خوشیوں کے سلسلے طویل ہوں، (آمین)۔ آپ کے لیے میرے کچھ خاص الفاظ

محبت کا آنچل پھیلائے
سب کو! اپنے سائے میں سمیٹے
خلوص کے لفظوں کی مالا پروئے
ہر دل کو یونہی
فتح کرتی رہیں
اللہ تعالیٰ کی رحمت کی
بارش پل پل آپ پر
برستی رہے (آمین)

شہلا گل سحر صالح۔ کوہاٹ

## شازیہ مصطفیٰ کے نام

شازیہ جی! آپ میری فیورٹ رائٹر ہیں آپ کی والدہ کے بارے میں پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور آپ کو اور آپ کی فیملی کو صبر جمیل عطا کرے۔ ماں کی کمی کبھی پوری نہیں ہوسکتی زندگی کے ہر مقام پر ہمیں ماں کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کی یاد ساتھ رہتی ہے۔ اللہ آپ کو صبر اور حوصلہ عطا کرے ہم آپ کے غم میں شریک ہیں۔

صبا سحر۔ ہارون آباد

## تایا کی فیملی کے نام

تایا جی اور تائی جان آپ کو حج کی سعادت بہت بہت مبارک ہو۔ سب سے مبارک بات یہ ہے کہ آپ کی پوری فیملی اس بار حج کی سعادت حاصل کررہی ہے۔ خالد بھائی اور بھابی ان کے دونوں بچے مزنہ آپی اور ان کے ہسبینڈ اور دونوں بچے ہم سب کے لیے یہ بات باعث مسرت ہے۔ ہم سب کی جانب سے آپ سب کو بہت بہت مبارک۔

رابعہ منیر۔ سرگودھا

## دوستوں کے نام

میری تمام دوستوں کو میٹرک کے شاندار رزلٹ پر بہت بہت مبارک باد، اب چلو جلدی سے پارٹی بھی ارینج کرلو کہ پھر کالج اسٹارٹ ہوگئے تو فرصت ملنی مشکل ہے اور پھر پتا نہیں کس کا کہاں ایڈمیشن ہو، سو گیٹ ریڈی اور پارٹی شارٹی ناں، ایک بار پھر تمام فرینڈز کو بہت بہت مبارک ہو اور کامیابیوں کا یہ سفر یونہی رواں دواں رہے، آمین۔

ماہ نور۔ فیصل آباد

## اپنی بہن کے نام

سوئیٹ اریبہ! عنقریب تمہاری شادی ہونے والی ہے۔ میری دعا ہے تمہارا یہ نیا سفر محبتوں اور چاہتوں بھرا ہو اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنی پرخلوص ذات سے اپنے سسرال والوں کے دلوں میں گھر کرلوگی۔ یاد رکھنا سسرال وہ انسٹی ٹیوٹ ہے جہاں ہر لڑکی پہلے پہل زیرو کہلاتی ہے مگر وقت گزرنے کے ساتھ اور اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اسی گھر کی سب ہوجاتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم بھی اپنی محبت سے اپنے سسرال میں اپنی جگہ بنالوگی۔

نوشین مدثر۔ لاہور

## صالحہ آپی اور نورین جی کے نام

پیاری پیاری
صالحہ آپی
نورین تم بھی ساتھ ساتھ ہو
میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں
ہر لحظہ تم آباد رہو
شاد رہو
مسرور رہو
مصروف رہو
کبھی مغرور نہ ہونا
ریما نور سے
اپنی ریما سے بھی دور نہ ہونا
تمہارا حسین سا مکھڑا
آفتاب کی مانند روشن رہے
تم پر میری دعاؤں کا پہرہ رہے
ہے دعا میری رب کریم سے
تم سدا کامیاب رہو
تم سے میرا ناطہ بنا رہے
دل میں دعائیں بہت ہیں
مجھ ناچیز کو لکھنے کا ڈھنگ نہیں

ریما نور۔ کراچی

## ڈیئر خضر جانو

آپ کے جنم دن پر آپ کی آنی دل کی گہرائیوں سے آپ کو مبارک باد کہتی ہے زندگی کے ہر موڑ ہر مقام پر اللہ آپ کو کامیاب کرے۔ آپ کی زندگی طویل ہو اور خوشیاں آپ کے مقدر میں ستاروں کی طرح چمکتی رہیں۔ (آمین)۔ میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں اور دعاؤں کے موتی تمہارے لیے روز و شب بھیجتی ہوں۔

شہلا گل صالح۔ کوہاٹ

## ردا اسٹاف اینڈ انیتا اختر کے نام

السلام علیکم! پیاری صالحہ آپی، نورین ملک اور ردا کے تمام اسٹاف کو میری طرف سے دل کی گہرائیوں سے عید مبارک۔ انیتا اختر کیسی ہو؟ تمہاری دو اسٹوریز ردا میں شائع ہوگئیں۔ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہی تمہیں کامیابیاں عطا کریں، آمین۔ میری حوصلہ افزائی کے لیے میں دل سے تمہاری ممنون ہوں اگر پوری دنیا میں کسی نے مجھے سراہا ہے تو وہ تم ہو، انیتا اختر۔ ہمیشہ خوش رہو۔ اچھا اچھا لکھتی ہو اور مجھے ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھنا۔ میری طرف سے تمہیں بڑی عید کی بڑی مبارک باد، ہاہاہا۔

حفصہ کنول۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ

ثریا اقبال

# کچن

## میتھی کلیجی

ضروری اجزاء

- کلیجی : ایک پاؤ
- پیاز : دو عدد
- ادرک پیسٹ : ایک چائے کا چمچہ
- نمک : حسب ذائقہ
- لہسن پیسٹ : ایک چائے کا چمچہ
- تیل : آدھا کپ
- سرخ مرچ پاؤڈر : ایک چائے کا چمچہ
- ہرا دھنیا کے پتے : حسب ضرورت
- زیرہ پاؤڈر : ایک چائے کا چمچہ
- قصوری میتھی : دو کھانے کے چمچے
- سیاہ مرچ پاؤڈر : حسب ضرورت
- گرم مصالحہ پاؤڈر : چوتھائی چائے کا چمچہ
- ہری مرچ : حسب ضرورت
- تیل : آدھا کپ

ترکیب: پہلے کلیجی کو نمک اور سیاہ مرچ کے ساتھ میری نیٹ کرکے پندرہ منٹ کے لیے رکھ دیں۔ تیل گرم کریں اور پیاز کو براؤن فرائی کرلیں۔ ادرک پیسٹ لہسن پیسٹ، سرخ مرچ پاؤڈر، ہرا دھنیا کے پتے، زیرہ پاؤڈر اور ہری مرچ ملا کر تھوڑا سا پانی ڈال دیں اور اچھی طرح فرائی کرلیں۔ درمیان میں پانی کا چھینٹا بھی دیتی جائیں۔ مصالحہ اس وقت تک پکائیں کہ اچھی طرح پک جائے۔ اس کے بعد اس میں میری نیٹ کی ہوئی کلیجی ملا دیں اور پکائیں۔ بیس منٹ تک پکائیں۔ چولہے سے اتار لیں۔ آخر میں گرم مصالحہ اور میتھی ملا دیں اور ادرک کے باریک باریک ٹکڑوں کو ہرے مصالحے سے گارنش کرکے گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

## کٹا کٹ

ضروری اجزاء

- گردے : چار عدد
- چانپ : ایک پاؤ
- بھیجے : دو عدد
- سبز مرچیں : پانچ عدد
- میتھی پتے : دو چائے کے چمچے
- ادرک : ایک انچ کا ٹکڑا
- دہی : نصف کپ
- گھی : آٹھ کھانے کے چمچے
- پیاز : دو عدد درمیانے
- ٹماٹر : چار عدد
- لہسن (پسا ہوا) : ایک کھانے کا چمچہ
- سرخ مرچ پاؤڈر : دو کھانے کے چمچے
- گرم مصالحہ : تین چائے کے چمچے

خاص گرم مصالحہ:

- سونف : چوتھائی کپ
- بڑی الائچی : دو تا تین عدد
- خشخاش : ایک کھانے کا چمچہ



- جاوتری : ایک چٹکی
- سیاہ مرچ : دو کھانے کے چمچے
- ثابت دھنیا : دو کھانے کے چمچے
- پسا ناریل : آدھا کپ
- سفید زیرہ : دو کپ
- لونگ : تین تا چار چھٹانک
- جائفل : دو عدد
- دارچینی : ایک ٹکڑا
- پسا دھنیا : دو کھانے کے چمچے
- کھوپری : آدھی

ترکیب: توے پر ذرا سا پانی ڈال کر پہلے گردے اور پھر چانپیں کاٹ لیں اتنا کاٹیں کہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوجائیں، اب اس میں لہسن ڈال دیں۔ ساتھ ہی پیاز ڈال کر کاٹیں۔ نمک اور سرخ مرچ پاؤڈر ملانے کے بعد بھیجا ڈال کر کاٹیں۔ ذرا سا پانی چھڑکیں اور دو مخصوص چمچوں کی مدد سے خوب کٹا کٹ کرتی رہیں۔ سبز دھنیا، گھی اور دہی بھی ملا لیں اور چمچوں کی مدد سے بھون لیں۔ آخر میں خاص گرم مصالحہ، میتھی اور سبز دھنیا ڈال کر اچھی طرح کٹا کٹ تیار کرلیں۔ بالکل باریک ہو جائے تو کھانے کے لیے تیار ہے۔

## گرین مصالحہ ران

ضروری اجزاء

- بکرے کی ران : ایک عدد
- ادرک : ایک انچ کا ٹکڑا
- لہسن کے جوے : چار سے چھ عدد
- ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا) : دو کھانے کے چمچے
- پودینہ (چوپ کیا ہوا) : دو کھانے کے چمچے
- ہری مرچیں : چار عدد
- زیرہ پاؤڈر : ایک چائے کا چمچہ
- دہی : ڈیڑھ کپ
- گرم مصالحہ پاؤڈر : ایک چائے کا چمچہ
- کچا پپیتا پیسٹ : دو چائے کے چمچے
- نمک : حسب ذائقہ
- تیل : حسب ضرورت

ترکیب: ران کو اچھی طرح صاف کرکے گہرے کٹ لگالیں۔ اب اس پر نمک اور پپیتا لگا کر ڈیڑھ گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ گرائنڈر میں ادرک، لہسن، ہرا دھنیا، پودینہ، ہری مرچیں، زیرہ اور نمک ملا کر گرائنڈ کرکے ہرا مصالحہ تیار کرلیں۔ دہی میں پسا ہوا ہرا مصالحہ اور گرم مصالحہ پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور یہ آمیزہ ہاتھ کی مدد سے پوری ران پر اچھی طرح لگائیں اور دو گھنٹے تک میرینیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ ایک بڑی پتیلی میں چھ کھانے کے چمچے تیل گرم کرکے مصالحہ لگی ران اس میں ڈال کر بیس منٹ تک ڈھک کر پکائیں اس کے بعد پلٹ دیں اور مزید بیس منٹ تک ڈھک کر پکائیں۔ سرخ ہونے پر اور گوشت گل جانے کے بعد نکال لیں۔ گرین مصالحہ ران تیار ہے۔ سلاد اور ہری چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

## تکے کباب

ضروری اجزاء

- گوشت : ڈیڑھ کلو
- لیموں : ایک عدد
- پیاز : ایک عدد
- لہسن : دو جوے
- دہی : ڈیڑھ پیالی
- سرکہ : چار چمچے
- گرم مصالحہ : دو چمچے
- سرخ مرچ : دو چمچے
- نمک : ڈیڑھ چمچہ
- ادرک : ایک ٹکڑا دو انچ کا

ترکیب: گوشت کے دو انچ کے ٹکڑے کاٹ لیں اور لیموں کا رس لگا دیں۔ اب آدھا پیاز کاٹ کر رکھ لیں اور باقی آدھا پیاز، لہسن، ادرک، سل پر باریک پیس لیں اور دہی، سرکہ، گرم مصالحہ، نمک اور سرخ مرچ میں حل کر کے گوشت کو یہ تمام مصالحہ اچھی طرح لگا دیں اور فریج میں رات بھر رکھ دیں۔ اگلے روز ان گوشت کے ٹکڑوں کو سیخ پر چڑھا لیں۔ ہر بوٹی کے بعد ایک ٹکڑا پیاز کا بھی سیخ پر چڑھاتے جائیں اور کوئلے اچھی طرح دہکا کر ان کے اوپر یہ تکے پکا لیں۔ دھیان رہے کہ تکے اوپر سے بہت جلد نہ پک جائیں۔ کوئلوں سے مناسب فاصلے پر رکھیں تاکہ گوشت اندر سے بھی اچھی طرح گل جائے۔ سیخوں کو وقفے وقفے سے گھماتے جائیں تاکہ تکے تمام اطراف سے پک جائیں۔

## بہاری کباب

ضروری اجزاء

| | | |
|---|---|---|
| گائے کا گوشت | : | ایک کلو (پارچے بنوا لیں) |
| دہی | : | ایک پیالی |
| سرسوں کا تیل | : | ایک پیالی |
| پپیتا پسا ہوا | : | ایک کھانے کا چمچہ |
| پیاز پسی ہوئی | : | ایک پیالی |
| کالی مرچ پاؤڈر | : | ایک کھانے کا چمچہ |
| زیرہ پاؤڈر | : | ایک کھانے کا چمچہ |
| گرم مصالحہ پاؤڈر | : | ایک کھانے کا چمچہ |
| خشخاش | : | ایک کھانے کا چمچہ |
| لال مرچ پاؤڈر | : | دو کھانے کے چمچے |
| نمک | : | حسب ذائقہ |
| ادرک کا پیسٹ | : | ایک کھانے کا چمچہ |
| گھی | : | ایک کپ |

ترکیب: گوشت میں پہلے نمک اور سرسوں کا تیل ملا کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اس کے بعد پپیتا، پیاز، کالی مرچ پاؤڈر، زیرہ پاؤڈر، گرم مصالحہ پاؤڈر، خشخاش، لال مرچ پاؤڈر اور دہی کو گوشت میں مکس کر لیں اور ایک گھنٹا مصالحہ ملا ہوا گوشت میری نیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ ایک طرف کوئلہ گرم کر لیں۔ پھر سیخ میں گوشت پرو لیں۔ اور کوئلہ پر سینک لیں۔ بہاری کباب جب تیار ہو جائیں تو برش یا روئی کے ذریعے گھی لگا لیں۔ گرم گرم لذیذ بہاری کباب پراٹھے کے ساتھ مزے سے نوش فرمائیں۔

## مصالحے دار دہی والی چانپ

اجزاء

| | | |
|---|---|---|
| چانپ | : | ایک کلو |
| لہسن (پسا ہوا) | : | ایک چائے کا چمچہ |
| ہرا دھنیا (پسا ہوا) | : | ایک کھانے کا چمچہ |
| کالی مرچ (پسی ہوئی) | : | ایک چائے کا چمچہ |
| دہی | : | آدھا کلو |
| پیاز (پسی ہوئی بڑے سائز کی) | : | دو عدد |
| ادرک (پسی ہوئی) | : | ایک چائے کا چمچہ |
| ہری مرچ (پسی ہوئی) | : | ایک چائے کا چمچہ |
| نمک | : | حسب ذائقہ |
| گھی | : | ایک پاؤ |

ترکیب: دہی کو اچھی طرح پھینٹ لیں۔ تمام پسے ہوئے مصالحے دہی میں ملا دیں۔ اب چانپ کو اچھی طرح دھو لیں اور ان کو مصالحے ملے دہی میں ڈبو دیں۔ کم از کم آدھا گھنٹا ان کو پڑا رہنے دیں تاکہ مصالحہ جات اچھی طرح چانپوں میں جذب ہو جائے۔ ساس پین / کڑاہی میں گھی کو گرم کریں اور اس میں چانپیں ڈال کر تل لیں۔ لذیذ مصالحے دار دہی کی چانپ تیار ہے۔ سلاد اور چٹنی کے ساتھ تناول کریں۔

☆☆☆



# سنگھار

شہلا مشائق

میک اپ ایک ایسی چیز ہے جو خواتین کی زندگی کا ایک لازمی حصہ بن چکا ہے۔ خواتین کو ضرورت ہے کہ وہ میک اپ کا استعمال ایسے خاص طریقے سے کریں جو کہ لمبے عرصے تک ان کی جلد کو ہموار اور خوب صورت رکھنے میں مددگار ہونے کے ساتھ جلد کو میک اپ کے نقصانات سے بھی محفوظ رکھے۔ خواتین کی جلد کے لیے ضروری ہے کہ وہ کلینزر کے استعمال کو معمولات میں شامل کر لیں۔ دن کے آغاز پر میک اپ کے استعمال سے پہلے چہرے کو کلینزر کی مدد سے مساج کریں گرم پانی میں روئی بھگو کر چہرے کو اس سے اچھی طرح صاف کر لیں۔ جلد پر موجود چکنائی اور گرد و غبار صاف ہونے کے بعد جیسے ہی کلینزنگ مکمل ہو، روئی کی مدد سے جلد پر ٹونر کا استعمال کریں۔ ٹونر نہ صرف آپ کی جلد کو شفاف و ملائم بنانے میں مددگار ہے بلکہ جلد کو لمبے عرصے تک جراثیم کے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ جلد کو دس سے پندرہ منٹ کا وقت دیں اور اس کے بعد خشک ہوتے ہی جلد پر موجود دھبوں اور جھریوں لائنوں پر کنسیلر کا استعمال کریں۔ یہ چہرے کی باریک لائنوں اور جھریوں کو چھپانے میں معاون ہے۔ کنسیلر کے استعمال کے فوراً بعد آپ اپنی جلد پر 2/1 چمچ سن بلاک کا استعمال کریں اور ایک موٹی تہہ جلد پر اچھی طرح پھیلا لیں۔ اس سے آپ کی جلد دن بھر کی دھول مٹی سورج کی شعاعوں اور میک اپ کے اثرات سے محفوظ ہو جائے گی۔ پندرہ منٹ کے دورانیے کے لیے سن بلاک کو جلد میں جذب ہونے کے لیے چھوڑ دیں۔ جب بات آتی ہے سن بلاک کے استعمال کی تو چند لوگوں کا کہنا ہوتا ہے کہ یہ جلد کو چکنا بناتا ہے لوگوں کا یہ سوچنا اب صحیح نہیں رہا کیونکہ سن بلاک مختلف ورائٹی میں موجود ہیں نہ صرف کریم بلکہ جیل فارم میں بھی دستیاب ہیں۔ سن بلاک کو جلد کی قسم کے مطابق چنا جانا بے حد ضروری ہے۔ چکنی اور خشک جلد کی اقسام کے لیے سن بلاک بھی مختلف اقسام میں میسر ہیں۔ سن بلاک جلد کو سورج کی شعاعوں سے بچانے کے ساتھ جلد کی عمر کو ڈھلنے سے روکنے اور جھریوں سے بچانے کے لیے بے حد مفید اور کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ سن بلاک کی تہہ کے جذب ہونے کے بعد جلد پر بیس بنانے کے لیے آپ کامپیکٹ پاؤڈر کا استعمال کر سکتی ہیں چونکہ جلد پر سن بلاک کی تہہ موجود ہے تو بیس یا فاؤنڈیشن لگانے کی بجائے آپ ڈائریکٹ پاؤڈر لگا سکتی ہیں۔ اس طرح آپ ہموار جلدی سطح بھی حاصل کر سکتی ہیں اور بیس کے نقصان دہ اثرات سے محفوظ بھی رہ سکتی ہیں۔ پاؤڈر اپلائی کرنے کے بعد آپ اپنی ضرورت اور جلدی رنگت کے حساب سے اس کی مقدار میں کمی بیشی کر سکتی ہیں۔ چند لوگوں کا سوچنا ہے کہ بیس کے بغیر ہماری جلد میں خوب صورتی نہیں آ سکتی لیکن یہ بالکل غلط

نظریہ ہے۔ بیس کا اصل مقصد پاؤڈر کے جذب ہونے اور ٹکے رہنے میں مدد کرتا ہے اور اس مقصد کو کسی بھی اچھے سن بلاک سے پورا کیا جاسکتا ہے اور سن بلاک جلد کی رنگت کے حساب سے بھی میسر ہیں۔ چند لوگوں کو یہ مسئلہ درپیش رہتا ہے کہ کامپیکٹ پاؤڈر جلد کی سطح پر ہموار نہیں رہتا اور جلد کی سطح کو کھردرا بناتا ہے۔ لوگوں کے شعور کے لیے یہ بات جاننا بے حد ضروری ہے کہ بیس اور کامپیکٹ جلد کی سطح کو خطرناک حد تک نقصان پہنچاتے ہیں لیکن یہ اثرات تب مرتب ہوتے ہیں جب انہیں بغیر سن بلاک کے جلد پر استعمال کیا جائے جن لوگوں کی جلد کی سطح چکنی ہوتی ہے ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کلینزنگ کرنے کے بعد میک اپ اپلائی کریں اور میک اپ کو اتارنے کے لیے ٹونر اور کلینزز کا استعمال کریں۔

اگر روزانہ میک اپ اپلائی کرنے کی ضرورت درپیش ہو تو ہفتے میں دوبار اسکرب کا استعمال کریں۔ اس سے ان کی جلد میک اپ کے مضر اثرات سے بچی رہتی ہے۔ جن لوگوں کی جلد خشک ہوتی ہے ان کو چاہیے کہ وہ میک اپ کرنے سے پہلے جلد پر موئسچرائزر کا استعمال ضروری بنا لیں اس سے ان کا کامپیکٹ پاؤڈر جلد کی سطح پر ہموار رہتا ہے اور جلد خشکی کے باعث خراب ہونے سے بھی محفوظ رہتی ہے۔ ان تمام باتوں پر عمل کر کے خواتین نہ صرف خوب صورت نظر آسکتی ہیں بلکہ اپنی جلد کو پہلے سے بہتر بنانا ان کے لیے نہایت آسان بن سکتا ہے۔ خواتین ہمیشہ اچھی کوالٹی کے میک اپ کی اشیاء استعمال کریں اور جلد کو میک اپ کے مضر اثرات سے محفوظ رکھیں۔

## آسان ٹوٹکے آزمائیے:

☆ بالوں کو چمکدار بنانے کے لیے لیموں کا رس نکال کر اس کی مالش کر کے تھوڑی دیر کے بعد دھو لیں۔ اس کے علاوہ شیمپو کرنے سے ایک یا دو گھنٹے پہلے سر پر تیل کی اچھی طرح مالش کرنے سے بھی بالوں کی چمک بڑھ جاتی ہے۔

☆ ناخنوں کو مضبوط بنانے کے لیے ایک گہری پیالی یا پلیٹ میں زیتون کا تیل ڈال کر اس میں ناخنوں کو ڈبو دیں اس کے بعد نیم گرم تیل میں ڈال کر ناخنوں کو ٹشو پیپر سے صاف کر لیں کچھ دنوں کے بعد ناخن مضبوط ہو جائیں گے۔

☆ روزانہ چائے کے دو چمچے شہد پانی میں ملا کر پینے سے چہرے کی خوب صورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆ اگر آپ کے بالوں میں خشکی بڑھ گئی ہے تو آدھا پاؤ دہی میں ایک انڈا ملا کر بالوں پر لگائیں۔ اس کے بعد تولیے سے اپنے بالوں کو لپیٹ لیں ایک گھنٹے کے بعد سر دھو لیں اس طرح سر میں خشکی کی شکایت بھی دور ہو جائے گی۔

☆ بالائی سے پاک دہی میں تھوڑا سا خمیر ملا کر گالوں پر لگائیں چند منٹ بعد سادے پانی سے چہرے کو دھوئیں جلد سے دانوں کیل مہاسوں کا خاتمہ چند ہی دنوں میں ہو جائے گا۔

☆ ماہرین جلد کا کہنا ہے کہ دہی کے اندر قدرتی حسن کو برقرار رکھنے کی بے شمار خصوصیات ہوتی ہیں، کیونکہ اس میں موجود عنصر جلد کو بلیچ کرنے میں مددگار ہوتا ہے دہی کو جلد پر لگا کر کچھ دیر کے لئے چھوڑ دیں اور ہلکے گرم پانی سے چہرے کو دھو لیں جو آپ کو نہ صرف نکھرا نکھرا بنا دے گا بلکہ چہرے پر موجود دانوں کو بھی ختم کر دے گا۔

......☆......